سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

# جواہرِ اردو

مرتب کنندہ:

مولانا جنید مسعود (لیکچرر اُردو)

**(1ST YEAR)**

## خصوصیات

| | |
|---|---|
| مصنفین کا تعارف | مشکل الفاظ کے معانی |
| معروضی سوالات | سیاق وسباق وخلاصہ جات |
| مرکزی خیال | اشعار کی جامع تشریح |
| علم بدیع اور علم بیان کی مکمل تفصیل | فنی محاسن اور حلِ لغت کے ساتھ |
| مرکبات، حروف، ادبی اصناف نثر | رسید، خطوط، مکالمے، آپ بیتیاں |

**''جدید کورس اور بورڈ پیٹرن کے عین مطابق''**

چاند سٹیشنری لنک روڈ ایبٹ آباد فون نمبر:

نہم، دہم اور سیکنڈ ایئر کے بھی ''جواہر اردو'' نوٹس دستیاب ہیں۔ رابطہ نمبر **0314-4470007**

# فہرست

## حصہ نثر



| سیریل نمبر | اسباق/نظم/غزل | مصنفین و شعراء | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | اپنی مدد آپ | سر سید احمد خان | 02 |
| ۲۔ | جھوٹے آدمی | مولوی ذکاءاللہ | 07 |
| ۳۔ | نظریۂ پاکستان | ڈاکٹر غلام مصطفیٰ | 11 |
| ۴۔ | پاکستانی قومیت کا مسئلہ | ڈاکٹر سید عبداللہ | 15 |
| ۵۔ | کچھ ادب کے بارے میں | ڈاکٹر عبادت بریلوی | 19 |
| ۶۔ | لمحۂ فکریہ | مشتاق احمد صدیقی | 22 |
| ۷۔ | داروغہ جی کی پانچوں گھی میں | رتن ناتھ سرشار | 25 |
| ۸۔ | آنگن | خدیجہ مستور | 29 |
| ۹۔ | خوبصورت بلا | آغا حشر کاشمیری | 33 |
| ۱۰۔ | تعلیمِ بالغاں | خواجہ معین الدین | 37 |
| ۱۱۔ | شیراز اور کنار آب رکنا باد | ابن انشاء | 41 |
| ۱۲۔ | روم زندہ شہر مردہ شہر | جمیل الدین عالی | 46 |
| ۱۳۔ | لالچی وزیر | بشیر احمد بلوچ | 49 |
| ۱۴۔ | مکاتیب | مرزا غالب | 52 |
| ۱۵۔ | مکاتیب | علامہ اقبال | 56 |



## حصہ نظم



| سیریل نمبر | اسباق/نظم/غزل | مصنفین و شعراء | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | حمد | ماہر القادری | 59 |
| ۲۔ | نعت | محسن کاکوروی | 63 |
| ۳۔ | شہر آشوب | نظیر اکبر آبادی | 68 |
| ۴۔ | شہزادے کا چھت پر سونا | میر حسن | 74 |
| ۵۔ | تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب | مرزا دبیر | 81 |
| ۶۔ | دُرِ مراد | میر انیس | 87 |
| ۷۔ | مسدس امید | الطاف حسین حالی | 93 |
| ۸۔ | نصیحت اخلاقی | اکبر الہ آبادی | 99 |
| ۹۔ | جلوۂ سحر | حفیظ جالندھری | 104 |
| ۱۰۔ | پرانا کوٹ | سید محمد جعفری | 109 |
| ۱۱۔ | یہ سڑکیں | سید ضمیر جعفری | 116 |
| ۱۲۔ | قطعات | مرزا محمود سرحدی | 120 |
| ۱۳۔ | اخلاص | عبدالرحمٰن بابا | 124 |



## حصہ غزل



| سیریل نمبر | اسباق/نظم/غزل | مصنفین و شعراء | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | غزل | میر تقی میرؔ | 129 |
| ۲۔ | غزل | خواجہ میر دردؔ | 137 |
| ۳۔ | غزل | غلام ہمدانی مصحفیؔ | 142 |
| ۴۔ | غزل | مرزا غالبؔ | 146 |
| ۵۔ | غزل | داغؔ دہلوی | 154 |



## حصہ گرائمر



| سیریل نمبر | اسباق/نظم/غزل | مصنفین و شعراء | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | حصہ گرائمر | | 158 تا 196 |



نہم، دہم اور سیکنڈ ایئر کے بھی "جواہر اردو" نوٹس دستیاب ہیں۔ رابطہ: 0314-4470007

# سبق: اپنی مدد آپ مصنف: سر سید احمد خان

## صنف: مقالہ ماخوذ: مقالاتِ سر سید

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** سر سید 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید محمد متقی تھا۔

**تعلیم:** سر سید نے عربی، فارسی اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور فقہ و حدیث میں بھی مہارت حاصل کی۔

**مسلمانوں کی اصلاح:** 1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی تباہی کے بعد سر سید نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس مقصد کے لئے علی گڑھ کالج قائم کرنے کے علاوہ مسلمان گھرانوں کی تربیت کے لئے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' بھی جاری کیا۔

**ادبی خدمات:** سر سید نے ادب کو اصلاح کا ذریعہ بنایا اور آسان و سادہ نثر کو رواج دیا۔ انہوں نے مذہب، سیاست، تاریخ، ادب، فلسفہ و منطق ہر موضوع پر لکھا اور اردو زبان کو حقیقت نگاری اور اصلاح کے لئے استعمال کیا۔

**وفات:** سر سید 1898ء کو تقریباً 81 سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

**تصانیف:** آثار الصنادید، اسباب بغاوتِ ہند، خطبات احمدیہ، مقالاتِ سر سید وغیرہ۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| آزمودہ | آزمایا ہوا | مقولہ | قول، بات | نیچر | فطرت |
| پُشتوں | نسلوں | حاشا وکلّا | ہرگز نہیں | پُرکھوں | آباؤ اجداد |
| مارِ سر گنج | خزانے کا سانپ | پنسال | پانی نکلنے کا سوراخ | فیلسوفوں | فلسفے کے ماہر، عقلمند |
| شائستگی | سلیقہ مندی | حظ | لطف، مزا | ثمرہ | فوائد |
| اکھڑ | بدمزاج | استقلال | ثابت قدمی | قُوائے عمل | عمل کی قوتیں |
| رعیّت | عوام | بے لگاؤ | بے غرض | نظیر | نمونہ، مثال |

## ''معروضی سوالات''

س۔ **درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

ا۔ سبق ''اپنی مدد آپ'' ۔۔۔۔۔۔ کی تصنیف ہے۔ **الف۔ سر سید** ب۔ شبلی نعمانی

۲۔ سبق ''اپنی مدد آپ'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے ماخوذ ہے۔ الف۔ خطبات احمدیہ **ب۔ مقالاتِ سر سید**

۳۔ سبق ''اپنی مدد آپ'' صنف کے لحاظ سے کیا ہے؟ **الف۔ مقالہ** ب۔ ناول

۴۔ ''خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں'' یہ ایک عمدہ ۔۔۔۔۔۔ ہے۔ **الف۔ مقولہ** ب۔ محاورہ

۵۔ جس طرح پانی خود ۔۔۔۔۔۔۔ میں آجاتا ہے۔ **الف۔ پنسال** ب۔ برتن

۶۔ قوم شخصی ۔۔۔۔۔۔۔ کا مجموعہ ہے۔ الف۔ صفات **ب۔ حالتوں**

۷۔ قوم کی سچی ۔۔۔۔۔۔۔ کرو۔ **الف۔ خیر خواہی** ب۔ مدد

۸۔ ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ملے۔ الف۔ خزانہ **ب۔ خضر**

۹۔ ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش اُس کی سچی ۔۔۔۔۔۔ کی بنیاد ہے۔ **الف۔ ترقی** ب۔ نیت

۱۰۔ گورنمنٹ ان لوگوں کا ۔۔۔۔۔۔ ہوتی ہے جن پر وہ حکومت کرتی ہے۔ **الف۔ عکس** ب۔ آئینہ

## ’’مشقی سوالات‘‘

**س1۔ وہ کون سا آزمودہ مقولہ ہے جس میں انسانوں اور قوموں کی ترقی کا تجربہ جمع ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے ’’اپنی مدد آپ‘‘ کے آغاز میں ایک آزمودہ مقولہ نقل کیا ہے۔

**مقولہ کی تعریف:** مقولہ عربی زبان کا لفظ ہے، کسی دانا اور عقل مند آدمی کی کہی ہوئی بات ’’مقولہ‘‘ کہلاتی ہے۔

**آزمودہ مقولہ:** ’’خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں‘‘۔

**مفہوم:** یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرے میں انسانوں اور قوموں کی ترقی کا تجربہ جمع ہے۔ یعنی یہ آزمائی ہوئی بات ہے کہ جو انسان یا جو قوم اپنی مدد آپ کے جذبے سے سرشار ہو کر محنت کرتی ہے اور ہمت سے کام لے کر منزل کے حصول کی کوشش کرتی ہے تو خدا کی مدد اُن کے ساتھ شاملِ حال ہو جاتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س2۔ سرسید کے خیال میں کون سی قوم ذلیل و بے عزت ہو جاتی ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے ’’اپنی مدد آپ‘‘ میں قوموں کی ذلت و بے عزتی کے اسباب واضح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جس قوم میں درج ذیل عیوب پیدا ہو جائیں، وہ ذلیل و بے عزت ہو جاتی ہے۔

۱۔ جب کسی قوم میں سے اپنی مدد آپ کا جذبہ ختم ہو جائے۔

۲۔ جب وہ قوم دوسروں کی مدد کی طالب بن جائے۔

۳۔ جب اُس قوم میں سے غیرت اور عزتِ نفس کا مادہ ختم ہو جائے۔

۴۔ جب یہ قوم اپنے مسائل کے حل کے لئے خود کچھ کرنے کے بجائے دوسروں پر آس لگائے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س3۔ نیچر کا قاعدہ کیا ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے ’’اپنی مدد آپ‘‘ میں نیچر کے ایک قاعدے کا بھی ذکر کیا ہے۔

**نیچر کا مفہوم:** نیچر انگریزی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی فطرت کے ہیں۔ نیچر ہمیشہ انسانی مزاج اور طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

**نیچر کا قاعدہ:** نیچر کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ کسی قوم کا جیسا چال چلن اور طور طریقہ ہوگا، اُسی کے مطابق اُس قوم پر حکمران بھی آئیں گے۔ اگر قوم کے اعمال اور چال چلن اچھا ہوگا تو حکمران بھی اچھے ہوں گے اور اگر قوم بد چلن ہوگی تو حکمران بھی برے ہوں گے۔ اس لئے اگر کوئی قوم خود پر اچھی گورنمنٹ چاہتی ہے تو اس قوم کو پہلے اپنے احوال کی اصلاح کرنا ہوگی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س4۔ قومی ترقی کن خوبیوں کا مجموعہ ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے ’’اپنی مدد آپ‘‘ میں قومی ترقی کے حوالے سے چند خوبیوں کا ذکر کیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

**۱۔ شخصی محنت:** قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ قوم کا ہر فرد محنت اور لگن سے کام کرے۔

**۲۔ شخصی عزت:** قوم کا ہر فرد اپنی عزت و وقار کا خیال رکھے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اُس پر اور اُس کی قوم پر کوئی حرف آئے۔

**۳۔ شخصی ایمانداری:** قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ قوم کا ہر فرد دیانتدار اور امین ہو۔

**۴۔ شخصی ہمدردی:** قوم کی ترقی کے لئے لازمی ہے کہ قوم کا ہر فرد دوسروں کا ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔

الغرض جب یہ چار خوبیاں کسی قوم میں پائی جائیں گی تو وہ قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س5۔ قومی تنزلی کن برائیوں کا مجموعہ ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے''اپنی مدد آپ''میں بتایا ہے کہ قومی تنزلی درج ذیل برائیوں کا مجموعہ ہے۔

**۱۔شخصی سُستی:** یعنی قوم کا ہر فرد کاہل،سُست اور محنت سے جی چُرانے والا ہو۔

**۲۔شخصی بے عزتی:** یعنی قوم کے افراد میں سے خودداری اور عزتِ نفس کا احساس ختم ہو جائے۔

**۳۔شخصی بے ایمانی:** یعنی قوم کے افراد میں سے دیانتداری اور ایمانداری کی صفت ختم ہو جائے۔

**۴۔شخصی خودغرضی:** یعنی قوم کے افراد صرف اپنا فائدہ سوچیں اور دوسروں کا احساس نہ کریں۔

سرسید بتاتے ہیں کہ جب کسی قوم میں درج بالا برائیوں کے ساتھ مختلف معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پھیل جاتی ہیں تو وہ قوم زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**س6۔ بیرونی کوشش سے برائیوں کو ختم کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے''اپنی مدد آپ''میں بتایا ہے کہ اگر ہم اپنی شخصی برائیوں کو کسی بیرونی کوشش سے ختم کرنے کی راہ اختیار کریں گے تو یہ برائیاں کسی اور نئی شکل میں زیادہ زور وشور سے پیدا ہو جائیں گی۔ چونکہ یہ ہماری ذاتی برائیاں ہیں،اس لئے ہم خود ہی انہیں ختم کر سکتے ہیں،ان برائیوں کے خاتمے کے لئے کوئی بیرونی کوشش کارگر نہ ہوگی۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**س7۔ سرسید کے خیال میں اصلی غلام کون ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے''اپنی مدد آپ''میں قوموں کی ترقی وتنزلی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے''اصلی غلام''کا بھی ذکر کیا ہے۔

**عام غلام:** عام طور پر غلام وہ ہوتا ہے جسے کسی ظالم آقا نے خرید لیا ہو۔اب وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتا اور ہر لحاظ سے آقا کے حکم کا پابند ہوتا ہے۔

**اصلی غلام:** سرسید کے نزدیک اصلی غلام وہ ہے جو بداخلاقی،جہالت،خودغرضی اور شرارت جیسی اخلاقی برائیوں کی غلامی میں مبتلا ہو اور قومی ہمدردی سے بے پرواہ ہو چکا ہو۔اُس کی غلامی کی یہ حالت اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک وہ خود ان برائیوں کو چھوڑنے کا ارادہ نہ کر لے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**س8۔ دنیا کی معزز قوموں نے کس خوبی کی وجہ سے عزت پائی ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے''اپنی مدد آپ''میں دنیا کی معزز قوموں کی ایک خوبی کا بھی ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے ان قوموں کو عزت ملی ہے۔

**معزز قوموں کی خوبی:** مصنف کے مطابق آج دنیا میں جو قومیں معزز اور ترقی یافتہ شمار ہوتی ہیں،انہوں نے''اپنی مدد آپ''کی خوبی کی وجہ سے عزت پائی ہے۔ ان قوموں نے کسی اور پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے مسائل کا حل خود ڈھونڈا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**س9۔ ولیم ڈراگن کے اصول کا مفہوم بیان کریں۔**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے''اپنی مدد آپ''میں ولیم ڈراگن کے ایک اصول کا ذکر کیا ہے۔

**ولیم ڈراگن کا تعارف:** ولیم ڈراگن آئرلینڈ سے تعلق رکھنے والا ایک محنتی انسان تھا اور اس نے آزادی کے لیے محنت کو لازم قرار دیا تھا۔

**ولیم ڈراگن کا اصول:** ولیم ڈراگن نے ڈبلن کی نمائش گاہ دستکاری میں کہا تھا کہ ہم اپنی آزادی کے حوالے سے بہت سی باتیں سنتے آئے ہیں۔لیکن میرے دل میں اس بات کا یقین بہت پختہ ہے کہ ہماری آزادی اور ترقی کا دارومدار خود ہماری اپنی محنت پر ہے۔میرا اس بات پر ایمان ہے کہ اگر ہم محنت کریں اور اپنی صلاحیتوں کا درست استعمال کریں تو کامیابی ضرور ہمارے قدم چومے گی اور بحیثیتِ قوم ہم آزاد اور خوشحال ہو جائیں گے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**س10۔ کون سی خوبی آدمی کو معزز اور قابلِ ادب بناتی ہے؟**

**جواب۔** سرسید نے اپنے مقالے ''اپنی مدد آپ'' میں ایک خوبی کا ذکر کیا ہے جو آدمی کو معاشرے میں معزز اور قابلِ ادب بناتی ہے۔

**خوبی:** سرسید کے مطابق عمل اور عمدہ چال چلن کی خوبی کی وجہ سے آدمی معاشرے میں معزز اور قابلِ ادب بن جاتا ہے۔صرف علم کے ہونے سے آدمی کی عزت نہیں ہوتی، علم تو شیطان کے پاس بھی بہت تھا۔مگر وہ اللہ کی نگاہ میں ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار ہوا۔ جب انسان علم کو عمل میں لے آتا ہے اور عمدہ چال چلن اپناتا ہے تو اُس کی توقیر میں اضافہ ہوتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۔ سبق ''اپنی مدد آپ'' کا مرکزی خیال لکھیں جو پانچ جملوں سے زیادہ نہ ہو۔**

**جواب:** **مرکزی خیال:**

سرسید کے مقالے ''اپنی مدد آپ'' کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دنیا میں صرف وہی قومیں ترقی کرتی ہیں اور کامیاب ہوتی ہیں جو اپنے زورِ بازو پر یقین رکھتی ہیں اور اپنی مدد آپ کے جذبے سے سرشار ہوتی ہیں۔ جبکہ دوسروں کی مدد کی طالب قومیں ذلیل وخوار ہو جاتی ہیں اور معاشرے میں ان کا کوئی مقام نہیں رہتا۔عمدہ چال چلن، مسلسل عمل اور اپنی مدد آپ کا جذبہ انسانوں اور قوموں کو معزز اور قابلِ احترام بنا دیتا ہے۔اور خدا بھی ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۔ سرسید کے مضمون ''اپنی مدد آپ'' کا خلاصہ لکھیں۔**

**جواب۔** **خلاصہ:**

ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے کہ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔اور اس مقولے میں انسانوں اور قوموں کی ترقی کا تجربہ جمع ہے کہ جو فرد یا قوم اپنی مدد آپ کرتی ہے وہ کامیاب ہو جاتی ہے۔اور اس کے برعکس جو افراد یا اقوام اپنی مدد آپ کے بجائے دوسروں سے مدد کی امید وابستہ کر لیں تو ان کی غیرت میں کمی آجاتی ہے اور ایسے افراد یا قوم دوسروں کی نگاہ میں بے عزت ہو جاتے ہیں۔اور یہ ایک فطرتی اصول ہے کہ جیسی رعایا ہوتی ہے ویسی ہی اس پر حکومت بھی ہوتی ہے۔قومی ترقی شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ہمدردی اور شخصی ایمانداری کا مجموعہ ہے،اسی طرح قومی زوال شخصی سستی، شخصی بے ایمانی شخصی خود غرضی اور شخصی برائیوں کا مجموعہ ہے۔ ہر شخص اور ہر قوم اپنی اندرونی حالت کی خود اصلاح کر کے ترقی کر سکتی ہے۔ بیرونی مدد کی آس لگا کر بیٹھے رہنا افسوس ناک بات ہے۔وہ آدمی غلام نہیں جسے کسی ظالم آقا نے اپنے قبضے میں کر لیا ہو بلکہ اصلی غلام تو وہ ہے جو جہالت، بد اخلاقی اور خود غرضی کا مطیع ہوا اور اپنے نفس کی خواہشات کا قیدی بن بیٹھا ہو۔ولیم ڈراگن نے کہا تھا کہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ ہماری ترقی اور آزادی صرف ہماری اپنی محنت پر منحصر ہے۔اگر ہم محنت کرتے جائیں اور اپنی صلاحیتوں کا درست استعمال کریں تو ہم جلد ہی ایک خوشحال قوم بن جائیں گے۔انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل درنسل کے کاموں سے حاصل ہوتی ہے۔ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے اور اسے اعلیٰ درجے پر پہنچایا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے مزید ترقی دے کر ترقی یافتہ حالت میں آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ کر جائیں۔ایک غریب آدمی جب محنت اور دیانت داری کی مثال بن کر دکھاتا ہے تو اس کا اثر آنے والے زمانے میں ملک وقوم کی بھلائی پر پڑتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے اور اس علم کے ذریعے ترقی اور قومی عزت حاصل ہوتی ہے اور علم کی بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو معاشرے میں معزز اور قابلِ ادب بناتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۔ سیاق وسباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔**

**اقتباس:** **قومی ترقی مجموعہ ہے: شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمانداری، شخصی ہمدردی کا۔اسی طرح قومی تنزلی مجموعہ ہے، شخصی سُستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شخصی خود غرضی اور شخصی برائیوں کا۔ ناتہذیبی اور بدچلنی جو اخلاقی وتمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے، درحقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست ونابود کر دیں، تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زور وشور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ دی جاوے۔**

**جواب:** **حوالۂ متن:**

سبق: اپنی مدد آپ مصنف: سرسید احمد خان

صِنف: مقالہ ماخوذ: مقالاتِ سرسید

**سیاق وسباق:**

اس مقالے میں مصنف بتاتے ہیں کہ اپنی مدد آپ نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے، جس پر عمل کر کے قومیں ترقی کرتی ہیں۔ فطرت کا اصول یہ ہے کہ جیسی رعایا ہوتی ہے، ویسی ہی اس پر حکومت ہوتی ہے۔ تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی قدر و منزلت وہاں کی حکومت کے بجائے عوام پر منحصر ہوتی ہے۔ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ جو قومیں بیرونی قوتوں یا خضر کی تلاش میں رہتی ہیں وہ نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔ محنتی قومیں اپنے بزرگوں کی زرخیز جائیداد کی نہ صرف حفاظت کرتی ہیں بلکہ اس میں اضافہ بھی کرتی ہیں۔ مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور علم کو با عمل بناتا ہے۔ علم کی بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو معزز بناتا ہے۔

**تشریح:**

سوال میں دیا گیا اقتباس سرسید احمد خان کے مقالے ''اپنی مدد آپ'' کی ابتداء سے لیا گیا ہے۔ اس مقالے میں سرسید نے اپنی مدد آپ کے گُر کو قوموں کی کامیابی کا ذریعہ بتایا ہے۔ مصنف اس اقتباس میں بتاتے ہیں کہ قوم افراد کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ افراد کی حالتوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے افراد اگر اپنی حالتوں کو بہتر بنانا شروع کر دیں گے تو قوم کی حالت بھی بہتر ہونا شروع ہو جائے گی۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اور مصنف نے بتایا ہے کہ قومی ترقی شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمانداری اور شخصی ہمدردی کا مجموعہ ہے۔ یعنی قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ قوم کے تمام افراد محنتی ہوں، اپنی عزتِ نفس پر حرف نہ آنے دیں اور ہر فرد اپنے اپنے فرائض دیانت داری سے انجام دے۔ اس کے علاوہ مصنف نے اس اقتباس میں قومی تنزلی کے اسباب بھی بیان کئے ہیں کہ جب کسی قوم کے افراد سستی اور کاہلی کا شکار ہو جائیں اور اپنی شخصی عزت سے لاپرواہ ہو جائیں تو وہ ملک و ملت کی عزت کے رکھوالے بھی نہیں رہتے۔ اور جب قوم کے افراد بے ایمانی کو اپنا شعار بنالیں تو پوری قوم دیگر اقوام کی نظر میں ذلیل و رسوا ہو کر رہ جاتی ہے۔

اور جب تک شخصی زندگی اور شخصی حالت کو بہتر نہ بنایا جائے، تب تک کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ اور اگر ہم یہ خواہش کریں کہ کوئی بیرونی قوت یا بیرونی ہاتھ ہماری مدد کرے تو یہ ایک دیوانے کا خواب ہوگا۔ کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ بیرونی مدد لینے سے برائیاں کسی نئی صورت میں اور زیادہ زور و شور سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''محاورہ و روزمرہ''

**محاورہ:**

اہلِ زبان کی بول چال میں جب دو یا دو سے زیادہ الفاظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں تو اسے محاورہ کہتے ہیں۔

مثلاً آنکھیں دِکھانا، تارے گننا، آنکھیں بچھانا وغیرہ

**روزمرہ:**

وہ ایک، دو یا دو سے زیادہ الفاظ جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق ہوں اور اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوں، روزمرہ کہلاتے ہیں۔

## ''دونوں میں فرق''

۱۔ محاورہ قواعد کی حدود میں آتا ہے جبکہ روزمرہ قواعد سے بالاتر ہوتا ہے۔

۲۔ محاورہ میں تبدیلی نہیں ہوتی جبکہ روزمرہ اہلِ زبان کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

۳۔ محاورہ میں الفاظ مجازی معنوں میں جبکہ روزمرہ میں حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

۴۔ محاورہ کم از کم دو الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ روزمرہ ایک لفظ بھی ہو سکتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق : **جُھوٹے آدمی** مصنف : **مولوی ذکاء اللہ**

صنف : **مضمون** ماخوذ : **محاسن الاخلاق**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** مولوی ذکاء اللہ 1832ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ثناء اللہ تھا۔

**تعلیم:** مولوی ذکاء اللہ بارہ برس کی عمر میں دہلی کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں مولوی محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد کا ساتھ میسر آیا۔ آپ کو ریاضی کے مضمون سے خاص مناسبت تھی۔

**عملی زندگی:** آپ دہلی کالج میں معلّمِ ریاضی مقرر ہوئے۔ پھر آگرہ کالج میں اردو اور فارسی کے معلّم رہے۔ اس کے علاوہ آپ گیارہ سال ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

**ڈپٹی نذیر احمد کا مضمون:** مولوی ذکاء اللہ کی وفات کے بعد ڈپٹی نذیر احمد نے آپ پر مضمون بھی لکھا، جو رسالہ ''تمدنِ دہلی'' میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں ڈپٹی نذیر احمد نے مولوی ذکاء اللہ کے بعض خاص حالات واوصاف پر روشنی ڈالی ہے۔

**وفات:** مولوی ذکاء اللہ 1910ء کو تقریباً 78 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

**تصانیف:** تاریخِ ہندوستان، کرزن نامہ، آئینِ قیصری، فرہنگِ فرنگ وغیرہ

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| ضرب المثل | وہ جملہ جو بطورِ مثال مشہور ہو | بنج بیوپار | کاروبار | تعلّی | برتری |
| ملکاتِ نفسانی | نفس کی عادات | نطق | گویائی، بولنے کی قوت | کِذب | جھوٹ |
| گھڑنا | ایجاد کرنا | قلعی کھل جانا | حقیقت ظاہر ہونا | جنگِ زرگری | دکھاوے کی لڑائی |
| کَودن | غبی، احمق | گوشمالی | سزا دینا | قوائے عقلیہ | عقل کی قوتیں |
| اختراع | نئی بات نکالنا | متمکن | مضبوط قائم ہونا | بھیس | حلیہ |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر ( ✓ ) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ سبق ''جھوٹے آدمی'' صنف کے لحاظ سے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ **الف۔ مضمون** ب۔ افسانہ

۲۔ سبق ''جھوٹے آدمی'' ۔۔۔۔۔۔۔ سے ماخوذ ہے۔ **الف۔ محاسن الاخلاق** ب۔ کرزن نامہ

۳۔ سبق ''جھوٹے آدمی'' کے مصنف کون ہیں؟ الف۔ مولوی نذیر احمد **ب۔ مولوی ذکاء اللہ**

۴۔ مولوی ذکاء اللہ کو ۔۔۔۔۔۔۔ سے خاص مناسبت تھی۔ الف۔ اردو **ب۔ ریاضی**

۵۔ جیسے کوئی شاعر ۔۔۔۔۔۔۔ میں جھوٹا مضمون گانٹھتا ہے۔ **الف۔ اشعار** ب۔ غزل

۶۔ ''دروغ گو را حافظہ نباشد'' ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ **الف۔ ضرب المثل** ب۔ محاورہ

۷۔ حافظے کو ۔۔۔۔۔۔۔ نے تمام قوائے عقلیہ کا دیوتا کہا ہے۔ الف۔ سقراط **ب۔ افلاطون**

۸۔ انسانوں میں باہم رشتہ مندی ۔۔۔۔۔۔۔ کی وجہ سے ہے۔ **الف۔ نُطق** ب۔ اسلام

۹۔ لب ولہجہ مرکب ۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ الف۔ اضافی **ب۔ عطفی**

۱۰۔ یہ جھوٹ آگ اور ۔۔۔۔۔۔ سے زیادہ ہمارا نقصان کر رہا ہے۔ **الف۔ تلوار** ب۔ تیر

۱۱۔ مصنف کے مطابق دو قصوروں پر بچوں کو سزا دیں، جھوٹ پر اور ۔۔۔۔۔ پر الف۔ گالی **ب۔ سرکشی**

## ''مشقی سوالات''

**س1۔ جھوٹے آدمی کے حافظے کے بارے میں مولوی ذکاءاللہ نے جو ضرب المثل بیان کی، اُس کا مفہوم بیان کریں۔**

**جواب۔** مولوی ذکاءاللہ اپنے مضمون ''جھوٹے آدمی'' میں ایک ضرب المثل بیان کی ہے۔

**ضرب المثل کی تعریف:** وہ قول یا جملہ جو مثال کے طور پر مشہور ہو جائے ضرب المثل کہلاتا ہے۔اردو والے عام طور پر ضرب المثل اور کہاوت کو مترادف کہتے ہیں۔

**مصنف کی بیان کردہ ضرب المثل:** مصنف نے سبق کے آغاز میں جھوٹے آدمی کے حافظے کے بارے میں یہ ضرب المثل بیان کی ہے۔''دروغ گو را حافظہ نباشد''۔

**اس ضرب المثل کا مفہوم:** اس ضرب المثل کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹے آدمی کی یادداشت نہیں ہوتی۔یعنی جو لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہوتے ہیں، وہ جھوٹ بول کر وقتی طور پر تو بچ جاتے ہیں مگر بعد میں انہیں اپنا جھوٹ یاد نہیں رہتا۔

**مثال:** مثلاً کسی طالب علم نے کالج دیر سے آنے کی یہ جھوٹی وجہ بیان کی کہ اُسے اچانک ایک مریض کے ساتھ ہسپتال جانا پڑ گیا تھا۔یہ جھوٹ بول کر وہ وقتی طور پر تو بچ گیا لیکن جب کچھ دنوں بعد اُس سے مریض کا احوال دریافت کیا جائے تو وہ حیرت سے منہ تکنے لگتا ہے کہ کون سا مریض؟ یعنی اُسے اپنا جھوٹ یاد نہیں رہتا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س2۔ کس چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے آدمی کو اپنے وعدے یاد نہیں رہتے؟**

**جواب۔** مولوی ذکاءاللہ نے اپنے مضمون ''جھوٹے آدمی'' میں بتایا ہے کہ ''حافظے'' کے نہ ہونے کی وجہ سے آدمی کو اپنے وعدے یاد نہیں رہتے۔اور وعدے یاد نہ رہنے کی وجہ سے وہ اُن کو پورا نہیں کر پاتا اور معاشرے کی نظر میں اپنا اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س3۔ مصنف نے جھوٹوں کی کتنی قسمیں بیان کی ہیں؟**

**جواب۔** مصنف مولوی ذکاءاللہ نے اپنے مضمون ''جھوٹے آدمی'' میں جھوٹوں کی عادات کا ذکر کرتے ہوئے جھوٹوں کی دو بنیادی قسمیں بیان کی ہیں۔

**پہلی قسم:** پہلی قسم کے جھوٹے وہ ہوتے ہیں جو کسی جھوٹ کو دل سے سچا مان کر بیان کرتے ہیں۔

**دوسری قسم:** دوسری قسم کے جھوٹے وہ ہوتے ہیں جو کسی جھوٹ کو بیان کرتے ہیں، انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات جھوٹ ہے مگر وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اِس کو سچ سمجھیں۔ان جھوٹوں کی مزید دو قسمیں ہیں۔

**نمبر1:** ایک یہ کہ اپنے دماغ سے کسی جھوٹی بات کو سر سے پاؤں تک تراش کر بیان کریں۔

**نمبر2:** دوسری یہ کہ کسی سچی بات میں اپنے خیال کے مطابق جھوٹ ملا کر بیان کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س4۔ انسانوں میں باہمی رشتہ مندی کس سبب سے ہے؟**

**جواب۔** مولوی ذکاءاللہ نے اپنے مضمون ''جھوٹے آدمی'' میں جھوٹے لوگوں پر بات کرتے ہوئے انسانوں میں باہمی رشتہ مندی کا ایک سبب بھی بیان کیا ہے۔

**باہمی رشتہ مندی سے مراد:** باہمی رشتہ مندی سے مراد انسانوں کے آپس کے تعلقات ہیں۔

**باہمی رشتہ مندی کا سبب:** مولوی ذکاءاللہ نے انسانوں میں باہمی رشتہ مندی کا سبب ''نطق'' کو قرار دیا ہے۔یعنی قوتِ گویائی ہی ایک ایسی خاصیت ہے جو انسانوں کو آپس میں جوڑ کر رکھتی ہے۔گفتگو اور بات چیت کے ذریعے انسان اپنی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔اگر یہ بات چیت سچائی پر مبنی ہوگی تو باہمی تعلقات میں مضبوطی آئے گی اور اگر گفتگو میں جھوٹ شامل ہوگا تو آپس کے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س5۔ جھوٹ سے سچ کا جاننا کیوں مشکل ہوتا ہے؟**

**جواب۔** مولوی ذکاءاللہ نے اپنے مضمون ''جھوٹے آدمی'' میں جھوٹ کی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آج کل معاشرے میں جھوٹ کی وبا اس قدر عام ہو چکی ہے کہ جب کوئی جھوٹا آدمی اپنی طرف سے کوئی بات سر سے پاؤں تک تراش کر بیان کرتا ہے تو اس جھوٹ سے سچ کا جاننا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔کیونکہ اس جھوٹ کا مکمل خاکہ اُس نے اپنے ذہن میں بنایا ہوا ہوتا ہے اور اس جھوٹ کو رد کرنے کے لئے اس کے متضاد کوئی سچی بات اُس کے دل و دماغ پر منقش نہیں ہوتی۔

س6۔

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| اختراعی جھوٹ | اختراعی جھوٹ کا عادی اپنا اعتبار کھو بیٹھتا ہے۔ |
| نقشِ اوّل | تصویر میں تبدیلی کے باوجود اُس کا نقشِ اول اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ |
| سچی حکایت | فرضی کہانی کے مقابلے میں سچی حکایت زیادہ پُر اثر ہوتی ہے۔ |
| اندیشہ | محنت نہ کرنے والے طلباء کو امتحان میں فیل ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ |
| جانشین | نا اہل ہونے کے باجود بادشاہ نے بڑے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ |
| منقش | جمیلہ کو اس کی خالہ نے تکمیلِ قرآن کے موقع پر منقش چادر تحفے میں دی۔ |
| ملکاتِ نفسانی | اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے ہی ملکاتِ نفسانی کو درست بنایا جاسکتا ہے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س7۔ جھوٹے لوگوں کی جو خصلتیں مصنف نے بیان کی ہیں، انہیں مفصل لکھیں۔**

**جواب۔** مصنف مولوی ذکاءاللہ نے اپنے مضمون ''جُھوٹے آدمی'' میں جُھوٹوں کی درج ذیل خصلتیں بیان کی ہیں۔

**جُھوٹے لوگوں کی خصلتیں:**

۱۔ جُھوٹے لوگوں کا حافظہ نہیں ہوتا اس لئے اُن کو اپنے وعدے یاد نہیں رہتے اور وہ اکثر منافقت سے کام لیتے ہیں۔

۲۔ جس بات کو وہ خود جُھوٹ جانتے ہیں، اُس کے بارے میں چاہتے ہیں کہ باقی لوگ اُس کو سچ سمجھیں۔

۳۔ جُھوٹے لوگ اکثر اوقات سچی حکایتوں میں اپنی طرف سے جُھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔

۴۔ جُھوٹے لوگ کبھی بھی جُھوٹ سچ کی پرواہ نہیں کرتے اور جیسا وقت اور موقع دیکھتے ہیں، ویسی ہی باتیں بنا لیتے ہیں۔

۵۔ بعض جُھوٹے اپنے بارے میں جُھوٹ بول کر خود کو اعلیٰ اور برتر ظاہر کرنے کی بری عادت میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۶۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام طور پر تو جھوٹ نہیں بولتے مگر جہاں جُھوٹ بول کر اپنا فائدہ ہو تو وہاں جُھوٹ بولنے سے دریغ نہیں کرتے اور اس کو برا بھی نہیں سمجھتے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س8۔ ''جُھوٹے آدمی'' میں جو مرکبات مستعمل ہیں، ان کی نشاندہی کریں۔**

**جواب۔** اس سبق میں درج ذیل مرکبات استعمال ہوئے ہیں۔

**مرکب اضافی:** قوائے عقلیہ، ملکاتِ نفسانی، اظہارِ رائے، جھوٹ کا چسکا، جنگِ زرگری

**مرکب توصیفی:** جھوٹا مضمون، سچی حکایت، نئی کتاب، معصوم خطاؤں

**مرکب عطفی:** ایجاد اور اختراع، مستحکم اور استوار، تشخص و تعلیٰ، فریب اور دغا

**مرکب عددی:** ایک ضرب المثل، دو قسمیں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س9۔ مرکب مصادر کون سے ہوتے ہیں؟ پانچ مرکب مصادر لکھیں۔**

**جواب۔** **مرکب مصدر:** مرکب مصدر سے مراد ایسا مصدر ہے جو دوسری زبانوں کے الفاظ کے آخر میں مصدر کی علامت ''نا'' زیادہ کر کے یا دوسری زبانوں کے الفاظ کے بعد اُردو مصدر لگا کر بنایا جاتا ہے۔ یعنی مرکب مصدر دو طرح سے بنایا جاتا ہے۔

۱۔ دوسری زبانوں کے الفاظ کے آخر میں مصدر کی علامت ''نا'' لگا کر۔ جیسے فلم سے فلمانا، لالچ سے للچانا، شرم سے شرمانا، کفن سے کفنانا۔

۲۔ دوسری زبانوں کے الفاظ کے بعد اُردو مصدر لگا کر۔ جیسے تشریف لانا، سیر کرنا، باتیں بنانا۔ **نوٹ:** مرکب مصدر کو ''جعلی مصدر'' بھی کہتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س۔ سیاق وسباق کے حوالے سے درج ذیل اقتباس کی تشریح کریں۔

**عبارت:**

**سیدھی سادھی سچی باتوں میں جُھوٹ بولنے کے برابر کوئی لعنت کی ماری ہوئی برائی نہیں ہے۔ہم انسانوں میں جو باہم رشتہ مندی ہے، وہ فقط نُطق کے سبب سے ہے۔جب اس نُطق میں کذب شامل ہو، تو انسانوں کے باہمی تعلقات میں کوئی ایسی بات نہ ہوگی کہ جو فساد سے خالی ہو۔جن قوموں میں جھوٹ کا رواج ہو گیا ہے، اُن میں کوئی بُرائی باقی نہیں، جو نہ ہو۔یہ جُھوٹ آگ اور تلوار سے زیادہ ان کا نقصان کر رہا ہے۔**

جواب۔ حوالہٴ متن:

| | | | |
|---|---|---|---|
| سبق: | جھوٹے آدمی | مصنف: | مولوی ذکاءاللہ |
| صِنف: | مضمون | ماخوذ: | محاسن الاخلاق |

**سیاق وسباق:**

مصنف مولوی ذکاءاللہ کے خیال میں بعض جُھوٹ بولنے والے جھوٹی باتوں کو سچ سمجھ کر بیان کرتے ہیں۔جبکہ بعض جھوٹی بات کو سچ تو نہیں سمجھتے لیکن ان کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے ان کے جھوٹ کو سچ سمجھیں۔کچھ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر بیان کرتے ہیں اور کچھ سچی حکایت میں جھوٹ مِلا لیتے ہیں۔اکثر لوگ موقع اور وقت کی مناسبت سے اپنی بات بدلتے رہتے ہیں اور وہ اس عمل پر فخر کرتے ہیں کہ وہ سب کو راضی رکھ رہے ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کے اس عمل سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

**تشریح:**

یہ اقتباس سبق ''جھوٹے آدمی'' کے آخر سے لیا گیا ہے۔اور اس اقتباس میں مصنف مولوی ذکاءاللہ بتاتے ہیں کہ جو لوگ سیدھی سادی اور سچی باتوں میں جھوٹ شامل کرتے ہیں، وہ ایک ایسی برائی کر رہے ہیں کہ اس سے بڑی کوئی اور برائی ہو ہی نہیں سکتی۔کیونکہ انسانوں کو اللہ تعالٰی نے جس مشترک صفت کی بنیاد پر ایک دوسرے سے رشتے میں جوڑا ہے وہ قوتِ گویائی ہے۔اب اگر کوئی اس قوت کا غلط استعمال کر کے اس میں جُھوٹ کو شامل کرے گا تو اس کا یہ عمل انسانوں کے درمیان اعتماد کے رشتے کو کمزور کر دے گا اور ان کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں میں جھوٹ بولنے کی بری عادت نے رواج پایا، اُن کے اندر ہر قسم کی برائی نے جنم لیا ہے۔اور اس جھوٹ کے باعث انہوں نے جو جو نقصانات اٹھائے ہیں، اس قدر نقصان ان کو آگ اور تلوار نے بھی نہیں پہنچایا۔یعنی بیرونی طاقتوں سے زیادہ ان کی اندرونی برائی (جھوٹ) ان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق : **نظریۂ پاکستان** مصنف: **ڈاکٹر غلام مصطفیٰ**

صنف : **مضمون**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان 23 ستمبر 1912ء کو جبل پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام گلاب خان تھا جو پٹھانوں کے یوسف زئی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

**تعلیم:** ابتدائی تعلیم جبل پور سے حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ چلے گئے اور وہاں سے فارسی، اردو اور قانون کا امتحان پاس کیا۔

**عملی زندگی:** ڈاکٹر صاحب سب سے پہلے امراوتی کالج ناگ پور میں استاد مقرر ہوئے، پھر قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آ کر اردو کالج اور پھر سندھ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی یونیورسٹیوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی سطح پر لکھے جانے والے مقالات کے ممتحن بھی رہے۔

**ادبی خدمات:** اردو تحقیق کی روایات کو مستحکم بنانے میں ڈاکٹر صاحب کا بڑا کردار ہے، آپ نے ہمیشہ تحقیقی کام کرنے والوں کی سرپرستی کی۔ ڈاکٹر صاحب کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔ فارسی میں آپ کی مہارت مسلّم الثبوت ہے۔

**وفات:** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان 25 ستمبر 2005ء کو تقریباً 93 سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

**اہم تصانیف:** علمی نقوش، ادبی جائزے، تحقیقی جائزے، تاریخِ اسلاف، تاریخ بہرام شاہ، ہمارا تلفظ، معارفِ اقبال، جامع القواعد، چند فارسی شعراء وغیرہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| رواداری | مروّت، لحاظ | نفاق | نااتفاقی | زک | نقصان، شکست |
| عناد | دشمنی | مفاہمت | راضی نامہ، صلح | اُستوار | مضبوط |
| شیوہ | عادت | ترویج | رواج دینا | جداگانہ | الگ الگ |
| پیہم | مسلسل | جمعیت | اجتماع | قیاس | خیال |
| الحاد | بے دینی | امتیاز | فرق | اقلیت | کم تعداد والے |
| بہبود | بہتری | نظریہ | خیال، تصور | مساوات | برابری |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر ( ✓ ) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ سبق ''نظریۂ پاکستان'' کے مصنف ۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔　الف۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی　**ب۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ**

۲۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کے والد کا نام ۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔　**الف۔ گلاب خان**　ب۔ مصطفیٰ خان

۳۔ اقبال نے 1930ء میں خطبہ ۔۔۔۔۔۔ میں آزاد وطن کا نظریہ پیش کیا۔　الف۔ حیدر آباد　**ب۔ الہٰ آباد**

۴۔ مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا ۔۔۔۔۔۔۔۔ بنایا ہے۔　الف۔ طریقہ　**ب۔ شیوہ**

۵۔ کس بادشاہ کی بے جا رواداری سے ملک میں کافرانہ طریقے رائج ہوئے؟　**الف۔ اکبر**　ب۔ جہانگیر

۶۔ مولانا محمد قاسم نے کس مشہور دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی؟　الف۔ ندوۃ العلماء　**ب۔ دیوبند**

۷۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی تحریکِ ۔۔۔۔۔ کے رہنما تھے۔　**الف۔ خلافت**　ب۔ آزادی

۸۔ مجدد الف ثانیؒ نے کس کے عہد میں سختیاں جھیلیں؟　الف۔ اکبر　**ب۔ جہانگیر**

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۹۔ | انگریز کی طرف مجبوراً مفاہمت کا ہاتھ کس نے بڑھایا؟ | الف۔ٹیپو سلطان | **ب۔سرسید** |
| ۱۰۔ | مسلمانوں کی قومیت ایک۔۔۔۔۔۔۔۔قومیت ہے۔ | **الف۔نظریاتی** | ب۔جذباتی |
| ۱۱۔ | ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کیلئے کون سی تحریک شروع کی؟ | الف۔تحریک لال رومال | **ب۔شُدھی تحریک** |
| ۱۲۔ | کانگرس پارٹی کی بنیاد ہندوؤں نے کب رکھی؟ | **الف۔1885ء** | ب۔1880ء |
| ۱۳۔ | پہلی جنگ عظیم میں انگریز کا مقابلہ کس سے تھا؟ | الف۔افریقہ | **ب۔جرمنی** |
| ۱۴۔ | نہرو رپورٹ کس سن میں پیش کی گئی؟ | **الف۔1928ء** | ب۔1930ء |
| ۱۵۔ | شاہ اسماعیل کا شاہ ولی اللہ سے کیا رشتہ تھا؟ | الف۔بھائی کا | **ب۔پوتے کا** |
| ۱۶۔ | آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام کب عمل میں آیا؟ | **الف۔1906ء** | ب۔1905ء |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**الف۔ بادشاہ اکبر کی بے جارواداری سے کیا نقصان ہوا؟**

**جواب۔** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنے مضمون ''نظریۂ پاکستان'' کے آغاز میں بادشاہ اکبر اور اس کی بے جارواداری کا تذکرہ کیا ہے۔

**بادشاہ اکبر کا تعارف:** اکبر مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔اس نے ایک ہندو عورت جودھا بائی سے شادی کی تھی اور ''دینِ الٰہی'' کے نام سے ایک نیا مذہب بھی ایجاد کیا تھا۔

**بے جارواداری کا نقصان:** اکبر بادشاہ نے اپنی سلطنت کے استحکام کی خاطر ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دیں اور بے جا نرمی اور رواداری کا مظاہرہ کیا، جس کے درج ذیل نقصانات ہوئے۔

۱۔ ملکی سیاست میں ہندوؤں کا عمل دخل بڑھ گیا۔

۲۔ ملک میں کافرانہ طور طریقے رائج ہونے لگے۔

۳۔ دینی معاملات میں مسلمانوں کی آزادی ختم ہو کر رہ گئی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ب۔ مجدد الف ثانیؒ نے اسلام کی کیا خدمت انجام دی؟**

**جواب۔** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنے مضمون ''نظریۂ پاکستان'' میں مجدد الف ثانیؒ کی خدمات کو بھی بیان کیا ہے۔

**مجدد الف ثانیؒ کا تعارف:** آپ کا اصل نام شیخ احمد سرہندی ہے۔آپ نے ساری زندگی اسلام کی سربلندی کے لئے محنت کی اور لوگوں کو بدعات سے نکال کر قرآن وسنت کی طرف راغب کیا۔

**مجدد الف ثانیؒ کی خدمات:** مصنف کے مطابق جب مجدد الف ثانیؒ نے دیکھا کہ بادشاہ اکبر کی ہندو نواز پالیسیوں کی وجہ سے اسلامی تشخص کو نقصان پہنچ رہا ہے تو آپ اسلام کی سربلندی کی خاطر میدانِ عمل میں اتر آئے اور کلمۂ حق بلند کیا۔آپ نے محنت کر کے اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔آپ کی کوششوں کے نتیجے میں شاہ جہاں اور اس کا بیٹا اورنگزیب بھی دین کا خادم بنا۔مجدد الف ثانیؒ نے قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کیں مگر دین پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ج۔ حیدر علی اور سلطان ٹیپو انگریزوں کے خلاف جنگ میں کیوں ناکام ہوئے؟**

**جواب۔** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنے مضمون ''نظریۂ پاکستان'' میں ہندوستانی تاریخ پر بات کرتے ہوئے حیدر علی اور سلطان ٹیپو کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

**حیدر علی اور سلطان ٹیپو کا تعارف:** حیدر علی ریاست میسور کے حکمران تھے اور سلطان ٹیپو ان کے بڑے بیٹے تھے۔

**جنگ میں ناکامی کی وجہ:** مصنف کے مطابق حیدر علی اور سلطان ٹیپو نے بڑی بہادری سے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور افغانستان، ترکی اور فرانس کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہ دیا اور اپنوں نے بھی غداری کی۔جس کی وجہ سے انہیں انگریزوں کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

**د۔ کانگریس کا قیام کب عمل میں آیا؟ اور اس کے بنیادی مقاصد کیا تھے؟**

**جواب۔** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنے مضمون ''نظریۂ پاکستان'' میں کانگریس کے قیام اور اس کے بنیادی مقاصد کا بھی ذکر کیا ہے۔

**کانگریس کا قیام:** مصنف کے مطابق ہندوؤں نے 1885ء میں برطانوی حکومت کی سرپرستی میں کانگریس کی بنیاد ڈالی۔

**کانگریس کے بنیادی مقاصد:** ابتداء میں تو یہ تأثر دیا گیا کہ کانگریس ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے مگر جلد ہی اس کے پوشیدہ مقاصد واضح ہونے لگے، جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ صرف ہندوؤں کے حقوق کا تحفظ کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کا کاروبار ضبط کرنا۔

۳۔ سرکاری ملازمتوں کے دروازے مسلمانوں پر بند کرنا۔

۴۔ اردو کے مقابلے میں ہندی کو فروغ دینا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**ہ۔ شُدھی اور سنگٹھن جیسی انتہا پسند تحریکوں کا مقصد کیا تھا؟**

**جواب۔** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنے مضمون ''نظریۂ پاکستان'' میں شُدھی اور سنگٹھن تحریکوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں تحریکیں اسلام دشمنی پر مبنی تھیں اور ان کے مقاصد درج ذیل تھے۔

**شُدھی کا مقصد:** ہندو جانتے تھے کہ مسلمان جب تک اسلام پر کاربند رہیں گے انہیں شکست نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے مسلمانوں کو مذہب سے دور کرنے اور انہیں ہندو بنانے کے لئے شُدھی تحریک شروع کی گئی۔

**سنگٹھن کا مقصد:** شُدھی تحریک بری طرح ناکام ہوئی اور ہندوؤں کو اندازہ ہو گیا کہ مسلمان کبھی بھی اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے تو انہوں نے سنگٹھن تحریک کا آغاز کیا۔ جس کا مقصد مسلمانوں کا قتلِ عام کر کے انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**و۔ نظریۂ پاکستان سے کیا مراد ہے؟**

**جواب۔** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنے مضمون ''نظریۂ پاکستان'' میں نظریۂ پاکستان پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

**نظریہ کا مفہوم:** نظریہ لغت میں خیال، تصور اور نقطۂ نظر کو کہتے ہیں۔

**نظریۂ پاکستان سے مراد:** نظریۂ پاکستان سے مراد یہ تصور ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اس ملک میں بسنے والی باقی قوموں ہندوؤں، سکھوں وغیرہ سے ہر لحاظ سے مختلف اور منفرد ہیں۔ مسلمانوں کی روایات، ثقافت اور طریقۂ عبادت دوسرے مذاہب سے بالکل الگ ہے۔ نظریۂ پاکستان کے دو الفاظ کو اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ایک لفظ ''اسلام'' ہے۔ اسی بناء پر قائداعظم اور علامہ اقبال نے یہ پُر زور مؤقف اختیار کیا کہ مسلمانوں کو جداگانہ قومیت اور مذہب کی بنیاد پر ایک الگ وطن دیا جائے جہاں وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادانہ طور سے بسر کر سکیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**ز۔ نظریۂ پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لئے آپ کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟**

**جواب۔** ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے اپنے مضمون ''نظریۂ پاکستان'' میں نظریۂ پاکستان کا ذکر کر کے اُس کے مقاصد کا بھی ذکر کیا ہے۔

**نظریۂ پاکستان کے مقاصد:** مصنف کے مطابق نظریۂ پاکستان کا مقصد صرف ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا، کیونکہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیاء اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی اشاعت اور اہلِ عالَم کے لئے ایک مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا تھا۔

**ہمارا کردار:** نظریۂ پاکستان کے مقاصد کے حصول کے لئے ہمارے کردار و عمل میں درج ذیل چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ ہم آپس میں اخوّت، مساوات، عدل اور انسانی ہمدردی کو فروغ دیں۔

۲۔ ذاتی مفاد کے مقابلے میں قومی مفاد کو ترجیح دیں۔

۳۔ رنگ، نسل کے امتیازات کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کریں۔

۴۔ پاکستان کے تحفظ کے لئے تن، من، دھن کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

س۔ درج ذیل الفاظ وتراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| کفروالحاد | نبی پاک ﷺ کی محنت سے کفروالحاد کا خاتمہ ہوا۔ |
| رائج | ہمیں معاشرے میں رائج غلط رسموں کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ |
| تہذیبی اصلاح | دنیا میں وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنی تہذیبی اصلاح پر توجہ دیتی ہیں۔ |
| خلیفۂ اسلام | حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفۂ اسلام ہیں۔ |
| قومیت | ہمیں ذات برادری اور قومیت سے بالاتر ہو کر مخلوقِ خدا کی خدمت کرنی چاہیے۔ |
| مثالی مملکت | پاکستان ہماری محنت سے ایک مثالی مملکت بن سکتا ہے۔ |
| انتشار | دین سے دوری ذہنی انتشار کا باعث بنتی ہے۔ |
| مستحکم | قائداعظم پاکستان کو مستحکم ریاست بنانا چاہتے تھے۔ |
| معرضِ وجود | ہمارا وطن 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آیا۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

س۔ **اس مضمون سے پانچ ایسے جملے تلاش کر کے لکھیں جن میں امدادی فعل کا استعمال ہو۔**

۱۔ اس لئے انہیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ ۲۔ اردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کر دیا۔

۳۔ 1911ء میں اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کرادیا۔ ۴۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔

۵۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔

**امدادی افعال:** ۱۔ہوسکی ۲۔کردیا ۳۔کرادیا ۴۔کردی ۵۔ہونے پائے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

س3۔ **''نظریۂ پاکستان'' کا خلاصہ تحریر کریں۔**

**جواب۔** **خلاصہ:** مسلمان ہمیشہ سے ایک روادار اور غیرت مند قوم ہیں۔ لیکن کفروالحاد جب غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اکبر بادشاہ کی بے جا رواداری نے اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور جب پانی سر سے گزرنے لگا تو مجدد الف ثانیؒ اکبر اور جہانگیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ شاہ جہاں اور اس کے بیٹے اورنگزیب نے مجدد الف ثانیؒ سے بہت فیض اٹھایا۔ جب مغلیہ سلطنت زوال کا شکار ہوگئی اور ٹیپو سلطان اور حیدر علی کی کوششیں بھی اپنوں کی غداری کے باعث ناکام ہوگئیں، تو شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسماعیل اور سید احمد شہیدؒ نے اسلامی اصولوں کو رائج کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کی کوششیں کیں۔ مگر انگریز نے 1857ء کی جنگ کے بعد برصغیر پر مکمل قبضہ جما لیا۔

1857ء کے بعد سرسید نے انگریزوں سے مفاہمانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کی اخلاقی وتہذیبی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ سرسید نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رہنے کی تلقین کی۔ اسی زمانے میں مولانا محمد قاسمؒ نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا اور مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔

پہلی جنگِ عظیم میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا اور انگریزوں کی جنگ جرمنی کے ساتھ تھی۔ برصغیر کے مسلمان ترکی کے خلیفہ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ جنگ جیت گئے تو ترکی کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے لہٰذا برصغیر کے مسلمانوں نے انگریز کا ساتھ دیا۔ مگر جنگ جیتنے کے بعد انگریز نے وعدہ خلافی کی اور ترکی کے حصے بخرے کر دیئے اس وعدہ خلافی کے بعد مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے تحریکِ خلافت شروع کی۔ تحریکِ خلافت میں ہندوؤں کے دھوکے اور 1928ء میں نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو الگ وطن کے قیام کے مطالبے کے لئے مجبور کر دیا۔ 1930ء میں علامہ اقبال نے الگ وطن کی تجویز پیش کی اور 1940ء میں مسلم لیگ کے اجلاس میں الگ وطن کا مطالبہ کر دیا گیا۔ مصنف بتاتے ہیں کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک مغربی مفکرین کی قائم کردہ اور دوسری حضرت محمد ﷺ کی قائم کی ہوئی۔ اہلِ مغرب خاندانی، نسلی اور جغرافیائی حدود پر قومیت کی بنیاد رکھتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے، جس کی بنیاد کلمہ طیبہ ہے۔ نظریۂ پاکستان کی اساس اسلام ہے۔ برصغیر کے مسلمان ایک ایسی فلاحی ریاست کا قیام چاہتے تھے جہاں وہ اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ قائداعظم کی پرخلوص قیادت میں مسلمانوں نے پاکستان کا خواب سچا کر دکھایا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم نظریۂ پاکستان کی حفاظت کرتے ہوئے پاکستان کو مستحکم اور مضبوط بنائیں۔

سبق: **پاکستانی قومیت کا مسئلہ**

مصنف: **ڈاکٹر سید عبداللہ**

صنف : **مضمون**　ماخوذ : **مباحث**

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** ڈاکٹر سید عبداللہ 5 اپریل 1906ء کو ہزارہ کے ایک گاؤں منگلور میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم:** آپ نے ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی اور قرآن مجید، حساب، فارسی، اردو، خطوط نویسی اور خوش نویسی کی تعلیم بھی گھر پر پائی۔ میٹرک کا امتحان 1923ء میں اسلامیہ سکول لاہور سے پاس کرنے کے بعد 1924ء میں ایف۔اے اور 1926 میں بی۔اے کیا۔اور اسلامیہ کالج لاہور سے 1927ء کو فارسی میں ایم۔اے کیا۔ یہاں آپ نے پروفیسر حافظ محمود شیرانی، قاضی فضلِ حق اور پروفیسر اسماعیل جیسے اساتذہ سے فیض پایا۔ پھر 1932ء میں ایم۔اے عربی کا امتحان بھی امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔

**عملی زندگی:** ڈاکٹر سید عبداللہ پنجاب یونیورسٹی میں عربیک اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔اس کے علاوہ اورینٹل کالج لاہور میں اردو کے پروفیسر اور صدرِ شعبہ بھی رہے۔

**اردو سے لگاؤ:** آپ کو اردو زبان سے بے حد لگاؤ تھا اور آپ آخری دم تک اردو کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔

**وفات:** 9 مارچ 1984ء کو شعبۂ اردو، دائرہ معارفِ اسلامیہ کے دفتر میں کام کے دوران آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور 14 اگست 1986ء کو تقریباً 80 سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

**تصانیف:** نقدِ میر، سرسید اور ان کے رُفقاء، وجہی سے عبدالحق تک، مباحث، اشاراتِ تنقید

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| رہبانیت | ترکِ دنیا | قطعی | یقینی | بوجھ بجھارت | پہیلی |
| محرّر | لکھنے والا | مسلّمہ | مانا گیا | بربریت | ظلم |
| تعصب | بے جا حمایت | اساس | بنیاد | بے پر کی اڑانا | بے اصل بات کہنا |
| دانست | سمجھ | نہج | طَور طریقہ، ڈھنگ | وحدت | اکائی |
| محکم | پکی، مضبوط | اشتراک | حصہ داری | سالم | مکمل |
| رہبانیت | ترکِ دنیا | حُجّت بازی | بحث وتکرار | سرچشمہ | منبع |
| یک جہتی | اتفاق | یگانگت | ہم آہنگی | ذی فہم | عقل مند |
| مضطرب | بے چین | محمول کرنا | گمان کرنا | | |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ بعض لوگ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے پردے میں علاقہ پرستی کی تحریک چلا رہے ہیں۔　**الف۔حُب الوطنی**　ب۔سیاست

۲۔ پاکستانی قومیت ابھی تک کچھ ۔۔۔۔۔۔ قسم کی چیز ہے۔　الف۔عجیب　**ب۔بوجھ بجھارت**

۳۔ سبق ''پاکستانی قومیت کا مسئلہ'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا مضمون ہے۔　**الف۔ڈاکٹر سید عبداللہ**　ب۔ڈاکٹر سید محمد

۴۔ اس مضمون میں قومیت کا پہلا عنصر کس چیز کو قرار دیا گیا ہے؟　الف۔وطن　**ب۔اسلامی تخیل**

۵۔ اسلامیت اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں کوئی تضاد نہیں۔　**الف۔وطنیت**　ب۔قوم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۶۔ | ڈاکٹر عبداللہ نے اپنے مضمون میں قومیت کو۔۔۔۔۔۔۔۔ سے تشبیہ دی ہے۔ | الف۔ دل وروح | **ب۔ پھل یا پھول** |
| ۷۔ | معلوم نہیں! کس نے یہ بے پر کی اڑادی کہ اقبال سرے سے۔۔۔۔۔ کے مخالف تھے۔ | الف۔ فلسفہ | **ب۔ وطنیت** |
| ۸۔ | اسلام کا مرکزی جغرافیہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہی تھا۔ | **الف۔ جزیرۃ العرب** | ب۔ سعودیہ |
| ۹۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی تکمیل وطنیت سے ہوتی ہے۔ | الف۔ ریاست | **ب۔ اسلامیت** |
| ۱۰۔ | علامہ اقبال نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی وطنیت کی مخالفت کی تھی۔ | **الف۔ یورپ** | ب۔ امریکہ |
| ۱۱۔ | ڈاکٹر عبداللہ نے۔۔۔۔۔۔۔۔ کو پاکستانی قومیت کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا۔ | الف۔ وطن پرستی | **ب۔ علاقہ پرستی** |
| ۱۲۔ | سبق ''پاکستانی قومیت کا مسئلہ'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے ماخوذ ہے۔ | **الف۔ مباحث** | ب۔ نقدِ میر |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س۔ صحیح یا غلط پر نشان لگائیں۔**

ا۔ پاکستان کے بعض خطّوں کی تحریک دراصل نسلی تحریک ہے۔ **(صحیح)**

ب۔ پاکستانی قومیت بالکل غیر واضح چیز ہے۔ **(غلط)**

ج۔ پاکستانی قومیت کی تعریف اب پھر پوچھی جانے لگی ہے۔ **(صحیح)**

د۔ مسلمان اپنی تہذیب اور نقطۂ نظر کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے۔ **(غلط)**

ہ۔ اقبال عقائد اور وطن کی وحدت میں گہرا عقیدہ رکھتے تھے۔ **(صحیح)**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| **الفاظ** | **جملے** |
|---|---|
| **متحدہ قومیت** | علاقائی تعصب سے متحدہ قومیت کے تصور کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ |
| **حُجت بازی** | بے جا حجت بازی سے بہتر ہے کہ عملی کام کیا جائے۔ |
| **مستحکم** | مستحکم عقیدے سے عمل کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ |
| **نقطۂ نظر** | ادھر اُدھر کی باتیں نہ کرو، واضح الفاظ میں اپنا نقطۂ نظر بیان کرو۔ |
| **شکوک وشبہات** | آپس کے تعلقات کو شکوک وشبہات کمزور کر دیتے ہیں۔ |
| **نیک نیتی** | ہمیں ہر کام اخلاص اور نیک نیتی سے کرنا چاہیے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانی قومیت کا جو مسئلہ بیان کیا ہے، آپ اس سے کس حد تک متفق ہیں؟**

**جواب۔** ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنے مضمون ''پاکستان قومیت کا مسئلہ'' میں پاکستانی قومیت کے مسئلے پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

**ہماری رائے:** ہم پاکستانی قومیت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی باتوں سے سو فیصد متفق ہیں۔ کیونکہ بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی قومیت بہت سے شکوک وشبہات کا شکار رہی ہے اور اس سلسلے میں بڑا اعتراض یہ کیا گیا کہ پاکستان کے قیام کی بنیاد اسلام ہے اور اسلام وطنیت کے خلاف ہے تو پھر اسلام کے نام پر ایک الگ وطن کیوں حاصل کیا گیا؟ اور دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ جب پاکستان کی بنیاد اسلام ہے تو غیر مسلموں کا اس وطن میں رہنے کا کیا جواز ہے؟ تو مصنف نے بڑی واضح دلیلوں کے ساتھ ان دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسلام وطنیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ایسے تمام نسلی تعصبات کے خلاف ہے جو قومیت یا وطنیت کے اجتماعی تصور کو پامال کریں۔ اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ پاکستان ایک مسلم ریاست ہے اور ایک مسلم ریاست میں مسلم وغیر مسلم کو برابر کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی ملکی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے رہ سکتے ہیں۔ پاکستان کسی نسل یا مخصوص علاقے کو بنیاد بنا کر نہیں بنایا گیا تھا، لہٰذا ان نسلی اور علاقائی تعصّبات پر قابو پا کر ہی پاکستان کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س4۔ قومیت اور علاقائیت کے مابین جو امتیاز مصنف نے واضح کیا ہے، اسے اپنے الفاظ میں لکھیں۔**

**جواب۔** ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس مضمون میں پاکستانی قومیت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے قومیت اور علاقائیت کے مابین فرق کو بھی واضح کیا ہے۔

**قومیت:** قومیت سے مراد کسی بھی قوم کی الگ جغرافیائی حدود ہیں۔ جس میں رہنے والے افراد ایک عقیدے اور روایات کے پابند ہوتے ہیں۔

**علاقائیت:** علاقائیت سے مراد کسی مخصوص علاقے یا جگہ سے محبت کرنا ہے جو کہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

**دونوں میں فرق:**

۱۔ قومیت ایک وسیع دائرہ ہے اور علاقائیت اس دائرے کے اندر سما جاتی ہے۔ گویا قومیت کُل ہے اور علاقائیت اس کا ایک جُزو ہے۔

۲۔ وطن پرستی سے علاقہ ترقی پاتا ہے جبکہ علاقہ پرستی سے وطن کو نقصان پہنچتا ہے۔

۳۔ وطن کی محبت آپس کے اتحاد کو فروغ دیتی ہے جبکہ علاقائی تعصب سے نفرتیں پروان چڑھتی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س5۔ خالی جگہیں اصل متن کے مطابق پُر کریں۔**

۱۔ جن کے تصورات کو میں **بدنیتی** پر محمول نہیں کرتا۔

۲۔ پاکستان کے لئے جدا قومیت کا جو **سوال** اٹھایا جاتا ہے۔

۳۔ جس کی کسی نے **اشاعت** کرادی تھی۔

۴۔ پاکستانی **قومیت** بالکل واضح چیز ہے۔

۵۔ قوم کو ابھی خود بھی معلوم نہیں کہ ہم **قوم** بھی ہیں یا نہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س6۔ متعلق فعل کیا ہوتا ہے؟ فعل، فاعل اور مفعول کی مناسبت سے کیسے تبدیل ہوتا ہے؟**

**جواب۔** **متعلق فعل:** متعلق فعل سے مراد وہ الفاظ ہیں جو فعل میں معمولی سا تغیر پیدا کرتے ہیں۔

**مثال:** وہ کبھی کبھی آتا ہے۔

**مثال:** وہ کلاس میں ہمیشہ سویا رہتا ہے۔

ان مثالوں میں "کبھی کبھی" اور "ہمیشہ" متعلق فعل ہیں۔

**فعل کا فاعل کی مناسبت سے بدلنا:** فعل اگر فعلِ لازم ہو تو وہ ہمیشہ اپنے فاعل کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ یعنی فاعل کے مذکر، مئونث، واحد یا جمع ہونے کی صورت میں فعل بھی بدلے گا۔

**مثالیں:** امجد آیا۔ تابندہ گئی۔

لڑکے آئے، عورتیں گئیں۔

**وضاحت:** ان مثالوں میں فعل اپنے فاعل کے مطابق بدلا ہے۔ یعنی فاعل مذکر آیا تو فعل بھی مذکر آیا ہے اور فاعل مئونث آیا تو فعل بھی مئونث آیا ہے۔ اور فاعل کے جمع ہونے کی صورت میں فعل بھی جمع والا آیا ہے۔

**فعل کا مفعول کی مناسبت سے بدلنا:** فعل اگر فعلِ متعدی ہو اور اس کے ساتھ علامتِ فاعل (نے) لگی ہو تو اس صورت میں فعل اپنے فاعل کے بجائے مفعول کے مطابق بدلے گا۔

**مثالیں:**

۱۔ بلال نے روٹی کھائی۔ ۲۔ سلمٰی نے پانی پیا۔

**وضاحت:** پہلی مثال میں فاعل مذکر ہے۔ مگر فعل، مفعول (روٹی) کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔

دوسری مثال میں فاعل مئونث ہے۔ مگر فعل، مفعول (پانی) کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س۔ سیاق وسباق کے حوالے سے عبارت کی تشریح کریں۔

**عبارت:** **اس تشبیہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پاکستان کی روح یعنی اس کا تخیل تبھی زندہ رہ سکتا ہے جب روح کے ساتھ بدن کی بھی حفاظت کی جائے۔اسی طرح اس کا بدن تب ہی صحیح معنوں میں ایک زندہ ہستی بن سکے گا جب اس کے اندر کی روح سالم اور برقرار رہے گی۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پاکستانی قومیت کے مرکزی عقیدے یعنی (اسلامی تخیل) کو محکم بنانا اور محفوظ رکھنا لازمی ہے، اُس طرح اس تخیل کو اس کے جغرافیائی تخیل سے وابستہ رکھنا بھی لازمی ہے، اس لحاظ سے پاکستانی قومیت کا دوسرا بڑا عُنصر وطن یا وطنیت ہے۔**

جواب۔ حوالۂ متن:

سبق: پاکستانی قومیت کا مسئلہ صنف: مضمون

مصنف: ڈاکٹر سید عبداللہ ماخوذ: مباحث

**سیاق وسباق:**

اس سبق میں مصنف نے پاکستانی قومیت کے مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس کے قیام کی وجہ ہندوؤں اور انگریزوں پر واضح تھی۔لیکن قیامِ پاکستان کے بعد ابھی تک پاکستانی قومیت پر شکوک وشبہات ڈالنے کے لئے مختلف سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔مثلاً پاکستان کا قیام اسلامی تخیل کی بنیاد پر ہوا اور اسلام وطنیت کے خلاف ہے۔دوسرا یہ کہ اسلام کے نام پر بننے والے وطن میں غیر مسلموں کا قیام کیسے ممکن ہے؟ ان سوالوں کے جواب مصنف نے بڑی وضاحت سے دیئے کہ اسلام جغرافیائی حد بندی کا مخالف نہیں ہے۔نیز اسلامی ریاست میں مسلم وغیر مسلم مساوی حقوق رکھتے ہیں۔

**تشریح:**

اس عبارت میں مصنف نے قومیت کے مسئلے کو دو حصوں ظاہر اور باطن میں تقسیم کیا ہے۔اور اس ظاہر اور باطن کے فرق کو انہوں نے پھل یا پھول سے تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ جس طرح کسی بھی پھل یا پھول کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے، اور وہ ان دونوں کے مجموعے سے بنتا ہے بالکل اسی طرح پاکستانی قومیت کے دو حصے ہیں۔ایک حصے کا تعلق روح سے اور دوسرے کا تعلق بدن سے ہے۔روح والے حصے سے مراد وہ اسلامی تخیل ہے جو قیامِ پاکستان کی بنیاد بنا اور بدنی حصے سے مراد یہ خطہ ہے جس کا نام اب پاکستان ہے۔اس تشبیہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ پاکستان کی روح یعنی اسلامی تخیل کی بقا اسی میں ہے کہ ہم اس خطۂ زمین پاکستان کی حفاظت کریں۔جب بدن کی نشونما ٹھیک سے ہوگی تو تب ہی اس کے اندر روح صحیح سالم رہ سکے گی۔اس لئے جس طرح پاکستانی قومیت کی روح یعنی اسلامی سوچ اور اسلامی روایات کو مضبوط اور محفوظ رکھنا ضروری ہے، اسی طرح اس اسلامی سوچ کو پاکستان کے جغرافیائی تخیل سے جوڑ کر رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ پاکستان کا پہلا عنصر اگر اسلامی تخّیل ہے تو دوسرا اُعنصر وطن یا وطنیت ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق : **کچھ ادب کے بارے میں**

مصنف : **ڈاکٹر عبادت بریلوی**

صنف : **تنقیدی مضمون**　ماخوذ: **تنقیدی زاویے**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** ڈاکٹر عبادت بریلوی 1920ء کو انڈیا کے ایک قصبے بریلی میں پیدا ہوئے۔

**عملی زندگی:** آپ نے عملی زندگی کا آغاز اینگلو عربیک کالج دہلی سے کیا۔ پاکستان بنا تو آپ لاہور آ کر اورینٹل کالج لاہور سے منسلک ہو گئے اور ترقی کرتے کرتے ''شعبۂ اردو'' کے صدر بن گئے۔ ڈین فیکلٹی آف آرٹس بھی رہے پھر اورینٹل کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

**ادبی خدمات:** آپ اردو کے نامور محقق تھے۔ آپ کی بہت سی کتابیں پاک و ہند کی مختلف یونیورسٹیوں میں بطورِ نصاب شامل رہیں۔ آپ کا تجزیہ عام طور پر ہمدردانہ ہوتا ہے۔ آپ ادبی مسائل کی پیچیدگیوں میں نہیں الجھتے، بلکہ معنوی سطح پر رہتے ہوئے ادب پارے کا تمام احوال قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور اپنے تجزیئے کو درجہ بہ درجہ قاری کے سامنے کھولتے ہیں۔

**وفات:** ڈاکٹر عبادت بریلوی 1998ء کو تقریباً 78 سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

**تصانیف:** غزل اور مطالعۂ غزل، غالبؔ کا فن، جدید شاعری، جدید اردو ادب، روایت کی اہمیت، تنقیدی زاویے وغیرہ

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| جگ | زمانہ | سَوتا | چشمہ | مشاطگی | سنوارنا |
| بادِ سموم | گرم ہوا | قدامت | پرانا | صناعانہ | ہنرمندی سے |
| ودیعت | عطا کرنا | مدّ و جزر | اتار چڑھاؤ | شُستگی | عمدگی |
| رعنائی | خوبصورتی | فقدان | نہ ہونا، قلّت | اُفتادِ طبع | طبیعت کی اُٹھان |
| تلاطم | موجوں کا جوش | آفرینش | پیدائش | نوعیت | حالت، کیفیت |
| عالَم آشکارا | مشہور و معروف | آراستہ و پیراستہ | سجاوٹ | شاہکار | عمدہ چیز |

## ''معروضی سوالات''

س۔ **درست جواب پر ( ✓ ) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ مضمون ''کچھ ادب کے بارے میں''۔۔۔۔۔۔ کی تصنیف ہے۔　**الف۔ڈاکٹر عبادت بریلوی**　ب۔ابن انشاء

۲۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اردو کے نامور۔۔۔۔۔۔۔ تھے۔　الف۔شاعر　**ب۔محقق**

۳۔ انسان کے اندر۔۔۔۔۔۔ کا احساس سب سے قوی ہے۔　**الف۔حُسن**　ب۔موت

۴۔ زمانے کی۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کو زیادہ سے زیادہ بناتی سنوارتی رہی۔　الف۔چال　**ب۔مشاطگی**

۵۔ ان جذبات و احساسات کو۔۔۔۔ نے خود اپنے تک محدود کیوں نہ رکھا۔　**الف۔انسان**　ب۔شاعر

۶۔ ادب سے انسان کی۔۔۔۔۔۔۔ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے۔　**الف۔دلچسپی**　ب۔نفرت

۷۔ بہرحال یہ۔۔۔۔۔۔۔۔ کے ابتدائی نقوش تھے۔　**الف۔ادب**　ب۔جذبات

۸۔ ادب کے قدم ترقی کی۔۔۔۔۔۔۔ پر برابر آگے بڑھتے گئے۔　**الف۔شاہراہ**　ب۔منزل

۹۔ احساسِ جمال کا ہونا ہر۔۔۔۔۔۔۔ کے اندر لازمی ہے۔　الف۔جوان　**ب۔انسان**

۱۰۔ دوسری تخلیقات کے برعکس ادب کا تعلق۔۔۔۔۔۔ سے ہے۔　الف۔مادیت　**ب۔روحانیت**

۱۱۔ انسان نے سب سے پہلے کس چیز پر لکھا؟　**الف۔پتوں پر**　ب۔لکڑی پر

۱۲۔ ادب بہ یک وقت انسان کا اضطراری اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فعل ہوا۔　الف۔روحانی　**ب۔سماجی**

۱۳۔ کیوں،اس کو حوادثِ زمانہ کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔خشک نہ کر سکی۔　**الف۔بادِ سُموم**　ب۔بادِ صبا

۱۴۔ ادب کی تخلیق میں۔۔۔۔۔۔۔کو دخل نہیں ہے۔　**الف۔مادے**　ب۔ذہانت

۱۵۔ انسان کے جذبات واحساسات میں جو۔۔۔۔۔۔۔برابر اٹھتی رہتی ہیں۔　الف۔سوچیں　**ب۔موجیں**

## ''مشقی سوالات''

**1۔ عبادت بریلوی نے اس مضمون میں کن زاویوں سے ادب کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے؟**

**جواب۔** عبادت بریلوی نے اس مضمون'' کچھ ادب کے بارے میں'' درج ذیل زاویوں سے ادب کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔

**ادب کی افادیت:**

۱۔ ادب سے انسان کے تخلیق کے عمل کی فطری خواہش کو تسکین ملتی ہے۔　۲۔ادب انسان کے جذبات واحساسات کے اظہار کا بہترین وسیلہ ہے

۳۔ ادب ہر زمانے کی تہذیب کا عکس ہوتا ہے۔اس میں ہر زمانے کے سیاسی،سماجی حالات کی صحیح منظر کشی ہوتی ہے۔

۴۔ ادب سے انسان کے احساسِ جمال کو تسکین ملتی ہے اور احساسِ جمال ہر انسان کے اندر پایا جاتا ہے۔

لہٰذا انسانی زندگی میں ادب کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---

**2۔ تنقید کی تعریف کریں،نیز بتائیں کہ زیرِ نظر مضمون'' کچھ ادب کے بارے میں'' کہاں تک اس پر پورا اترتا ہے؟**

**جواب۔** **تنقید کی تعریف:** تنقید لفظِ نقد سے نکلا ہے،جس کے معنی ہیں'' تبصرہ کرنا'' کسی بھی چیز کو دیکھ کر جب اس کے بارے میں مثبت یا منفی رائے دی جاتی ہے،اسے تنقید کہتے ہیں۔اور''ادب''میں تنقید سے مراد ادبی تخلیقات کو باریک بینی سے پڑھ کر یہ فیصلہ صادر کرنا ہے کہ اس کا کون سا حصہ جاندار اور با مقصد ہے اور کون سا حصہ بے معنی ہے۔

**زیرِ نظر مضمون:** عبادت بریلوی کا یہ مضمون'' کچھ ادب کے بارے میں'' ایک عمدہ تنقیدی مضمون ہے۔انہوں نے اس مضمون میں''ادب'' کو موضوع بنایا ہے اور اپنے موضوع کی عمدہ وضاحت کی ہے۔اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے ذہن میں موجود تمام نکات کو ایک مناسب ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مضمون کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے غیر ضروری طور پر طویل نہیں کیا اور کوئی بھی غیر ضروری بحث نہیں چھیڑی۔اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے آسان اور سادہ الفاظ کا استعمال کر کے پڑھنے والوں کے لئے اس مضمون کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔الغرض یہ مضمون تنقید کے قواعد وضوابط پر پورا اترتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---

**3۔ ادب کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔**

**جواب۔** **ادب کی تعریف:** اپنے احساسات وجذبات کو خوبصورت اور متاثر کُن الفاظ میں بیان کرنا ادب کہلاتا ہے۔

**ادب کی اہمیت:** انسانی زندگی میں ادب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ادب انسانی زندگی کی صحیح ترجمانی کرتا ہے اور ادب سے کسی بھی عہد کے لوگوں کی معاشرتی،سیاسی اور تہذیبی زندگی کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ادب ایک تخلیقی عمل ہے اور ادب سے انسان کے احساسِ تخلیق کو تسکین ملتی ہے۔ادب اپنے احساسات وجذبات کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ادب کے بغیر انسان کے جذبات کو نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔

ادب پڑھنے سے انسان حقیقی معنوں میں انسان بنتا ہے،انسان کی شخصیت سنورتی ہے اور اس میں مثبت تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔اور ادب انسان کے نیک جذبات کو ابھارتا ہے۔ادب کے مطالعے سے قاری کے ادبی ذوق کو تسکین ملتی ہے۔اور قاری ذہنی اور روحانی طور پر صحت منداور توانا رہتا ہے۔ادب کے بغیر معاشرہ ایک جنگل کی طرح ہے جہاں انسان نہیں بلکہ وحشی درندے رہتے ہیں جبکہ ادب سے معاشرے میں محبت کی کلیاں کھِلتی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---

**4۔ فعل کی فاعل سے مطابقت کے حوالے سے جملے درست کریں۔**

**جواب۔** ۱۔میری کتابیں،قلم اور کاپیاں سب کچھ کھو گئے۔　**درست:** میری کتابیں،قلم اور کاپیاں سب کچھ کھو گیا۔

۲۔چار کپ،ایک گلاس اور دو پلیٹیں ٹوٹ گئے۔　**درست:** چار کپ،ایک گلاس اور دو پلیٹیں ٹوٹ گئیں۔

۳۔شاہ جہاں نے عمارتیں بنوائی۔ **درست**: شاہ جہاں نے عمارتیں بنوائیں۔

۴۔ہم نے پہاڑ کے پتھروں کو کالے پائے۔ **درست**: ہم نے پہاڑ کے پتھروں کو کالا پایا۔

۵۔فضول خرچی کی وجہ سے اس کا سرمایہ اوراحترام لٹ گئے۔ **درست**: فضول خرچی کی وجہ سے اس کا سرمایہ لٹ گیا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**5۔ سیاق وسباق کے حوالے سے جملوں کی تشریح کریں۔**

**جملہ 1۔ ایک طرف تو تخلیق کی فطری خواہش اور دوسری طرف اپنے آس پاس کے افراد سے دل پر بیتی ہوئی حالت کو ظاہر کر دینے کا خیال، ان دونوں عناصر نے مل کر ادب کو پیدا کیا۔**

**جواب۔ حوالۂ متن:**

سبق: کچھ ادب کے بارے میں صنف: مضمون

مصنف: ڈاکٹر عبادت بریلوی ماخوذ: تنقیدی زاویے

**سیاق وسباق:** ادب صدیوں سے ہم لوگوں کے درمیان موجود ہے۔اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ادب ہماری معاشرت اور تہذیب کا بھرپور عکاس ہے۔ادب کا مقصد اصلاح اور مقصدیت کے ساتھ ساتھ اظہارِ حُسن بھی ہے۔انسان کے جذبات واحساسات میں جو موجیں مسلسل اٹھتی رہتی ہیں، ان کو خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنا دینا ادب ہے۔ادب کی تخلیق انسان کی فطری خواہش کا نتیجہ ہے جو انسان کو قدرت کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔یہ انسان کی فطری خواہش ہے کہ جو خیالات وجذبات اس کے دل میں پیدا ہوں، وہ ان کو بہتر طریقے سے دوسروں تک پہنچائے، ایسا کرنے سے اس کو روحانی سکون ملتا ہے۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنف نے ادب کی تخلیق سے متعلق بات کی ہے اور تخلیق سے مراد ہے پیدا کرنا یا تشکیل دینا۔تخلیق کرنا فی الحقیقت اللہ پاک کی صفت ہے لیکن اللہ کی مخلوق ہونے کے ناطے انسان کے دل میں بھی تخلیق کی خواہش موجود ہے۔یہ سائنسی ترقی اور جدید تہذیب کی ترقی انسان کی تخلیقی کاوش کا منہ بولتا ثبوت ہے۔یہ انسانی فطرت ہے کہ جو کچھ تصور وخیال اس کے دل ودماغ میں آتا ہے یا جو کچھ وہ اپنے اردگرد دیکھتا ہے تو اس کو دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ سر اٹھانے لگتا ہے اور اس جذبے کے تحت ادب ظہور میں آتا ہے کیونکہ انسان چاہتا ہے کہ جو کچھ مجھ پر گزرتی ہے یا جو کچھ میں سوچتا ہوں اس سے باقی انسان بھی واقف ہو جائیں۔اس سے انسان کو دلی سکون ملتا ہے۔اس لئے انسان کی تخلیق کی فطری خواہش اور دوسروں پر اپنے دلی جذبات ظاہر کرنے کا خیال، یہ دو ایسی چیزیں ہیں جن سے مل کر ادب وجود میں آتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**جملہ 2۔ اس اعتبار سے ادب کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا ہے کیونکہ ہماری سماجی زندگی میں کوئی اور مقام ایسا نہیں آ سکتا جہاں بدصورت چیز کو بھی حسین بنا کر پیش کیا جا سکے۔**

**جواب۔ حوالۂ متن:**

سبق: کچھ ادب کے بارے میں صنف: مضمون

مصنف: ڈاکٹر عبادت بریلوی ماخوذ: تنقیدی زاویے

**سیاق وسباق:** انسان کے اندر حُسن کا احساس سب سے قوی ہے اور انسان ہر لمحہ، ہر گھڑی حُسن کی تلاش میں رہتا ہے۔اور ادب میں چونکہ اپنے احساسات وجذبات کو ایک خاص انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔اس لئے اس میں حُسن لازمی طور پر پیدا ہو جاتا ہے۔اور جب ادب میں حُسن پیدا ہو جائے تو انسان اس میں دلچسپی لئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔کیونکہ ادب کے مطالعے سے اس کے احساسِ جمال کو تسکین ملتی ہے۔

**تشریح:** مصنف کے خیال میں ادب سے انسان کی دلچسپی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان فطری طور پر حُسن پرست واقع ہوا ہے۔وہ حسین اور خوبصورت چیزوں میں اپنی فطرت سے مجبور ہو کر دلچسپی لیتا ہے اور چونکہ ادب میں فنکارانہ صلاحیتوں کے ذریعے ادیب بدصورت چیزوں کو بھی خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے اس لئے انسان فطرتی طور پر ادب کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے تاکہ اس کے احساسِ جمال کو تسکین حاصل ہو۔ورنہ معاشرے میں زیادہ تر پہلو برے اور بدنما ہیں اور جب ان بدنما پہلوؤں پر بات کی جاتی ہے تو بدنما پہلو کو مزید برے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔جبکہ ادیب خوبصورت اور حسین انداز میں کسی بدصورت پہلو کو بھی خوبصورت بنا کر پیش کر دیتا ہے۔لہٰذا اس خوبی کی وجہ سے ادب کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق : **لمحۂ فکریہ**

مصنف : **مشتاق احمد صدیقی**

صنف : **مضمون**

ماخوذ: **ماڈیول تعلیم و ترقی آبادیات پراجیکٹ**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** مشتاق احمد صدیقی 1960ء کو صوبہ خیبر پختونخواہ کے مردم خیز شہر ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم:** آپ نے پشاور یونیورسٹی سے ایم۔اے اردو کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور دوسری پوزیشن حاصل کی۔

**عملی زندگی:** آپ 1987ء سے صوبے کے مختلف کالجوں میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور آج کل گورنمنٹ کالج نمبر 1 میں بحیثیت صدر شعبۂ اردو اپنے فرائضِ منصبی ادا کر رہے ہیں۔

**مقالہ نگاری:** آپ نے ایم فل اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے مقالہ مرزا عزیز احمد دار اپوری ''احوال و آثار'' لکھ کر مکمل کیا۔ جب کہ اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے ریسرچ سکالر بھی رہے اور ان کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان ''ممتاز شیریں کا ذہنی ارتقا'' ہے۔

**طبعی رجحان:** آپ کا طبعی رجحان تحقیق اور تنقید نگاری کی طرف رہا۔ آپ کی تحریریں مختلف ادبی رسائل اور کالج میگزینز میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

**اہم مضامین:** پیروڈی اور اردو ادب، تحقیق و تنقید کا رشتہ، تصورِ خدا اور مفہومِ دعا، صحرائیت اور بدویت اقبال کی نظر میں، پنجابی انگارے ایک جائزہ، ایہام گوئی کی تحریک کے اسباب۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| لمحہ فکریہ | سوچنے کی گھڑی | متجاوز | حد سے بڑھنے والا | اقدار | قدر کی جمع، عزت |
| عوامل | عاملہ کی جمع، واقعات | فُقدان | نہ ہونا، کمی | افلاس | غربت |
| لامحالہ | لازمی طور پر | خواندگی | پڑھائی | نجی | ذاتی |
| مُمد و معاون | مددگار | ابتری | بربادی | جوئے خون | خون کی ندی |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ مشتاق احمد صدیقی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔
الف۔ پشاور　**ب۔ ایبٹ آباد**

۲۔ ''ممتاز شیریں کا ذہنی ارتقا'' آپ کا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا مقالہ ہے۔
**الف۔ پی ایچ ڈی**　ب۔ ایم فل

۳۔ آپ کا طبعی رجحان تحقیق اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی طرف رہا۔
**الف۔ تنقید نگاری**　ب۔ مقالہ نگاری

۴۔ وطنِ عزیز ایک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ملک ہے۔
الف۔ ترقی یافتہ　**ب۔ ترقی پذیر**

۵۔ تخلیقِ آدم کے بعد نسلِ انسانی ۔۔۔۔۔۔۔۔ سے پھیلنی شروع ہوئی۔
**الف۔ تیزی**　ب۔ آہستگی

۶۔ پاکستان کی آبادی میں ۔۔۔۔۔۔ فیصد سالانہ شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔
الف۔ 1.70　**ب۔ 1.73**

۷۔ درختوں کے بے تحاشا ۔۔۔۔۔۔۔۔ سے جنگل سُکڑ گئے۔
الف۔ جلنے　**ب۔ کٹاؤ**

۸۔ بہتر معیارِ زندگی ہر فرد کا۔۔۔۔۔۔۔۔حق ہے۔　**الف۔بنیادی**　ب۔آخری

۹۔ وطنِ عزیز بھی اسی طرح کے۔۔۔۔۔۔۔۔سے دوچار ہے۔　**الف۔پیچیدہ حالات**　ب۔حالات

۱۰۔ جس میں ہماری۔۔۔۔۔۔۔اقدار سب سے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔　الف۔معاشرتی　**ب۔مذہبی**



## ''مشقی سوالات''

**س1۔ معیارِ زندگی سے کیا مراد ہے؟اس کو کس طرح بلند کیا جاسکتا ہے؟**

**جواب۔** مشتاق احمد صدیقی نے اپنے مضمون ''لمحۂ فکریہ'' میں معیارِ زندگی پر بھی تفصیل سے بات کی ہے۔

**<u>معیارِ زندگی سے مراد:</u>** معیارِ زندگی سے مراد مادی اشیاء کی وافر مقدار میں فراہمی اور روزمرہ زندگی کی بنیادی سہولیات کا میسر ہونا ہے،اس کے ساتھ ساتھ معیارِ زندگی کا تعلق سماجی ماحول اور ذہنی کیفیت سے بھی ہے۔معیارِ زندگی کی جانچ کے لئے درج ذیل چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔

۱۔شرحِ خواندگی　۲۔شرحِ غربت　۳۔طبی سہولیات کی کیفیت　۴۔سماج میں خواتین کا مقام　۵۔معاشرتی حقوق　۶۔جمہوری روایات

**<u>تجاویز:</u>** درج ذیل طریقوں سے معیارِ زندگی کو بلند کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ شرحِ خواندگی میں اضافے کے لئے تعلیم کو لازمی اور مفت کیا جائے۔

۲۔ غربت کی شرح کو کم کرنے کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

۳۔ ہسپتالوں میں طبی سہولیات کی فراہمی یقینی بنائی جائے۔

۴۔ سماج میں خواتین کو ان کا جائز حق اور مقام دیا جائے۔

۵۔ بغیر کسی امتیاز کے ہر طبقے اور قوم کے لوگوں کو ان کے جائز حقوق دیئے جائیں۔

۶۔ جمہوری روایات کی پاسداری کی جائے اور قانون پر عمل یقینی بنایا جائے۔



**س2۔ اگر وطنِ عزیز کی آبادی وسائل کے مطابق ہو تو وطن میں کیا متوقع تبدیلیاں رونما ہوں گی؟**

**جواب۔** اگر ہمارے وطن کی آبادی وسائل کے مطابق ہو جائے تو وطن میں درج ذیل تبدیلیاں رونما ہونے کی توقع ہوگی۔

۱۔ آمدنی میں اضافہ اور غربت میں کمی ہوگی اور روزگار کے مواقع بڑھیں گے۔

۲۔ ہر اعتبار سے ملک ترقی کرے گا اور ملک میں خوشحالی آئے گی۔

۳۔ محبت،احترام اور رواداری کا رجحان بڑھے گا۔

۴۔ جرائم کی شرح میں کمی واقع ہوگی۔

۵۔ صنعت وحرفت کو فروغ حاصل ہوگا اور زرعی پیداوار میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

۶۔ تمام افراد کو بنیادی ضروریاتِ زندگی میسر ہوں گی اور ہر طرح کی ضروری اور طبی سہولیات بھی دستیاب ہوں گی۔



**س3۔**

| **الفاظ** | | **جملے** |
|---|---|---|
| **دباؤ** | | ہمارا ملک آبادی میں اضافے کے دباؤ کا شکار ہے۔ |
| **منصوبہ بندی** | | میری والدہ بہترین منصوبہ بندی سے گھر کا نظام چلاتی ہیں۔ |
| **خود اعتمادی** | | ہماری قوم خود اعتمادی سے کام لے کر ترقی کر سکتی ہے۔ |
| **انتشار** | | ہمیں ہر طرح کے انتشار کو خیر آباد کہہ کر اتحاد کو فروغ دینا چاہیے۔ |
| **پاسداری** | | قانون کی پاسداری ہر شہری کا فرض ہے۔ |

**س4۔ درج ذیل الفاظ کو اعراب لگا کر درست تلفظ کے ساتھ لکھیں۔**

| الفاظ | تشکیل | معیار | امر | توازن | آخرت |
|---|---|---|---|---|---|
| اعراب | تَشْکِیْل | مِعْیَارْ | اَمْرْ | تَوَازُنْ | آخِرَتْ |



**س5۔ اپنے شہر کے میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر کو خط لکھیں اور شاپنگ بیگ کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں تلف کرنے کی تجاویز دیں۔**

ایبٹ آباد

20 دسمبر 2018ء

**مکرمی جناب ناظم اعلیٰ صاحب، ایبٹ آباد**

سلام مسنون! میں آپ کی توجہ ایک نہایت اہم مسئلے کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ بات آپ کے علم میں بھی ہوگی کہ ہماری روزمرہ زندگی میں شاپنگ بیگ کا استعمال غیر معمولی اہمیت اختیار کر چکا ہے اور اب عام آدمی کا اس کے بغیر گزارہ مشکل ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ شاپنگ بیگ ہمارے ماحول کے لئے بے حد نقصان دہ ہیں۔ اول تو یہ کسی طرح بھی تلف نہیں ہوتے اور پھر شعور کی کمی کی وجہ سے لوگ انہیں راستوں اور نالیوں میں پھینک دیتے ہیں، جس کی وجہ سے نالیوں کے نکاسیٔ آب کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب نالیوں میں پانی کھڑا رہتا ہے تو مچھروں کی افزائش ہوتی ہے جو متعدد بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ کالے شاپنگ بیگ دہشت گردی کے مذموم مقاصد کے لئے بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور ان کے ذریعے بارودی مواد یا مہلک ہتھیار کی ترسیل بھی آسانی سے کی جا سکتی ہے، لہٰذا میری گزارش ہے کہ انہیں تلف کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل کیا جائے۔

ا۔ اول تو پلاسٹک کے شاپنگ بیگز کے استعمال پر فی الفور پابندی عائد کی جائے۔

ب۔ لوگوں میں یہ شعور بیدار کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ انہیں استعمال کے بعد ڈرم میں ڈال دیں اور کوڑا اٹھانے والی گاڑی انہیں اٹھا کر تلف کر دے۔

ج۔ ان کی جگہ کاغذ کے تھیلے متعارف کرائے جائیں۔

د۔ صفائی کا عملہ روزانہ کی بنیاد پر شاپنگ بیگز کو تلف کرنے کے لئے سنجیدہ اقدامات کرے تاکہ مسائل سر نہ اٹھا سکیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں سنجیدہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے فوری طور پر عملی اقدامات کریں گے۔

والسلام

ایک دردمند شہری

نوردین، ایبٹ آباد

# سبق: داروغہ جی کی پانچوں گھی اور سر کڑاھی میں

## مصنف: رتن ناتھ سرشار

## صنف: ناول　ماخوذ: فسانۂ آزاد

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** رتن ناتھ سرشار 1846ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔

**اخبارات و رسائل:** تخلیق نگاری کا شوق انہیں اخبارات و رسائل کی طرف کھینچ لایا، وہ مختلف رسالوں اور اخبارات کے مدیر رہے۔

**دبدبۂ آصفی:** آپ مہاراجہ کرشن پرشاد کی دعوت پر حیدر آباد چلے گئے اور ''دبدبۂ آصفی'' کے ایڈیٹر بن گئے۔

**ادبی خدمات:** اردو ناول کی ترقی اور فروغ میں سرشار کا کردار نا قابلِ فراموش ہے۔ آپ کی تخلیقات جامِ سرشار، فسانۂ آزاد اور سیرِ کہسار نے ایسی شہرت پائی کہ بہت سے مشہور ادیب بھی ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کا ابتدائی ناول ''فسانۂ آزاد'' اخبارِ اودھ میں قسط وار شائع ہوتا رہا

**وفات:** رتن ناتھ نے 1895ء کو تقریباً 49 سال کی عمر میں وفات پائی۔

**تصانیف:** شمس الضحیٰ، اعمال نامۂ روس، کامنی، الف لیلہ، خدائی فوجدار وغیرہ

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| بوہنی | دن کا پہلا سودا | ٹیڑھی کھیر | مشکل چیز | شیرِ مادر | ماں کا دودھ |
| خدوخال | شکل و صورت | کھری تصویر | واضح تصویر | عیش کوشی | عیش و عشرت |
| بٹورنا | جمع کرنا | بھائی بند | ہم قوم | راندے جانا | دھتکارنا |
| کڑی | سخت | مُل وجن | سارا وزن | کتر بیونت | کاٹ چھانٹ |
| کورنمک | نمک حرام | چہرہ شاہی | سرکاری سِکہ | ٹکر گدا | بھکاری |
| ساجھا | شراکت | قرولی | شکاری چاقو | گیدی | بے عزت |
| مردک | حقیر آدمی | تا بہ کے باشد | کب تک ایسا ہوگا | کائیاں | چالاک |
| چوب دار | چوکیدار | لام کاف بکنا | گالیاں دینا | موکھے | بڑا روشن دان |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

ا۔ ''داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں'' ۔۔۔۔کی تصنیف ہے۔　الف۔ منشی پریم چند　**ب۔ پنڈت رتن ناتھ**

۲۔ پنڈت رتن ناتھ ۔۔۔۔۔۔میں پیدا ہوئے۔　الف۔ دہلی　**ب۔ لکھنؤ**

۳۔ اردو ۔۔۔۔۔۔۔کے فروغ میں رتن ناتھ کا بڑا کردار رہے۔　**الف۔ ناول**　ب۔ ادب

۴۔ آپ کا ابتدائی ناول ۔۔۔۔۔۔۔اخبارِ اودھ میں قسط وار شائع ہوا۔　الف۔ کامنی　**ب۔ فسانۂ آزاد**

۵۔ ناول ''فسانۂ آزاد'' ۔۔۔۔۔۔کی معاشرتی زندگی کا عکاس ہے۔　الف۔ دہلی　**ب۔ لکھنؤ**

۶۔ اس سبق میں جس حلوائی کا ذکر ہے اس کا نام ۔۔۔۔۔۔تھا۔　الف۔ دینو دین　**ب۔ شیو دین**

۷۔ خوجی نے اپنا حصہ مانگا تو داروغہ نے پوچھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔پی ہے کیا؟　**الف۔ بھنگ**　ب۔ شراب

۸۔ مثل مشہور ہے ۔۔۔۔۔۔۔سے جو مرے تو زہر کیوں دو۔　الف۔ مٹھائی　ب۔ گڑ

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۹۔ | واہ ری پھوٹی قسمت! آج صبح صبح۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو اچھی ہوئی تھی۔ | الف۔صفائی | **ب۔بونی** |
| ۱۰۔ | ہم سمجھے تھے کہ بس ہم ہی ہم ہیں، مگر یہ ہمارے بھی۔۔۔۔۔۔پیدا ہوئے۔ | **الف۔گرو** | ب۔باپ |
| ۱۱۔ | یہ باتیں تو عمر بھر ہوا کریں گی۔۔۔۔۔کی بات فرمائیے۔ | الف۔کام | **ب۔مطلب** |
| ۱۲۔ | حلوائی والے معاملے میں خوجی نے اپنا کتنا حصہ وصول کیا؟ | **الف۔پندرہ روپے** | ب۔دس روپے |
| ۱۳۔ | خوجی کا تکیہ کلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھا۔ | الف۔ساجھا | **ب۔گیدی** |
| ۱۴۔ | ہم تمام عمر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہی کی صحبت میں رہے ہیں۔ | **الف۔رئیسوں** | ب۔دوستوں |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س1۔ بزاز، داروغہ اور میاں خوجی کے درمیان ہونے والے معاملے کو اپنے الفاظ میں لکھیں۔**

**جواب۔** رتن ناتھ نے اس ناول ''داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاھی میں'' بزاز، داروغہ اور میاں خوجی کے درمیان ہونے والے ایک معاملے کا ذکر کیا ہے۔

**معاملہ:** بزاز جب نواب صاحب کے دربار میں حساب کتاب کرنے آیا تو نواب صاحب نے اپنی فطرتی لاپرواہی کی وجہ سے داروغہ کو بزاز سے حساب کتاب کرنے کو کہا۔ داروغہ بزاز کو ایک طرف لے گیا تاکہ حساب کتاب کے دوران اپنا حصہ بھی نکال سکے۔ اُدھر خوجی بھی اپنا حصہ وصول کرنے کے چکر میں ان کے پیچھے چلا گیا۔ خوجی جب ان کے پاس آیا تو داروغہ اور بزاز پہلے تو اشاروں میں باتیں کرتے رہے مگر بزاز نے جب دیکھا کہ خوجی وہاں سے جانے والا نہیں ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہاں سے چلے جاؤ، خوجی نے جانے سے انکار کیا تو دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ لڑائی کی خبر نواب صاحب کو پہنچی تو انہوں نے خوجی کو اپنے پاس بلا لیا۔ ادھر داروغہ اور بزاز دوبارہ حساب کرنے لگے۔ دو سو چھبیس روپے کے کپڑے کو دونوں نے بے ایمانی سے سات سو ترپن روپے کا بنا دیا۔ بزاز نے دو سو چھبیس روپے الگ وصول کئے اور تین سو روپے الگ وصول کئے اور باقی دو سو ستائیس روپے داروغہ نے رکھ لئے۔ یہ سارا معاملہ جو خوجی چھپ کر دیکھ رہا تھا، سامنے آ گیا اور ڈرا دھمکا کر اپنے حصے کا مطالبہ کرنے لگا۔ داروغہ اور بزاز اس کی جھوٹی خوشامدیں کرنے لگے مگر خوجی نے چالیس روپے اپنا حصہ وصول کر کے ہی جان چھوڑی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س2۔ داروغہ اور حلوائی میں کیا معاملہ طے پایا؟**

**جواب۔** مصنف رتن ناتھ نے اس ناول میں داروغہ اور حلوائی کے ایک معاملے کا بھی ذکر کیا ہے۔

**داروغہ اور حلوائی کا معاملہ:** حلوائی، جو نواب صاحب کے لئے مہینہ بھر کی مٹھائی لایا کرتا تھا۔ اس کا کُل حساب اڑتیس روپے بنتا تھا، اُسے اپنے حق حلال کی یہی رقم وصول کرنا چاہیے تھی، مگر حلوائی نواب صاحب کی لاپرواہی کی وجہ سے حساب میں ڈنڈی مارا کرتا تھا۔ تو حلوائی نے اڑتیس روپے کے بجائے ایک سو بیالیس روپے دس آنے کا حساب بنا کر داروغہ کے سامنے پیش کر دیا اور داروغہ بھی اپنا حصہ وصول کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے حلوائی سے کہا کہ تم ایک سو بیالیس کی جگہ ایک سو باون روپے کا حساب بناؤ۔ سو تمہارے اور باون ہمارے۔ دونوں اس پر راضی ہو گئے اور یہ معاملہ دونوں میں طے پا گیا۔ خوجی یہ سارا معاملہ چھپ کر سن رہا تھا۔ اس نے اپنے حصے کا مطالبہ کیا اور پندرہ روپے لے کر جان چھوڑی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3۔ اس اقتباس کی روشنی میں داروغہ کے کردار پر ایک پیراگراف لکھیں۔**

**جواب۔** رتن ناتھ نے اس ناول ''داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں'' میں داروغہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

**داروغہ کا تعارف:** داروغہ، نواب صاحب کا ملازم تھا اور سب انتظامی معاملات اسی کے سپرد تھے۔

**داروغہ کا کردار:** رتن ناتھ کے اس ناول سے داروغہ کا یہ کردار ہمارے سامنے آتا ہے کہ داروغہ ایک بے ایمان اور نمک حرام شخص ہے۔ جو نواب صاحب کی شاہ خرچی اور غفلت سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ جو نواب اس پر بھروسہ کرتا ہے، یہ اُسی کو لُوٹتا رہتا ہے اور اگر اس کی چوری پکڑی جاتی ہے تو وہ بطورِ رشوت کچھ رقم دے کر چوری پکڑنے والے کا منہ بند کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ داروغہ ایک موقع شناس انسان بھی ہے جو سودے کا حساب کتاب اپنی مرضی سے کرتا ہے اور اس میں بھی ملی بھگت سے اپنا حصہ وصول کر لیتا ہے۔ اس طرح داروغہ کے کردار میں مندرجہ ذیل برائیاں سامنے آتی ہیں۔

۱۔جھوٹ ۲۔دھوکا، بے ایمانی ۳۔نمک حرامی ۴۔حرام خوری ۵۔بددیانتی ۶۔بے وفائی

**س4۔ محاورات | جملے**

| محاورات | جملے |
|---|---|
| **پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں** | حاکمِ وقت کے قریب ہونے کی وجہ سے آج کل اس کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں ہے۔ |
| **ہوائیاں اُڑنا** | امجد چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ |
| **مینڈھے لڑانا** | گھر میں مینڈھے لڑانے سے بہتر ہے کہ آپس میں مل جُل کر رہیں۔ |
| **اندھیر نگری چوپٹ راج** | آج کل پاکستان میں اندھیر نگری چوپٹ راج ہے، ہر طرف لُوٹ مچی ہوئی ہے۔ |
| **وارے نیارے ہونا** | انعامی رقم ملنے پر احمد کے تو وارے نیارے ہوگئے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س5۔ اس عبارت کی روشنی میں بتائیں کہ اس وقت لکھنؤ کے نوابوں کے کیا رنگ ڈھنگ تھے؟**

**جواب:** رتن ناتھ کے اس ناول سے لکھنؤ کے نوابوں کے رنگ ڈھنگ کی یہ تصویر سامنے آتی ہے۔

**نوابوں کے رنگ ڈھنگ:**

اُن کے پاس دولت بہت زیادہ تھی، جسے وہ اپنی شاہ خرچیوں سے دونوں ہاتھوں سے لُٹا رہے تھے۔ یہ نواب اپنے گھر اور سلطنت کے مالی معاملات پر زیادہ توجہ نہ دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے ملازمین روپے پیسے کے حساب کتاب میں بے ایمانی کرتے تھے۔ اور لکھنؤ کے نوابوں میں مندرجہ ذیل برائیاں پائی جاتی تھیں۔ ا۔فضول خرچی ۲۔مالی معاملات سے غفلت ۳۔گھریلو معاملات میں عدم دلچسپی ۴۔لاپرواہی ۵۔عیش کوشی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س6۔ کسی پیشے یا طبقے کے لوگ تبادلہ خیال کے لئے الفاظ کو وضعی کے بجائے کچھ اور مخصوص معانی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو سلینگ کہا جاتا ہے۔ جیسے سیاسی وفاداری بدلنے والے شخص کو 'لوٹا' کہتے ہیں۔ آپ ایسے ہی کوئی سے پانچ سلینگ تلاش کر کے نئے معانی کی وضاحت کے ساتھ لکھیں۔**

**جواب۔**

| سلینگ | معانی کی وضاحت |
|---|---|
| **للّو پنجو** | حقیر، معمولی |
| **بونگا** | احمق |
| **جہاز** | پوڈر کا نشہ کرنے والا |
| **پھڈے باز** | جھگڑالو |
| **چھکڑا** | پرانی گاڑی |

☆ **درج ذیل سلینگ الفاظ کے معانی لکھیں۔**

| | |
|---|---|
| **اَڑی ڈالنا** | ضد کرنا |
| **اُگرائی** | رقم کی وصولی |
| **باقیات** | کسی بھی حکومت کے خاتمے کے بعد اس کے برے اثرات |
| **بچہ پارٹی** | چھوٹے بچوں کا ٹولہ، نئی سیاسی پارٹی |
| **بڑی مچھلی** | طاقتور اور بااثر شخص، بڑا مجرم |
| **فلائنگ کوچ** | تیز رفتار گاڑی |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س7۔ آپ کو اس ناول کا کون سا کردار اچھا لگا اور کیوں؟**

**جواب۔** ''فسانۂ آزاد'' ایک جاندار ناول ہے۔ جس کے تمام کردار ہی اپنی جگہ بہترین ہیں، لیکن ہمیں خوجی کا کردار بہت اچھا لگا ہے۔

**پسندیدگی کی وجہ:**

خوجی ایک متحرک اور جیتا جاگتا کردار ہے اور اس کردار میں زندگی دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بظاہر تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ خوجی کے کردار کی تخلیق محض ہنسنے ہنسانے کے لئے کی گئی ہے اور یہ کسی مسخرے سے کم نہیں، لیکن اصل میں خوجی کے روپ میں مصنف نے لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کا مکمل نقشہ پیش کیا ہے۔

**س8۔ اس ناول پر زبان و بیان کے حوالے سے تبصرہ کریں۔**

**جواب:** زبان و بیان کے حوالے سے اس ناول پر ہمارا تبصرہ درج ذیل ہے۔

**ہمارا تبصرہ:**

۱۔ اس ناول کے مصنف کو زبان و بیان پر مکمل مہارت حاصل ہے۔
۲۔ بہترین الفاظ کا چُناؤ کر کے درست جگہ ان کا استعمال کیا گیا ہے۔
۳۔ محاورات اور ضرب الامثال کا موقع محل کے مطابق استعمال کیا گیا ہے۔
۴۔ لکھنوی زبان کا خاص انداز اس ناول میں دیکھنے کو ملتا ہے۔
۵۔ اندازِ تحریر میں دلکشی ہے جو قاری کو بور نہیں ہونے دیتی۔
۶۔ ناول کے کرداروں کے مکالمے نہایت فطری ہیں۔

لیکن ثقیل الفاظ نے اس تحریر کو بوجھل اور مشکل بنا دیا ہے اور ناول غیر ضروری طور پر طویل بھی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ سیاق و سباق کا حوالہ دے کر عبارت کی تشریح کریں۔**

**عبارت:**

**اب سنیئے کہ جب خوجی نواب نامدار کی بزمِ عشرت بار میں بیٹھے تو داروغہ اور بزاز دونوں کو ڈھارس ہوئی کہ اب یہ بلا ٹلی اور پھر وہ سوچے کہ پٹ پٹا کر اب کس منہ سے میاں خوجی یہاں آئیں گے، لیکن خوجی ایک ہی بے حیا۔ راستے بھر یہی خیال تھا کہ وہ لوگ مطمئن ہو کر وارے نیارے کر رہے ہوں گے تو چپکے سے کسی بہانے اٹھے اور اٹھ کر کھپریل کے پچھواڑے ایک موکھے کی راہ سے سب سنا کئے۔ جب کُل کارروائی ختم ہوگئی تو فرمایا کہ (بلکہ آپ کے باپ کا) خیر۔ داروغہ اور لالہ بلدیو نے ان کو ڈھونڈ نکالا اور للو پتو کرنے لگے۔**

**حوالہ متن:** سبق: داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں مصنف: رتن ناتھ سرشار
صنف: ناول ماخوذ: فسانہ آزاد

**سیاق و سباق:**

اودھ کے نوابوں کی غفلت اور عیش پرستی کی وجہ سے ان کے ملازمین روزانہ کے اخراجات میں سے پیسے بٹور لیتے تھے۔ اس لئے نواب صاحب کا داروغہ بھی انہیں دونوں ہاتھوں سے لُوٹتا تھا، کبھی حلوائی کے اڑتیس روپے کو ایک سو باون بناتا تھا اور کبھی بزاز کے دو سو چھبیس روپوں کو سات سو تریپن بنا لیتا تھا۔ لیکن نواب صاحب کو ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ ہی اور کسی کو اس کا احساس تھا، حتیٰ کہ ناول کا ایک کردار خوجی بھی یہ سب دیکھتا اور سنتا تھا لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس برائی کو روکتا، خود بھی اس جرم میں شریک ہو گیا۔

**تشریح:**

اس عبارت میں بتایا گیا ہے کہ خوجی اور بزاز کی لڑائی ہونے کے بعد نواب صاحب نے خوجی کو اپنی محفل میں بٹھا لیا تو داروغہ اور بزاز نے سکون کا سانس لیا کہ چلو اس مصیبت سے تو جان چھوٹی اور ہم اب آسانی سے حساب کتاب میں بے ایمانی کر سکیں گے اور ویسے بھی ان کا خیال تھا کہ اتنی مار کھانے کے بعد اب خوجی کس منہ سے ادھر واپس آئے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ خوجی بڑا ڈھیٹ اور بے حیا انسان ہے۔ وہ کچھ دیر تو خاموشی سے نواب کی محفل میں بیٹھا رہا لیکن سارا وقت یہی سوچتا رہا کہ میری غیر موجودگی میں وہ دونوں مزے سے مال بنا رہے ہوں گے۔ لہٰذا وہ چپکے سے نواب کی محفل سے اٹھ آیا اور کھپریل کے پیچھے کی طرف جا کر ایک بڑے روشن دان سے داروغہ اور بزاز کی باتیں سننے لگا۔ جب اُن دونوں کی ساری کارروائی ختم ہو گئی اور بزاز نے اضافی رقم لکھتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کا۔ تو اسی دوران ان کے کانوں میں خوجی کی آواز آئی (بلکہ آپ کے باپ کا)۔ جس پر ان دونوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو ان کو معلوم ہوا کہ خوجی تو واقعی ادھر موجود ہے اور اس نے ہماری ساری باتیں سن لی ہیں تو ان دونوں نے خوجی کی منتیں اور خوشامد شروع کر دی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق : **آنگن**　　مصنفہ: **خدیجہ مستور**

صنف : **ناول**　　ماخوذ: **آنگن**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنفہ''

**ابتدائی حالات:** خدیجہ مستور 12 دسمبر 1927ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی والدہ انور جہاں بھی اچھی شاعرہ اور مضمون نویسہ تھیں۔

**ادبی خدمات:** خدیجہ نے ادبی زندگی کی ابتداء 1936ء میں افسانہ نگاری سے کی۔ لیکن آپ کو اصل شہرت آدم جی انعام یافتہ ناول ''آنگن'' سے ملی۔ اس ناول میں ایک متوسط مسلمان گھرانے کی سماجی زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ خدیجہ مستور نے اپنی کہانیوں میں زیادہ تر عورتوں کے مسائل کو پیش کیا ہے۔

**وفات:** خدیجہ مستور تقریباً 55 سال کی عمر میں 1982ء کو فوت ہوئیں۔

**تصانیف:** آنگن، زمین، بوچھاڑ، تھکے ہارے، چند روز اور، ٹھنڈا میٹھا پانی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| آنگن | صحن | کٹر | سخت | عظمتِ رفتہ | ماضی کی شان |
| بے نقط سنانا | برا بھلا کہنا | منڈیر | دیوار کے اوپر کا حصہ | ممنونیت | احسان مندی |
| کھپت | گنجائش | ٹھاٹ | شان و شوکت | ڈھیلے | مٹی کے ٹکڑے |
| چبوترا | اونچی جگہ | دھڑ | جسم، وجود | سوانگ رچانا | فریب کرنا |
| بجیا | باجی کا اسم تصغیر | بے ہنگم | غیر موزوں | مبہم | غیر واضح |
| چھکے چھوٹنا | گھبرا جانا | مشعل | چراغ، دِیا | سناٹا | خاموشی |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ ناول ''آنگن'' ۔۔۔۔۔۔۔ کی تصنیف ہے۔　الف۔ ہاجرہ مسرور　**ب۔ خدیجہ مستور**

۲۔ خدیجہ مستور نے ادبی زندگی کا آغاز ۔۔۔۔۔۔۔ سے کیا۔　الف۔ شاعری　**ب۔ افسانہ نگاری**

۳۔ ''آنگن'' میں ایک متوسط مسلمان خاندان کی ۔۔۔۔ زندگی کو موضوع بنایا ہے۔　**الف۔ سماجی**　ب۔ مذہبی

۴۔ ناول ''آنگن'' کو ۔۔۔۔۔۔۔ ایوارڈ ملا۔　الف۔ آسکر　**ب۔ آدم جی**

۵۔ ناول ''آنگن'' کے مرکزی کردار کا نام ۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔　**الف۔ عالیہ**　ب۔ چھمی

۶۔ بڑے چچا کو دیکھ کر چھمی کو کس کا خیال ستانے لگتا تھا؟　الف۔ قبر کا　**ب۔ پاکستان کا**

۷۔ مسلم لیگیوں کی کھپت تو ۔۔۔۔۔۔۔ کے دفتر ہی میں ہوتی ہے۔　**الف۔ انگریز بہادر**　ب۔ کمشنر

۸۔ سرکاری دفتروں میں ۔۔۔۔۔۔ لوگوں کا گزارا مشکل ہی سے ہوتا ہے۔　الف۔ آزاد　**ب۔ سیاسی**

۹۔ نجمہ پھوپھی کے ۔۔۔۔۔۔۔ چھت سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔　الف۔ بچے　**ب۔ خراٹے**

۱۰۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کانگرسی سفارش کرتے ہیں تو پھر ۔۔۔۔ مل جاتی ہے۔　**الف۔ نوکری**　ب۔ آزادی

۱۱۔ آج ہی مسلم لیگ کا ۔۔۔۔۔۔۔ نہ نکالا ہو تو میرا نام بھی چھمی نہیں۔　الف۔ اخبار　**ب۔ جلوس**

۱۲۔ اس ناول میں بڑے چچا ۔۔۔۔۔۔۔ سوچ کے مالک تھے۔　الف۔ مسلم لیگی　**ب۔ کانگریسی**

۱۳۔ بڑے چچا کے ہونٹوں پر ایک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔سی مسکراہٹ پھیل گئی۔　**الف۔مبہم**　ب۔خفیف

۱۴۔ طاہرہ کی اماں نے ایک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔مٹی کا تیل دیا تھا۔　الف۔گیلن　**ب۔بوتل**

۱۵۔ ہائے بجیا! میں نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیسی اچھی بنائی ہیں۔ ہیں نا؟　**الف۔مشعلیں**　ب۔تصویریں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**الف۔ عالیہ کس کے جہیز کے کپڑے سی رہی تھی؟**

**جواب۔** مصنفہ خدیجہ مستور نے اپنے ناول ''آنگن'' میں عالیہ کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔

**جہیز کے کپڑے:**

مصنفہ کے مطابق عالیہ اپنی چچازاد بہن چھمّی کے جہیز کے کپڑے سی رہی تھی۔ چونکہ چھمّی کی شادی قریب تھی اور عالیہ بھی امتحانات کے بعد ان دنوں فارغ تھی۔ اس لئے بڑی چچی نے چھمّی کے جہیز کے پانچ جوڑے کپڑے سلائی کے لئے اُس کے سپرد کر دیئے تھے۔ دوپہر میں جب سناٹا چھا جاتا تو عالیہ مشین پر کپڑے سینے بیٹھ جاتی تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ب۔ بڑے چچا کو دیکھ کر چھمّی کو کیا خیال ستانے لگتا؟**

**جواب۔** خدیجہ مستور نے اپنے ناول ''آنگن'' میں بڑے چچا اور چھمّی کا بھی ذکر کیا ہے۔

**بڑے چچا کا تعارف:**

مصنفہ کے مطابق بڑے چچا جمیل بھیا کے والد ہیں اور کانگریسی سوچ کے مالک ہیں۔

**چھمّی کا خیال:**

بڑے چچا چونکہ اپنی کانگریسی سوچ کی وجہ سے پاکستان بننے کے سخت مخالف تھے۔ جبکہ چھمّی مسلم لیگی ہونے کی وجہ سے قیامِ پاکستان کی خواہش مند تھی۔ اس لئے بڑے چچا کو دیکھتے ہی چھمّی کو پاکستان کا خیال ستانے لگتا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ج۔ بڑے چچا اور جمیل کے درمیان اختلاف کی کیا وجہ تھی؟**

**جواب۔** خدیجہ مستور نے اپنے ناول ''آنگن'' میں بڑے چچا اور جمیل کے درمیان ایک اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے۔

**اختلاف کی وجہ:**

مصنفہ کے مطابق بڑے چچا اور جمیل کے درمیان اختلاف کی وجہ نظریات کا فرق تھا۔ بڑے چچا پکے کانگریسی تھے اور متحدہ ہندوستان کے حامی تھے۔ جبکہ جمیل مسلم لیگی سوچ کا مالک تھا اور آزاد اسلامی ریاست پاکستان کے قیام کا خواہش مند تھا اور یہی نظریات کا فرق ان دونوں کے درمیان اختلاف کی وجہ تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**د۔ کانگریسی جلوس دیکھ کر چھمّی نے کیا ردِعمل ظاہر کیا؟**

**جواب۔** خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کے مطابق ایک دن گلی میں سے کانگریسی بچوں کا جلوس گزرا۔ اس جلوس میں شامل بچے بڑے جوش و خروش سے کانگریس اور گاندھی کے حق میں نعرے بلند کر رہے تھے۔

**چھمّی کا ردِعمل:**

کانگریسی جلوس دیکھ کر چھمّی کا غصے سے برا حال ہو گیا اور وہ دیوانوں کی طرح پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل پڑی کہ اگر جلوس میرے دروازے کے پاس سے گزرا تو میں اُس پر پتھراؤ کروں گی۔ اور پھر ردِعمل کے طور پر چھمّی نے بھی شام کو محلّے کے بچوں کا جلوس تیار کروایا اور مسلم لیگ، قائداعظم کے حق میں خوب نعرے لگوائے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

ہ۔ کیا چھمّی واقعی مسلم لیگی تھی؟

**جواب:** خدیجہ مستور نے اپنے ناول ''آنگن'' میں چھمّی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کی ماں فوت ہو چکی ہے اور باپ دوسری شادی کر کے چھمّی کو بڑے بھائی کے گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

**چھمّی اور مسلم لیگ:**

خدیجہ مستور کے طویل ناول ''آنگن'' کے شاملِ نصاب حصّے کو پڑھ کر لگتا ہے کہ چھمّی نظریاتی طور پر مسلم لیگی نہیں تھی۔ صرف جمیل بھیا سے جذباتی وابستگی کی بناء پر اور بڑے چچا کو چڑانے کے لئے وہ مسلم لیگی بنی ہوئی تھی۔ لیکن اگر اس ناول کو مکمل طور پر پڑھا جائے تو چھمّی پکی مسلم لیگی لگتی ہے۔ کیونکہ ناول کے آخر میں مصنفہ نے بتایا ہے کہ جب پاکستان بن جاتا ہے اور عالیہ اور اس کی والدہ پاکستان جانے لگتی ہیں تو چھمّی ان سے درخواست کرتی ہے کہ پاکستان پہنچ کر میری طرف سے پاکستان کی مٹی کو چومنا اور اگر ہو سکے تو اُس پاک سرزمین کی کچھ مٹی میرے لئے بھیج دینا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

و۔ بڑے چچا کو چبوترے پر لیٹا دیکھ کر عالیہ کے دل میں کیا خواہش پیدا ہوئی؟

**جواب۔** خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کے مطابق بڑے چچا اور جمیل بھیّا کی آپس میں بالکل نہ بنتی تھی۔ آج بھی یہ دونوں گھر میں ایک دوسرے سے ناراض بیٹھے ہوئے تھے۔ تو عالیہ نے کسی ناخوشگوار واقعے سے بچنے کے لئے بڑے چچا کو باہر چبوترے پر پلنگ بچھا دیا تھا۔

**عالیہ کی خواہش:** عالیہ نے پلنگ چبوترے پر بچھا دیا تو بڑے چچا صاف سُتھرے بستر پر پاؤں پھیلا کر بڑے سکون سے لیٹ گئے۔ اس وقت عالیہ کا دل چاہا کہ کاش وہ بھی باہر چبوترے پر ان کے پاس کُھلی ہوا میں جا کر بیٹھ جائے اور گھر کے گھٹن زدہ ماحول سے نکل کر آزاد فضاؤں میں سانس لے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

2۔ چھمّی کے کردار پر چند سطریں لکھیں۔

**جواب:** خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' پڑھ کر چھمّی کے کردار کی یہ تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔

**چھمّی کا کردار:** چھمّی ایک لااُبالی اور ناسمجھ لڑکی ہے، جو سارے گھر میں اودھم مچائے پھرتی ہے۔ ماں باپ کے سر پر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی طبیعت میں ضد اور سرکشی آ گئی ہے۔ اور مناسب تربیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ جلاپے اور چڑچڑے پن کا بھی شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر میں تقریباً ہر بندے کے ساتھ اس کی نوک جھونک لگی رہتی ہے اور وہ خود بھی دوسروں کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

3۔

| محاورات | جملے |
|---|---|
| بے نقط سنانا | جب نادیہ پر لگایا گیا الزام غلط ثابت ہوا تو اس نے ساس کو وہ بے نقط سنائیں کہ خدا کی پناہ |
| تجسس | اسلام میں تجسس اور دوسروں کی ٹوہ میں رہنا منع ہے۔ |
| کوفت ہونا | بلا وجہ کی کوفت سے بچنے کیلئے سارے معاملات پہلے ہی سے طے کر لینے چاہئیں۔ |
| بے ہنگم | ٹریفک کا بے ہنگم شور بھی ڈپریشن کی ایک وجہ ہے۔ |
| سوانگ رچانا | جعلی فقیر بھیک حاصل کرنے کے لئے نت نئے سوانگ رچاتے رہتے ہیں۔ |
| مبہم | مبہم بات نہ کرو، صاف لفظوں میں اپنا مدّعا بیان کرو۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

4۔ درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔

**الف۔ ''باپ بیٹے دونوں اپنے اپنے طنز کی آگ میں جل کر خود بخود بجھ گئے اور دونوں نے اس طرح منہ پھیر لیا جیسے ایک دوسرے کو بات کرنے کے لائق نہ سمجھ رہے ہوں''۔**

**وضاحت:**

یہ جملہ جمیل اور اس کے والد سے متعلق ہے۔ وہ دونوں سیاسی طور پر ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ اور سیاسی مخالفت کی وجہ سے ایک دوسرے پر طنز کے تیر چلاتے رہتے تھے۔ اور جب کوئی نتیجہ نہ نکلتا تو تھک ہار کر ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے تھے گویا دوسرا اس قابل ہی نہیں کہ اس سے کوئی بات کی جا سکے۔

ب۔ ''پہلے آزادی تو مل جائے، پھر سب ہوتا رہے گا اور پھر یہ ہندوستانی لوگ پہلے حکومت کرنا تو سیکھ لیں''۔

وضاحت:

جب گلی میں کانگرسی بچوں کا جلوس کانگرس کے حق میں نعرے لگانے لگا تو بڑے چچا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور جمیل بھیا بھی طنزیہ طور پر مسکرانے لگے۔تو اماں اس ڈر سے بول پڑیں کہ کہیں باپ بیٹا دوبارہ لڑ نہ پڑیں کہ بے کار میں ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے کا کیا فائدہ؟ پہلے انگریزوں سے آزادی حاصل کر لو اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ ہندوستان کی تقسیم کرنی ہے یا متحدہ ہندوستان ہی رہے۔اور پہلے ہم ہندوستانی لوگ حکومت کرنے کے طور طریقے بھی تو سیکھ لیں کہ بہترین حکومت کیسے کی جاتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

ج۔ خوشیوں کا کوئی پیمانہ اس وقت چھمّی کی مسرت کو ناپ نہیں سکتا تھا۔

وضاحت:

کانگرسی بچوں کے جلوس پر بڑے چچا نے خوشی کا اظہار کیا تو چھمّی نے ان کو جلانے کے لئے مسلم لیگی بچوں کا جلوس نکالنے کا منصوبہ بنایا اور عورتوں اور بچوں کا جلوس تیار کیا اور گھر کی کھڑکی سے بے تابانہ جلوس کا انتظار کرنے لگی۔اس وقت چھمّی خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی اور اس کی خوشی اندازے سے باہر تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س5۔ ماحول اور حالات انسانی رویّوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے چھمّی کے کردار پر بحث کریں۔

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ماحول اور حالات انسانی رویوں پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

چھمّی کا کردار:

چھمّی کے ماحول اور حالات نے اس کو نفسیاتی طور پر بری طرح متاثر کیا تھا۔وہ کبھی تو بڑے بڑے معاملات کو نظر انداز کر دیتی تھی اور کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر شدید ردِعمل ظاہر کرتی تھی۔جس کی وجہ اس کی نفسیاتی کیفیت تھی۔چھمّی کے حالات کی وجہ سے اس کے مزاج میں ضد اور سرکشی آ گئی تھی۔وہ دوسروں کو جلا کر اور ستا کر خوش رہتی تھی اور دوسروں کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تلخیص''

''تلخیص کسی چیز کے نچوڑ یا خلاصہ کو کہا جاتا ہے''۔

کسی مضمون یا عبارت کے اہم نکات اخذ کر کے اس مضمون کا خلاصہ لکھنا تلخیص نگاری کہلاتا ہے۔تلخیص کے ذریعے اصل مضمون کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور غیر ضروری تفصیل کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔تلخیص کسی بھی عبارت یا مضمون کا ایک تہائی ہوتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س6۔ درج ذیل عبارت کی تلخیص کریں، جو اصل عبارت کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

جواب۔ اصل عبارت کتاب میں ملاحظہ کریں۔

تلخیص کے بعد عبارت:

موجودہ دَور کے بے شمار بڑے بڑے مسائل ہیں لیکن ان میں دو اہم مسئلے سائنسدانوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ایک تو یہ کہ زمین کے علاوہ دوسری دنیائیں تلاش کی جائیں تا کہ بوقتِ ضرورت انسان اسے اپنا مسکن بنائے۔اور دوسرا مسئلہ داخلی نوعیت کا ہے۔وہ یہ کہ زمین پر انسانوں کے لئے مزید آسانی پیدا کرنا اور دنیا سے افلاس، جہالت وغیرہ کا خاتمہ کرنا۔حقیقت یہ ہے کہ پہلے مسئلے کا حل آسان ہے لیکن دوسرا مسئلہ مشکل اور دشوار ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق: **خوبصورت بلا**　مصنف: **آغا حشر کاشمیری**

صنف: **ڈرامہ**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** آغا حشر 1879ء کو بنارس میں پیدا ہوئے۔آپ ایک مشہور و معروف کشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

**تعلیم:** ابتدائی تعلیم حافظ عبدالصمد کے مدرسے سے حاصل کرنے کے بعد جے نارائن سکول میں داخل ہوئے اور وہیں سے شاعری کا بھی آغاز کیا۔

**ڈرامہ نگاری:** آغا حشر بنیادی طور پر شاعر تھے۔لیکن زمانہ طالب علمی میں احسن لکھنوی کے ایک ڈرامے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ڈرامہ نگاری کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔آپ نے سکول کے زمانے میں ''آفتابِ محبت'' نامی ڈرامہ لکھا اور آپ کے پہلے مقبول ڈرامے کا نام ''مریدِ شک'' تھا۔

**فنی مہارتیں:** آغا حشر کو زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔وہ شاعرانہ تخیّل کو سیدھے سادے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔آپ کی بدیہہ گوئی بھی بہت مشہور تھی۔ اس کے علاوہ آپ میں مکالمہ نگاری کی استعداد بھی بہت تھی۔آپ کے مکالموں میں مبالغے کا انداز نمایاں ہوتا تھا۔

**وفات:** آغا حشر نے 1935ء کو تقریباً 56 برس کی عمر میں وفات پائی۔

**تصانیف:** رستم و سہراب، صیدِ ہوس، یہودی کی لڑکی، خوابِ ہستی، اسیرِ حرص، نیک پروین وغیرہ۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| دست بستہ | ہاتھ باندھے ہوئے | ہمدم | ساتھی، دوست | قیل وقال | بحث وتکرار |
| سپہر | آسمان | مگس راں | مکھیاں اڑانے والا | بخت یاور | قسمت مددگار |
| قلزم | گہرا سمندر | چرخ | آسمان | طینت | فطرت، عادت |
| عصمت | پاکیزگی | سحاب | بادل | ہیچ | بے حیثیت |
| اژدر | بڑا سانپ | سرکش | نافرمان، باغی | چھتری | چھتر |
| تبر | کلہاڑا | پابہ زنجیر | پاؤں میں بیڑی | بلائے ناگہانی | اچانک آنے والی مصیبت |
| چاکر | نوکر | وقار | عزت | | |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ ''خوبصورت بلا'' نثری ادب کی کون سی صنف ہے؟　**الف۔ڈرامہ**　ب۔ناول

۲۔ ''خوبصورت بلا'' کس کی تخلیق ہے؟　الف۔ابن انشا　**ب۔آغا حشر**

۳۔ آغا حشر نے سکول کے زمانہ میں ڈرامہ۔۔۔۔۔۔۔لکھا۔　**الف۔آفتابِ محبت**　ب۔روشن آفتاب

۴۔ آغا حشر کا پہلا مشہور ڈرامہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔　الف۔مریدِ عشق　**ب۔مریدِ شک**

۵۔ آغا حشر بنیادی طور پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھے۔　**الف۔شاعر**　ب۔ڈرامہ نگار

۶۔ آغا حشر کی۔۔۔۔۔۔۔۔بہت مشہور ہے۔　**الف۔بدیہہ گوئی**　ب۔ذہانت

۷۔ ملکہ شمسہ نے سازش کر کے اپنے۔۔۔۔۔۔کو قتل کیا۔　الف۔بھتیجے　**ب۔بھائی**

۸۔ قتلو خان اور طغرل بیگ۔۔۔۔۔۔کے وفادار تھے۔　**الف۔شمسہ**　ب۔توفیق

۹۔ ملکہ شمسہ کے بھتیجے کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔تھا۔　**الف۔سہیل**　ب۔برجس

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۰۔ | اس کی۔۔۔۔۔۔۔تجھے گود لینے کے لئے محبت کے بازو پھیلائے ہے۔ | **الف۔رحمت** | ب۔برکت |
| ۱۱۔ | بدی:اری! دنیا۔۔۔۔۔۔۔۔کا بازار ہے۔ | الف۔دیوانوں | **ب۔عاشقوں** |
| ۱۲۔ | تم دونوں شیطان سے زیادہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے دشمن ہو۔ | الف۔نیکی | **ب۔ایمان** |
| ۱۳۔ | ۔۔۔۔۔۔۔کی پُتلی! تجھے عورت کون کہتا ہے۔ | **الف۔ذلت** | ب۔خاک |
| ۱۴۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔کی قسمت میرے داہنے ہاتھ میں ہے۔ | الف۔نیکی | **ب۔دنیا** |
| ۱۵۔ | بس بس یہ وعظ۔۔۔۔۔۔۔۔کے لئے رکھ چھوڑ۔ | **الف۔پاگلوں** | ب۔نمازیوں |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**1۔ ڈرامے کی تعریف کریں اور آغا حشر کاشمیری کے چند دیگر ڈراموں کے نام لکھیں۔**

**جواب۔** **ڈرامہ کی تعریف:**

ڈرامہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔جس کا معنی ہے'' کچھ کر کے دکھانا''

۱۔ ڈرامہ ایک قسم کی نقالی ہے جو حرکت اور مکالمے کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔

۲۔ ڈرامہ وہ کہانی ہے جسے مختلف کردار عملی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

**ڈرامہ کے اجزاء:**

۱۔پلاٹ　۲۔کردار　۳۔حرکت　۴۔مکالمہ　۵۔زمان ومکان

**آغا حشر کے چند مشہور ڈرامے:**

ترکی حور، یہودی کی لڑکی، سفید خون، آنکھ کا نشہ، رستم وسہراب، نیک پروین، پاک دامن

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**2۔ بدی نے اپنی تعریف میں جو کچھ کہا، اسے اپنے الفاظ میں بیان کریں۔**

**جواب۔** آغا حشر کے ڈرامے ''خوبصورت بلا'' کے مطابق بدی نے اپنی تعریف کچھ یوں کی۔

**بدی کی تعریف:**

بدی نے اپنی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس دنیا کی خوشی صرف میں ہوں۔دنیا کی قسمت میرے دائیں ہاتھ میں ہے اور اس کی چابی میرے بائیں ہاتھ میں ہے۔جو میری طرف آ کر میرا دروازہ بجاتا ہے تو میری سخاوت کے بادل اس پر موتی برساتے ہیں اور اس کے دامن کو مالا مال کر دیتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**3۔ شمسہ نے توفیق سے کیا مطالبہ کیا؟**

**جواب۔** آغا حشر نے ڈرامہ ''خوبصورت بلا'' میں شمسہ اور توفیق کا بھی ذکر کیا ہے۔

**شمسہ کا تعارف:**

شمسہ بادشاہ برجس کی بہن ہے۔جس نے سازش کر کے اپنے بھائی کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔

**توفیق کا تعارف:**

توفیق مقتول بادشاہ برجس کا وفادار ملازم ہے، جو اپنی جان پر کھیل کر شہزادہ سہیل کو ملکہ شمسہ سے بچانا چاہتا ہے۔

**ملکہ شمسہ کا مطالبہ:**

آغا حشر کے مطابق شہزادہ سہیل چونکہ توفیق کی حفاظتی تحویل میں تھا اس لئے ملکہ شمسہ نے توفیق سے یہ مطالبہ کیا کہ شہزادہ سہیل کو میرے حوالے کر دو اور میری تابعداری اختیار کرو، ورنہ خوفناک انجام کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**4۔ مقفیٰ نثر کسے کہتے ہیں؟ اس سبق میں سے مقفیٰ نثر کی پانچ مثالیں لکھیں۔**

**جواب:** سادہ نثر اُس کلام کو کہتے ہیں، جس میں وزن اور قافیہ کا التزام نہیں کیا جاتا۔

**مقفیٰ نثر کی تعریف:**

مقفیٰ نثر ایسی نثر کو کہتے ہیں جس کے فقروں میں اشعار کی طرح وزن تو نہیں ہوتا لیکن جملوں میں قافیہ بندی کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔

**سبق سے مثالیں:**

۱۔ او نمک حرام! ہمارے سامنے یہ گستاخانہ کلام۔

۲۔ نیکی! لڑائی چھوڑ، بدی! بڑائی چھوڑ۔

۳۔ دنیا عاشقوں کا بازار ہے، اس میں کوئی تیرا خریدار ہے۔

۴۔ بس کر قیل وقال، اب دیکھ میرے عاشقوں کا حال۔

۵۔ تیرا ہر لفظ عداوت سے بھرا ہے، دنیا کا چمن بس میری ہی کوشش سے ہرا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**5۔ توفیق نے عورت کی تعریف کن جملوں میں کی ہے؟**

**جواب۔** آغا حشر کے ڈرامے ''خوبصورت بلا'' کے مطابق توفیق نے عورت کی تعریف ان الفاظ میں کی۔

**عورت کی تعریف:**

توفیق نے عورت کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ عورت وہ ہوتی ہے جس کا دل رحم، سچائی اور باوفائی کے جذبات سے معمور ہو۔ عورت تو شرم وحیا کا پیکر ہوتی ہے۔ عورت تو فرشتوں جیسی پاکیزہ عادات کی مالک اور حوروں کی طرح معصوم اور پاک دامن ہوتی ہے۔ یعنی جس عورت کے اندر مذکورہ صفات نہ ہوں، وہ عورت نہیں ہے بلکہ عورت کے نام پر بدنما داغ ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**6۔ توفیق کے کردار کے بارے میں چند سطریں لکھیں۔**

**جواب۔** آغا حشر کے ڈرامے ''خوبصورت بلا'' کے مطالعے سے توفیق کے کردار کی یہ تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔

**توفیق کا کردار:**

اس ڈرامے میں توفیق نیکی کا نمائندہ کردار ہے۔ جو حق اور انصاف کی خاطر سر تو کٹا سکتا ہے مگر بدی کے پیروکاروں کے آگے سر جُھکا دینا، اس کی فطرت اور غیرت کے خلاف ہے۔ اسی لئے وہ مقتول بادشاہ بر جس سے نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی جان پر کھیل کر شہزادہ سہیل کی حفاظت کرتا ہے۔ ملکہ شمسہ کی قید میں ہونے کے باوجود توفیق کے حوصلے پست نہیں ہوتے۔ وہ نہ صرف شمسہ کے مظالم سہتا ہے بلکہ بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ اُسے شیطانی کاموں سے روک کر نیکی کی طرف بھی بلاتا ہے اور آخر تک توفیق کے عزم واستقلال میں کوئی فرق نہیں آتا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**7۔ ''شیر لوہے کے جال میں ہے''۔ یہاں شیر بہادر آدمی کے لئے استعارہ ہے۔ استعارے کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔**

**جواب۔** **استعارے کی تعریف:**

علم بیان کے مطابق جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق پایا جائے تو یہ استعارہ کہلاتا ہے۔

**جیسے**　ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا　　　شہر میں ایک چراغ تھا، نہ رہا

یہاں ''چراغ''، استعارہ ہے کسی عالم فاضل انسان کے لئے۔

**نوٹ:** استعارہ کی مزید تفصیل ''حصہ گرائمر'' میں ملاحظہ کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**8۔ اپنے معاشرے اور ماحول کے حوالے سے قتلو کے کردار کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔**

**جواب۔** قتلو کا کردار ڈرامہ ''خوبصورت بلا'' کا ایک منفی کردار ہے۔

**تنقیدی جائزہ:**

اس ڈرامے میں قتلو خان ملکہ شمسہ کا وفادار نوکر ہے لیکن اس کی یہ وفاداری محض ذاتی مفادات کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ملکہ کی نظروں میں اپنا مقام اونچا کرنے کے لئے ہر غلط اقدام میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

قتلو خان جیسے موقع پرست لوگ ہر زمانے اور ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ جو ہمیشہ چڑھتے سورج کو سلام کرتے ہیں اور حاکمِ وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جھوٹ کو سچ اور غلط کو درست کہنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ یہ پرلے درجے کے منافق لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مکاری سے ترقی کی منزل تک تو پہنچ جاتے ہیں مگر ایمان کی کوئی رمق اور خوفِ خدا کا کوئی ذرہ ان میں باقی نہیں رہتا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س9۔ جب کسی جملے میں دو افعال اکٹھے استعمال ہوں تو اُن میں ہر دوسرا فعل امدادی فعل کہلاتا ہے۔ امدادی فعل کے استعمال سے جملہ مئوثر اور واضح ہو جاتا ہے۔ آپ کوئی سے پانچ جملے لکھ کر اُن میں امدادی فعل کی نشاندہی کریں۔**

**جواب۔**
۱۔ امجد راستے میں ٹھوکر لگنے سے گر پڑا۔
۲۔ پولیس کو دیکھتے ہی ڈاکو بھاگ نکلا۔
۳۔ خالد نے شربت پی لی۔
۴۔ امی نے روٹی پکا دی۔
۵۔ ابو نے مکان بیچ ڈالا۔

**امدادی فعل:**

**۱۔ پڑا ۲۔ نکلا ۳۔ لی ۴۔ دی ۵۔ ڈالا**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ سیاق وسباق کے حوالے سے عبارت کی وضاحت کریں۔**

**عبارت:**

دنیا میں سچی اور سیدھی راہ فقط نیکی ہے۔ جو قبر کے دروازے سے نکال کر قیامت کے میدان سے ہوتی ہوئی بہشت کے دربار میں پہنچاتی ہے۔ باقی ہر ایک راہ ٹھوکر کھلاتی ہے، کانٹوں میں پھنساتی ہے اور آخر کار جہنم کے اندھیرے غار میں گراتی ہے۔

**جواب۔ حوالہ متن:**

سبق کا نام: خوبصورت بلا — صنف: ڈرامہ

مصنف کا نام: آغا حشر کاشمیری

**سیاق وسباق:**

اس ڈرامے میں آغا حشر نے بڑے دلکش انداز میں نیکی اور بدی کا تصادم دکھایا ہے۔ نیکی اور بدی مکالماتی انداز میں ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر فوقیت جتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈرامے کے مطابق شمسہ نے اپنے بھائی بر جس کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا ہے اور اب اپنے بھتیجے شہزادہ سہیل کو بھی قتل کر کے اپنی حکومت کو مضبوطی بخشنا چاہتی ہے۔ جبکہ توفیق جو بادشاہ بر جس کا وفادار ملازم ہے، وہ ملکہ شمسہ کے ارادوں میں رکاوٹ بنا ہوا ہے اور اپنی جان پر کھیل کر سہیل کی حفاظت کر رہا ہے۔ ملکہ شمسہ توفیق کو قید کر کے اپنے دربار میں بلاتی ہے اور شہزادہ سہیل کی حوالگی کا مطالبہ کرتی ہے۔

**تشریح:**

یہ عبارت سبق کے اس مقام سے لی گئی ہے جب ملکہ شمسہ توفیق کو بلوا کر کہتی ہے کہ کیوں اپنی عزت و مرتبے کو خراب کر رہے ہو، اب بھی وقت ہے کہ تم گمراہی چھوڑ کر سیدھی راہ پر آجاؤ۔ ملکہ شمسہ کی یہ بات سن کر توفیق اسے جواب میں کہتا ہے کہ تم مجھے جس راستے پر لانا چاہتی ہو، وہ سیدھا راستہ نہیں ہے۔ اور اس دنیا میں اگر کوئی سیدھا اور صاف راستہ ہے تو وہ صرف اور صرف نیکی کا راستہ ہے۔ نیکی کے راستے پر چلنے والے دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو رہتے ہیں۔ اور یہ صرف نیکی ہی ہے جو انسان کو مرنے کے بعد آخرت کے مراحل یعنی قبر، حشر سے باآسانی گزار کر سیدھا جنت کے محل میں جا پہنچاتی ہے۔ اور نیکی کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی راستے ہیں، وہ درحقیقت ٹھوکروں سے بھرے ہوئے خاردار راستے ہیں اور انسان ان خاردار راستوں میں الجھ کر دوزخ کے تاریک غار میں جا گرتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق: **تعلیمِ بالغاں**　مصنف: **خواجہ معین الدین**

صنف: **ڈرامہ**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** خواجہ معین الدین 1924ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم:** ابتدائی تعلیم حیدر آباد دکن سے حاصل کی اور سندھ یونیورسٹی سے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔

**عملی زندگی:** آپ نے درس وتدریس کا پیشہ اختیار کیا اور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بچوں کے لئے ایک تعلیمی ادارہ بھی قائم کیا۔

**ڈرامہ نگاری:** سکول کے قیام کے لئے چندہ مہم کے سلسلے میں آپ نے ایک ڈرامہ ''زوالِ حیدر آباد'' سٹیج کیا اور اس کی ساری آمدنی سکول کے لئے وقف کر دی۔ یہیں سے خواجہ معین الدین اور اردو ڈرامہ لازم وملزوم ہو گئے۔ آپ کے ڈراموں میں سماجی طنز، تہذیبی روایات اور تبدیل ہوتی اقدار کی جھلک نمایاں ہے۔

**وفات:** خواجہ معین الدین 1971ء کو تقریباً 47 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

**تصانیف:** لال قلعے سے لالو کھیت تک، مرزا غالب بندر روڈ پر، تعلیمِ بالغاں وغیرہ۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| شکستہ | پرانا، ٹوٹا ہوا | کندہ | موٹی لکڑی کا ٹکڑا | خوردو کلاں | چھوٹے بڑے |
| جھگی | جھونپڑی | جُملہ | تمام | گرانٹ | حکومتی امداد |
| صدری | واسکٹ | پچی | چھڑی، شاخ | مخرج | نکلنے کی جگہ |
| ناہنجار | نالائق، بدبخت | پیہم | مسلسل | وکٹوریہ | گھوڑا گاڑی |
| خلیفہ | حجام، قائم مقام، مانیٹر | پینڈا | نیچے کا حصہ | بیڑی | دیسی سگریٹ |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | خواجہ معین الدین کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ | الف۔کراچی 1920ء | **ب۔حیدر آباد 1924ء** |
| ۲۔ | ڈرامہ ''تعلیمِ بالغاں'' کس کی تصنیف ہے؟ | **الف۔خواجہ معین الدین** | ب۔خواجہ معین قریشی |
| ۳۔ | ڈرامہ ''تعلیمِ بالغاں''۔۔۔۔۔۔۔۔ڈرامہ ہے۔ | الف۔رومانی | **ب۔طنزیہ ومزاحیہ** |
| ۴۔ | ثابت گھڑے پر چاک سے۔۔۔۔لکھا تھا۔ | الف۔تنظیم | **ب۔یقینِ محکم** |
| ۵۔ | تیسرا گھڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے اور ایک ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پر۔۔۔لکھا تھا | **الف۔اتحاد** | ب۔ایمان |
| ۶۔ | بابا! اگر وزیر بننا ہے تو کم سے کم۔۔۔۔۔۔۔کرنا سیکھ لو۔ | الف۔تقریر | **ب۔دستخط** |
| ۷۔ | مولوی صاحب نے وکٹوریہ والے سے کتنے پیسے ادھار لئے تھے؟ | الف۔دس روپے | **ب۔بیس روپے** |
| ۸۔ | مدرسے کے طالب علموں نے آپس میں لڑ جھگڑ کر۔۔۔کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ | **الف۔اتحاد** | ب۔شیشے |
| ۹۔ | جملہ کاٹ ڈالنے کے بجائے حجام نے کیا کاٹ ڈالا؟ | الف۔کرتہ | **ب۔ازار بند** |
| ۱۰۔ | ہائیں! مدرسے میں بیٹھ کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔پی رہا ہے۔ | الف۔سگریٹ | **ب۔بیڑی** |
| ۱۱۔ | افسر رشوت لیتے ہیں، لیڈر قوم کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔دیتے ہیں۔ | **الف۔دھوکا** | ب۔فنڈ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۲۔ | مدرسے کو شاگردوں کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہو گیا ہے۔ | الف۔ قحط | **ب۔ قرضہ** |
| ۱۳۔ | کوئی چھرا دکھا رہا ہے کوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دکھا رہا ہے۔ | **الف۔ قچی** | ب۔ پستول |
| ۱۴۔ | چپڑاسی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے ماچس مانگتے ہیں۔ | الف۔ دوستوں | **ب۔ افسروں** |
| ۱۵۔ | دیکھ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں، تم بھی رکھ دو۔ | **الف۔ خلیفہ** | ب۔ قصائی |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**الف۔ مولوی صاحب قرض واپس کیوں نہ کر سکے؟**

**جواب۔** خواجہ معین الدین نے اپنے ڈرامے ''تعلیمِ بالغاں'' میں مولوی صاحب کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔

**مولوی صاحب کا تعارف:** مولوی صاحب سے مراد مدرسہ تعلیمِ بالغاں کے صدر مدرس ہیں۔ جن کا نام محبت علی ہے۔

**قرض واپس نہ کرنے کی وجہ:** مولوی صاحب ایک غریب آدمی تھے۔ انہوں نے وکٹوریہ والے سے قرضہ لیا ہوا تھا۔ لیکن گزشتہ چھ ماہ سے مولوی صاحب کو تنخواہ نہ ملی تھی اور حکومت نے مدرسہ کی گرانٹ بھی آدھی کر دی تھی، جس کی وجہ سے مولوی صاحب کے حالات خراب ہو گئے اور وہ قرض واپس نہ کر سکے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ب۔ مولوی صاحب نے اتحاد کے ٹکڑے ہونے کی کیا وجوہات بتائیں؟**

**جواب۔** خواجہ معین الدین کے ڈرامے ''تعلیمِ بالغاں'' کے مطابق مولوی صاحب نے اتحاد کے ٹکڑے ہونے کی درج ذیل وجوہات بتائیں۔

**اتحاد کے ٹکڑے ہونے کی وجوہات:** مولوی صاحب نے اتحاد کے ٹکڑے ہونے کی وجہ علاقائی تعصّب اور آپس کی نا اتفاقی کو قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آج کل جس کو دیکھو کوئی سندھی ہے، کوئی پنجابی ہے، کوئی بلوچی ہے اور کوئی پٹھان ہے۔ ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا رہا ہے اور ایک قوم بننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ جب تک ہم علاقائی تعصب کا شکار رہیں گے، پاکستان کے اتحاد کا شیرازہ یوں ہی بکھرا رہے گا۔ اگر ہم پاکستان کو مضبوط اور ترقی یافتہ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس علاقائی تعصب سے جان چھڑا کر ایک متحد قوم بن کر رہنا ہوگا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ج۔ مدرسہ تعلیمِ بالغاں کہاں واقع تھا؟**

**جواب:** خواجہ معین الدین کے ڈرامے ''تعلیمِ بالغاں'' کے مطابق مدرسے کا پتہ درج ذیل ہے۔

**مدرسہ کا محلِ وقوع:** مدرسہ تعلیمِ بالغاں کراچی کی ایک کچی بستی بکرا پیڑھی میوہ شاہ لائن میں واقع تھا۔ مدرسہ کی باقاعدہ کوئی عمارت نہ تھی بلکہ ایک شکستہ سی جھونپڑی میں یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**د۔ اس ڈرامے میں وزیروں پر کیا طنز کیا گیا ہے؟**

**جواب۔** خواجہ معین الدین کے ڈرامے ''تعلیمِ بالغاں'' میں وزیروں پر یہ طنز کیا گیا ہے۔

**وزیروں پر طنز:** ملک کے وزیروں کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ہمارے ملک کے اکثر وزیر جاہل اور ان پڑھ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ منتخب ہونے کے بعد دوسروں کی لکھی ہوئی تقریریں پڑھتے ہیں اور اتنے نالائق ہوتے ہیں کہ دستخط بھی ٹھیک سے نہیں کر سکتے۔ اور ملک کا وزیرِ تعلیم بس نام کا ہی وزیرِ تعلیم ہوتا ہے کیونکہ تعلیم کی الف، ب بھی اُسے نہیں آتی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ہ۔ مولوی صاحب کس محکمہ کے نام درخواست لکھوا رہے تھے؟**

**جواب۔** خواجہ معین الدین کے ڈرامے ''تعلیمِ بالغاں'' کے مطابق مولوی صاحب یعنی استاد محبت علی 'محکمہ تعلیم' کے نام درخواست لکھوا رہے تھے۔ کیونکہ حکومتی امداد کے نہ ملنے اور تنخواہ کی بندش کی وجہ سے مولوی صاحب اور ان کے مدرسے کے حالات کافی خراب ہو چکے تھے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| سر پر چڑھنا | ہمیں بچوں کو بے جالاڈ پیار سے سر پر نہیں چڑھانا چاہیے۔ |
| رحم وکرم پر ہونا | ہمیں غیروں کے رحم وکرم پر رہنے کے بجائے اپنی قوتِ بازو پر انحصار کرنا چاہیے۔ |
| ستیاناس کرنا | علاقائی تعصب قومی یک جہتی کا ستیاناس کر رہا ہے۔ |
| ازراہِ مرحمت | ازراہِ مرحمت مجھے یہ کتاب ایک دن کے لئے دے دیں۔ |
| آسمان سر پر اٹھانا | ماں کے مرنے پر بچوں نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ مکالمہ نگاری کی تعریف کریں، نیز استاد اور شاگرد کے درمیان، بے ہنگم ٹریفک سے پیدا ہونے والے مسائل پر مکالمہ تحریر کریں۔**

**جواب۔** <u>**مکالمہ کی تعریف:**</u> مکالمہ لفظِ کلام سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں ''گفتگو''۔ دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان موقع محل کے مطابق بے تکلف گفتگو کو زیرِ قلم لانا مکالمہ نگاری کہلاتا ہے۔

**''استاد اور شاگرد کے درمیان بے ہنگم ٹریفک سے پیدا ہونے والے مسائل پر مکالمہ''**

شاگرد: السلام علیکم

استاد: وعلیکم السلام

استاد: کیا بات ہے خیریت تو ہے آج بڑی دیر کر دی آنے میں؟

شاگرد: معذرت سر، راستے میں اتنی زیادہ ٹریفک تھی کہ اللہ کی پناہ۔

استاد: ہاں بھئی بے ہنگم ٹریفک کی وجہ سے تمام لوگ پریشان ہیں۔

شاگرد: ہاں سر جی، ہمارا قیمتی وقت اس کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے۔

استاد: بالکل درست کہا۔

شاگرد: میں صبح سویرے گھر سے نکلتا ہوں تا کہ وقت پر کالج پہنچ سکوں لیکن بے ہنگم ٹریفک کی وجہ سے دیر ہو جاتی ہے۔

استاد: یہ ہمارے لئے بہت بڑا المیہ ہے۔ جس کا حل نکالنا ہی ہوگا۔

شاگرد: سر جی! آخر اس کا حل کیا ہے؟

استاد: اس مسئلے کا ایک حل یہ ہے کہ ٹریفک پولیس اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر نبھائے۔

شاگرد: ہاں یہ تو ہے، لیکن اگر ٹریفک پولیس کے ساتھ عوام تعاون نہیں کرے گی تو ٹریفک پولیس کچھ نہیں کر سکتی۔

استاد: ہاں یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں میں برداشت کا مادہ بہت کم ہے۔ اپنی باری کا انتظار نہیں کرتے، جہاں تھوڑی سی جگہ نظر آئی وہاں گاڑی گھسا دی اور پھر اسی طرح آہستہ آہستہ سارا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

شاگرد: ہاں ماحولیاتی آلودگی میں اضافے کا سبب بھی یہی بے ہنگم ٹریفک ہی ہے۔

استاد: اسی لئے تو ہم میں ہر قسم کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔

شاگرد: سر اس کا کچھ اور بھی مناسب حل ہوگا۔

استاد: کیوں نہیں منصوبہ بندی اس کا مناسب حل ہے۔

شاگرد: وہ کس طرح؟

استاد: اگر ہم تعمیرات اور آبادی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو سامنے رکھ کر سڑکیں کشادہ کریں تو بے ہنگم ٹریفک کے مسائل سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

شاگرد: ہاں سر جی! عوامی سطح پر اس شعور کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

استاد: یہ حکومت کا کام ہے اگر حکومت بے ہنگم ٹریفک کے مسئلے کو ختم کرنے کے لئے سنجیدہ اقدامات کرے تو مہینوں کا کام دنوں میں ہو سکتا ہے۔

شاگرد: اچھا سر میں آج ہی مقامی اخبار میں اس بے ہنگم ٹریفک کے مسائل کو ختم کرنے کے لئے حکومت سے اپیل کرتا ہوں۔

استاد: بہتر ہے۔ جاؤ اللہ حافظ۔

س۔ محاورے کی تعریف کریں اور کوئی سے پانچ محاورے لکھیں۔

جواب۔ محاورہ: الفاظ کا وہ مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال میں اپنے اصلی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہو، محاورہ کہلاتا ہے۔

| محاورہ | معنی |
|---|---|
| نو دو گیارہ ہونا | میدان سے بھاگ جانا |
| پھُولے نہ سمانا | بہت زیادہ خوش ہونا |
| بیڑا اٹھانا | کسی کام کا ذمہ لینا |
| آڑے ہاتھوں لینا | خوب خبر لینا |
| پاؤں اکھڑ جانا | ہار مان کر بھاگ جانا |



## ''انشائیہ''

ڈاکٹر بشیر سیفی کے مطابق ''انشائیہ نثر کی وہ قسم ہے جس میں مصنف اپنے ذاتی تجربات وتاثرات بے تکلفی اور اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے''۔ عام مضمون نویسی کے برعکس انشائیہ کا لہجہ سادہ، بے تکلف اور گھریلو ہوتا ہے۔ ایک مغربی نقاد کے مطابق ''انشائیہ نگاری ذہنی آزاد خیالی کا نام ہے''۔ سرسید کے بعد انشائیہ لکھنے والوں میں حالؔی، شبلؔی، شررؔ اور آزادؔ قابلِ ذکر ہیں۔



س۔ سیاق وسباق کے حوالے سے عبارت کی وضاحت کریں۔

**اقتباس:** **اوہو ہو۔ ادب ہو رہا ہے۔ مولوی صاحب سے بیڑی چھپا رہے ہیں (ہاتھ سے بیڑی چھین کر) آج شاگرد مدرسے میں بیٹھ کر بیڑی پیتے ہیں۔ چپڑاسی افسروں سے ماچس مانگتے ہیں۔ افسر رشوت لیتے ہیں۔ لیڈر قوم کو دھوکا دیتے ہیں اور لائق شاگرد پوچھتے ہیں ''یہ تنظیم کا گلا کس نے غائب کیا مولوی صاحب'' ارے! گلے تو تمہارے غائب ہونے تھے کم بختو''۔**

جواب: **حوالۂ متن:** سبق کا نام: تعلیمِ بالغاں　مصنف کا نام: خواجہ معین الدین

صنف: ڈرامہ

**سیاق وسباق:**

مولوی محبت علی ایک جھونپڑی نما مدرسے میں شمشو حجام اور قصاب وغیرہ کو پڑھاتے ہیں۔ مدرسے میں تین گھڑے ہیں جن پر اتحاد، تنظیم اور یقینِ محکم لکھا ہوا ہے۔ اتحاد والا گھڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے جبکہ تنظیم والے گھڑے کا گلا اور پیندا غائب ہے۔ مدرسے میں زیرِ تعلیم شاگردوں کا رویہ نہایت غیر سنجیدہ ہے۔ استاد کو دکھ ہے کہ کچھ تو محکمہ تعلیم کی طرف سے غفلت برتی جا رہی ہے اور کچھ آج کل کے شاگرد بھی استاد کا احترام نہیں کرتے۔ مولوی صاحب جب حجام کو بیڑی پیتا دیکھتے ہیں تو غصے میں آ کر اسے ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں اور حجام بیڑی چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔

**تشریح:**

جب حجام بیڑی پیتے ہوئے مولوی صاحب سے پوچھتا ہے کہ تنظیم والے گھڑے کا گلا کس نے غائب کیا؟ تو حجام کو بیڑی پیتا دیکھ کر مولوی صاحب کو شدید غصہ آتا ہے اور وہ اسے ڈانٹنے لگتے ہیں جس پر حجام جلدی سے بیڑی چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ مولوی صاحب یہ دیکھ کر اس پر طنز کرنے لگے کہ واہ کیا خوب احترام ہو رہا ہے استاد کا، استاد سے بیڑی چھپانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ پھر مولوی صاحب نے غصے سے حجام سے بیڑی چھین لی اور کہنے لگے کہ کیا برا زمانہ آ گیا ہے کہ علم حاصل کرنے والے مدرسے میں آ کر اپنے ہی استاد کے سامنے بیڑی پیتے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس ملک کا کوئی ادارہ کسی باقاعدہ نظام کے تحت نہیں چل رہا۔ صرف مدرسے ہی میں نہیں، دفتروں میں بھی افسروں کا احترام ختم ہو چکا ہے۔ چپڑاسی بھی بڑی بے تکلفی سے اپنے افسر سے ماچس مانگ کر سگریٹ جلاتا ہے۔ افسروں کو بھی اپنی عزت کی پرواہ نہیں ہے، وہ کھلے عام رشوت لیتے ہیں۔ قوم کے بڑے بڑے لیڈر جھوٹے سیاسی وعدے کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ اس سب کے باوجود میرے ہونہار شاگرد مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تنظیم کا گلا کس نے غائب کیا ہے؟ ارے بے وقوفو! جس ملک کے ہر شعبے میں اصول وضوابط ختم ہو جائیں وہاں تنظیم کیسے بچ کر رہ سکتی ہے؟ ہماری قوم اپنی بدنظمی کی وجہ سے سر سے پاؤں تک بے کار ہو چکی ہے۔ انکا کوئی فائدہ نہیں رہا، اس لئے بہتر تھا کہ گلے اس قوم کے غائب ہوتے۔

## سبق: شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد مصنف: ابن انشاء

## ماخوذ: ابن بطوطہ کے تعاقب میں صنف: سفر نامہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

### ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** ابنِ انشاء کا اصل نام شیر محمد قیصر تھا۔ آپ 1927ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔

**ادبی خدمات:** قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آئے اور بطورِ شاعر ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ بعد میں مزاح نگار، افسانہ نویس، صحافی اور سفر نامہ نویس کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

**مزاح نگاری:** ابنِ انشاء نے مزاح کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور ہر طرح کے قاری سے داد وصول کی۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں مزاح پیدا کرنا اُن کا خاصہ ہے۔ وہ ہر موقع پر ہنسنے ہنسانے کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔

**وفات:** ابنِ انشاء 1978ء کو تقریباً 51 برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

**تصانیف:** خمارِ گندم، اردو کی آخری کتاب، دنیا گول ہے، چاند نگر، دلِ وحشی، نگری نگری پھرا مسافر، ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| میم | انگریز عورت | آویزاں | لٹکا ہوا | مُصِر | بضد |
| بانگ | اذان | خوشنویس | اچھا لکھنے والا | کھڑاک | جنجال |
| غنودگی | اُونگھ | حمّال | مزدور | معًا | فوراً |
| فال | شگون | صف بستہ | قطار بنا کر | یُدھ | لڑائی، جنگ |
| مرتسم | مہر لگی ہوئی | ٹھیکریوں | مٹی کے ٹکڑے | داخلی رفاقت | دلی دوستی |
| بھاگ | قسمت | رفیع الشان | بڑے مرتبے والا | ٹُھنٹھ | کٹا ہوا درخت |
| نواح | آس پاس کا علاقہ | پہنائی | کشادگی، وسعت | ڈھانا | گرانا |

### ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی تصنیف ہے۔ الف۔ میر انشاء اللہ **ب۔ ابنِ انشاء**

۲۔ ابنِ انشاء کا اصل نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔ الف۔ قیصر محمد **ب۔ شیر محمد قیصر**

۳۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں ۔۔۔۔۔۔ پیدا کرنا ان کا خاصہ ہے۔ الف۔ طنز **ب۔ مزاح**

۴۔ ۔۔۔۔۔۔۔ کا ہوائی اڈہ بس ننھا منا سا ہے۔ **الف۔ شیراز** ب۔ ایران

۵۔ شیخ کے ۔۔۔۔۔۔۔۔ سے رخصت ہونے کو جی نہ چاہتا تھا۔ **الف۔ مزار** ب۔ گھر

۶۔ جب ابنِ انشاء شیراز کی سیر کو گئے تو وہاں ۔۔۔۔۔ کا موسم تھا۔ الف۔ سردی **ب۔ خزاں**

۷۔ منصور نے کس موسم کو شیراز دیکھنے کا موسم قرار دیا؟ **الف۔ بہار** ب۔ گرمی

۸۔ افسوس ہوتا تھا کہ سکندر ۔۔۔۔۔۔۔ کے مغربی کنارے سے کیوں لوٹ گیا۔ الف۔ دریائے سندھ **ب۔ دریائے بیاس**

۹۔ شیخ سعدی کے مزار سے ابنِ انشاء نے یادگار کے طور پر کیا لیا؟ **الف۔ گُلِ صد برگ** ب۔ گلاب

۱۰۔ تختِ جمشید میں سب سے رفیع الشان محل ۔۔۔۔۔۔۔ کا ہے۔ **الف۔ دارا** ب۔ نادر شاہ

۱۱۔ دارا کا پرائیویٹ محل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہلاتا ہے۔ الف۔اپادانا **ب۔تکارا**

۱۲۔ تختِ جمشید کے پسِ منظر میں نظر آنے والا چٹانوں کا سلسلہ۔۔۔۔کہلاتا ہے۔ **الف۔کوہ رحمت** ب۔کوہ جمشید

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**الف۔ مصنف سحر خیزی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟**

**جواب۔** ابنِ انشاء نے اپنے سفرنامے ''شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد'' میں سحر خیزی کے متعلق درج ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

**سحر خیزی کے بارے میں مصنف کے خیالات:** ابنِ انشاء اپنے سفرنامے میں ان لوگوں کا مذاق اڑا رہے ہیں، جو سحر خیز ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو پرندوں کی طرح صبح سویرے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں لحاف کے اندر جو مزے کی غنودگی ہوتی ہے، اس کا لطف صبح سویرے اٹھنے والے نہیں جان سکتے۔ مصنف کہتے ہیں کہ صبح سویرے اٹھنے والے اکثر لوگوں کو میں نے نمونیے یا بگڑے زکام کی وجہ سے مرتے دیکھا ہے۔ اور جو چند ایک بچ جاتے ہیں، ان کی عمریں بھی ہم جیسے کاہل لوگوں سے کچھ زیادہ لمبی نہیں ہوتیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ب۔ حافظ کے مزار پر ان کے دیوان کا نسخہ کیوں رکھا گیا تھا؟**

**جواب۔** ابنِ انشاء نے اپنے سفرنامے ''شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد'' میں حافظ شیرازی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حافظ شیرازیؒ کے مزار پر ان کے دیوان کا ایک نسخہ بھی رکھا رہتا ہے۔

**حافظ کا تعارف:** حافظ شیرازیؒ کا نام محمد، لقب شمس الدین اور تخلص حافظ تھا۔ آپؒ 726ھ کو شیراز (ایران) میں پیدا ہوئے۔ آپ فارسی کے مشہور صوفی شاعر تھے۔

**مزار پر دیوان کا نسخہ رکھنے کی وجہ:** مصنف کے مطابق حافظ شیرازی کے مزار پر فال نکالنے کے لئے ان کے دیوان کا ایک نسخہ رکھا رہتا ہے۔ حافظ کے دیوان سے فال نکالنے کی رسم بہت پرانی ہے۔ حافظ کے مزار پر آنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ دیوانِ حافظ سے اپنے لئے فال نکالیں اور فال کے شعر کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس کے ہمراہ تصویر بھی کھنچوائیں۔

**نوٹ:** کسی کتاب کے ذریعے نیک یا بدشگون معلوم کرنے کو فال کہتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ج۔ شیخ سعدی کے مزار پر مصنف کی کیا کیفیت ہوئی؟**

**جواب۔** ابنِ انشاء نے اپنے سفرنامے ''شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد'' میں شیخ سعدیؒ اور ان کے مزار کا بھی ذکر کیا ہے۔

**شیخ سعدیؒ کا تعارف:** آپ کا نام شرف الدین اور سعدی تخلص تھا۔ اور آپ فارسی زبان کے عظیم صوفی شاعر گزرے ہیں۔

**مزار پر مصنف کی کیفیت:** ابنِ انشاء کو شیخ سعدی سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ سعدیؒ کو اپنا روحانی رفیق اور دوست سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ سعدیؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے آئے تو اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی جاری ہوگئی اور ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود آنسو بہتے ہی چلے گئے اور فاتحہ بھی طویل ہوگئی اور مصنف کا سعدیؒ کے مزار سے اٹھنے کو دل ہی نہ چاہتا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**د۔ ڈرائیور منصور کی انگریزی کے بارے میں مصنف نے کیا مثال پیش کی؟**

**جواب۔** ابنِ انشاء نے اپنے سفرنامے ''شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد'' میں بتایا ہے کہ انہوں نے ایران کے سفر کے دوران تختِ جمشید کی سیر کے ارادے سے ایک ٹیکسی کرائے پر لی تھی، جس کے ڈرائیور کا نام منصور تھا۔

**انگریزی کے بارے میں مثال:** ڈرائیور منصور نے دعویٰ کیا تھا کہ اسے انگریزی آتی ہے۔ جب کہ اسے انگریزی کے ایک لفظ ''Yes'' کے علاوہ اور کچھ نہ آتا تھا۔ ابنِ انشاء جب بھی اس سے لمبی چوڑی گفتگو کرتے وہ جواب میں ''Yes'' بول کر چپ ہو جاتا تھا۔ تو ابنِ انشاء نے ڈرائیور منصور کی مثال اس کے ہم نام منصور سے دی ہے، جو کہ ایک مشہور ولی اور بزرگ تھے، جنہوں نے ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا تھا اور اس کی پاداش میں انہیں تختہ دار پر چڑھنا پڑا۔ ابنِ انشاء کہتے ہیں کہ ڈرائیور منصور کا انگریزی بولنے کا دعویٰ بزرگ منصور کے ''انا الحق'' کے نعرے کی طرح مبالغہ آمیز تھا۔

**ہ۔　دارا اور سکندر کون تھے؟**

**جواب۔** ابنِ انشاء نے اپنے اس سفرنامے میں دارا اور سکندر کا بھی ذکر کیا ہے۔

**دارا کا تعارف:** دارا اصل میں داراب کا مخفف ہے۔شاہی خاندان'' ہخامنشی '' سے تعلق رکھنے والے بادشاہوں کو دارا کہا جاتا ہے۔تاریخ میں تین دارا گزرے ہیں۔(۱)دارا اول　(۲)دارا دوم　(۳)دارا سوم

لیکن سبق میں جس دارا کا ذکر ہے،اس سے مراد دارا سوم ہے۔

**دارا سوم:** دارا سوم اپنے خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔اس نے اربیلا کے مقام پر سکندرِاعظم کی فوجوں سے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔

**سکندر کا تعارف:** سکندر 356 قبل مسیح کو مقدونیہ میں پیدا ہوا۔اس نے ارسطو سے علم سیکھا۔صرف بیس سال کی عمر میں بادشاہ بنا اور دو سال کے قلیل عرصے میں اس نے بہت سے علاقے فتح کر لئے۔اس نے اُس وقت کی عظیم سلطنت ایران کے بادشاہ دارا سوم کو بھی شکست دی۔ایران فتح کرنے کے بعد افغانستان اور ہندوستان پر چڑھائی کی اور متعدد علاقے فتح کر لئے۔وہ مشرقی ہندوستان پر بھی حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن مسلسل لڑائی کی وجہ سے اس کے سپاہی تھک گئے تھے۔جس کی وجہ سے اسے ایران واپس آنا پڑا۔اور 32 یا 33 سال کی عمر میں اچانک بیمار ہو کر مر گیا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**و۔　ڈرائیور منصور اور مصنف کے درمیان کرائے کا کیا معاملہ پیش آیا؟**

**جواب۔** مصنف ابنِ انشا نے اپنے سفرنامے ''شیراز اور کنارِ آبِ رُکنا باد'' میں اپنے اور ڈرائیور منصور کے درمیان پیش آنے والے کرائے کے ایک معاملے کا بھی ذکر کیا ہے۔

**کرائے کا معاملہ:**

ابنِ انشاء نے تختِ جمشید تک جانے کے لئے ڈرائیور منصور کی ٹیکسی کرائے پر لی تھی اور تختِ جمشید تک دونوں کے درمیان بارہ تومان کرایہ طے پایا تھا۔ تختِ جمشید دیکھ لینے کے بعد ابن انشا نے سوچا کہ نقشِ رستم بھی دیکھ لیا جائے جو یہاں سے چار چھ میل کے فاصلے پر تھا۔چنانچہ ابنِ انشاء نے ڈرائیور کو نقشِ رستم چلنے کو کہا،وہاں تھوڑی دیر گزارنے کے بعد واپسی کا ارادہ کیا اور واپسی کے سفر میں ابن انشا نے اپنے ذہن میں ڈرائیور کے کرائے کا حساب کتاب شروع کیا کہ بارہ تومان تختِ جمشید تک،دس تومان واپسی کے،نقشِ رستم تک جانے کے مزید چار پانچ تومان اور پھر شہر سے ہوائی اڈے تک دو تین تومان مزید منصور ڈرائیور کو دے دوں گا،یہ کُل ملا کر تقریباً تیس تومان بنتے تھے۔لیکن ہوائی اڈے پر ابنِ انشا نے جب تیس تومان منصور کے ہاتھ پر رکھے تو ڈرائیور نے تیس تومان لینے سے انکار کر دیا۔مصنف ابنِ انشا نے بڑی فراخ دلی سے اسے کہا کہ یہ اضافی رقم بخشش نہیں بلکہ میری طرف سے نذرانہ سمجھ کر قبول کر لو،لیکن ابنِ انشا اس وقت بڑے حیران ہوئے جب ڈرائیور نے کہا کہ میں پینتیس تومان سے کم نہ لوں گا۔اس پر دونوں میں بحث شروع ہو گئی اور ابنِ انشا کو مجبوراً پینتیس تومان ہی دینے پڑے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔　درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔**

**الف۔　''نہ زبان سے علاقہ،نہ تہذیب سے نسبت۔ایک کیمرہ لٹکایا،میم کو ساتھ لیا،جہاں کی تعریف سنی اُدھر سدھار لئے۔**

**وضاحت:** اس جملے میں ابنِ انشا ایران کی سیر و سیاحت پر آئے ہوئے امریکی سیاحوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم ایشیائی لوگ خصوصاً پاکستانی اگر ایران کی سیر کو جاتے ہیں تو وہاں پر ہماری تہذیب و ثقافت اور زبان و ادب کی تاریخ موجود ہے۔مگر نجانے ان امریکن لوگوں کو یہاں کیا ملتا ہے؟ کیونکہ نہ تو انہیں فارسی آتی ہے اور نہ ہی ایران کے ادب و کلچر سے ان کا کوئی تعلق ہے۔لیکن پھر بھی یہ لوگ گھومنے پھرنے کے اتنے شوقین ہیں کہ جس جگہ کی تعریف سنتے ہیں،ایک کیمرہ اور میم کو ساتھ لے کر ادھر چل پڑتے ہیں''۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ب۔　''ہم نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے تو آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں تھا،جتنا ضبط کرنے کی کوشش کرتے تھے،سیلاب اور امڈتا تھا''۔**

**وضاحت:** اس جملے میں ابنِ انشا شیخ سعدیؒ سے اپنی دلی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب میں شیخ سعدیؒ کے مقبرے پر حاضری دینے آیا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو شدتِ جذبات کی وجہ سے میری آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی ایسی جھڑی برسنے لگی کہ لاکھ کوشش کرنے کے باوجود میں اسے روک نہ سکا اور آنسو مسلسل بہتے ہی چلے گئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

ج۔ ان سے فریاد یا استغاثہ کیا کرتے، منصور ہم سے اچھی اور تیز فارسی بولتا تھا، ممکن ہے ہم مقدمہ جیت بھی جاتے لیکن اصفہان کا جہاز ضرور چھوٹ جاتا۔

وضاحت: اس جملے میں ابنِ انشا بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ڈرائیور منصور تیس تومان لینے کے بجائے پینتیس تومان لینے پر اصرار کرنے لگا اور دونوں میں بحث شروع ہوئی تو آس پاس کے لوگ بھی جمع ہوگئے تو ابنِ انشا کہتے ہیں کہ اب میں ان لوگوں کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر کے ان سے فریاد کیا کرتا، کیونکہ منصور وہاں کا باشندہ تھا اور وہ مجھ سے اچھی فارسی بول کر انہیں اپنے حق میں کرسکتا تھا جبکہ مجھے فارسی اتنی اچھی نہ آتی تھی کہ میں ان کے سامنے اپنا مئوقف پیش کرسکتا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ میں ٹوٹی پھوٹی فارسی بول کر یہ مقدمہ جیت بھی جاتا، لیکن مجھے اصفہان جانا تھا اور خدشہ تھا کہ اگر یہ بحث طویل ہوگئی تو میرا جہاز ضرور چھوٹ جائے گا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

د۔ "یہاں کے آثار کچھ طہران چلے گئے، کچھ اپنے آباء کی کتابوں کی طرح لندن اور پیرس میں"

وضاحت: اس جملے میں ابنِ انشا اسلامی تاریخ کے تاریک پہلو کا ذکر کررہے ہیں۔ جب وہ شیراز کے ایک عجائب گھر میں گئے تو دیکھا کہ اس عجائب گھر میں بہت کم تعداد میں تاریخی آثار رکھے گئے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عجائب گھر کے کچھ آثار طہران کے میوزیم کی زینت بن گئے ہیں اور کچھ ہمارے آباؤ اجداد کی کتابوں کی طرح لندن اور پیرس منتقل کردیئے گئے ہیں۔ مصنف نے "آباء کی کتابوں" کے الفاظ علامہ اقبال کے اس شعر سے لئے ہیں۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

ہ۔ اس نے دعویٰ کیا مجھے تھوڑی انگریزی بھی آتی ہے۔ یہ دعویٰ اس کے ہم نام منصور کے دعویٰ اناالحق سے بھی زیادہ مبالغہ آمیز تھا۔

وضاحت: مصنف تختِ جمشید جانے کے لئے جس ٹیکسی میں بیٹھا اُس کے ڈرائیور کا نام منصور تھا، جس کا دعویٰ تھا کہ مجھے انگریزی آتی ہے۔ حالانکہ وہ انگریزی کے ایک لفظ Yes کے علاوہ اور کچھ نہ بول سکتا تھا اور ابنِ انشا کی ہر بات کے جواب میں Yes کہہ کر چپ ہو جاتا تھا۔ تو ابنِ انشا کہتے ہیں کہ منصور ڈرائیور کا یہ دعویٰ اس کے ہم نام مشہور ولی منصور کی طرح مبالغہ آمیز ثابت ہوا کہ ولی منصور نے اناالحق کا نعرہ لگایا تھا جس کی پاداش میں انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س3۔ امدادی فعل کی تعریف کریں اور سبق میں سے مثالیں تلاش کر کے لکھیں۔

جواب۔ امدادی فعل:

امدادی فعل کو معاون فعل بھی کہتے ہیں۔ امدادی فعل سے مراد وہ فعل ہے جو کسی جملے میں اصل فعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ امدادی فعل کے استعمال سے جملے میں حُسن اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔

سبق سے مثالیں:

اٹھ بیٹھنا، گزر جانا، دیکھ لینا، لے لینا، جگا دینا وغیرہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س4۔ الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کر کے ان کا مفہوم واضح کریں۔

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| قدامت وعظمت | ملتان میں اولیاء کے مزارات اس شہر کی قدامت وعظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ |
| غنودگی | رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے مجھ پر کلاس میں بھی غنودگی چھائی رہی۔ |
| دیوانِ خاص | بادشاہ نے ملاقات کے لئے اہم وزراء کو دیوانِ خاص میں بلوایا۔ |
| رفیع الشان | وائٹ ہاؤس کا شمار دنیا کی رفیع الشان عمارات میں ہوتا ہے۔ |
| عفریت | جنات وعفریت اللہ کی نظر نہ آنے والی مخلوق ہیں۔ |
| خانہ زاد | امیر آدمی ریڑھی والے سے یوں بات کررہا تھا جیسے وہ اس کا خانہ زاد ہو۔ |
| بھلا مانس | عارف جیسے بھلے مانس انسان پر شک کرنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س5۔ سفرنامے کی تعریف کریں اور اس کے فنی لوازمات لکھیں۔**

**جواب۔** ڈاکٹر انور سدید نے سفرنامے کی تعریف یوں کی ہے۔

**سفرنامے کی تعریف:**

''سفرنامہ ادب کی بیانیہ صنف ہے، اس میں مشاہدے کا عمل دخل زیادہ اور تخلیق کا عنصر بے حد کم ہوتا ہے۔ سفرنامہ چشم دید حالات و واقعات کا بیانیہ ہوتا ہے۔

**فنی لوازمات:**

۱۔ سفرنامہ لکھنے کے لئے سفر پہلی شرط ہے، محض سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر سفرنامہ نہیں لکھا جا سکتا۔

۲۔ ضروری ہے کہ سفرنامے کا اسلوب سادہ اور رواں ہو، واقعات کے بیان میں صرف اہم واقعات کو مدّ نظر رکھا جائے۔

۳۔ سفرنامہ اس انداز سے لکھا جائے کہ پڑھنے والے کو کم وقت میں زیادہ معلومات حاصل ہوں۔

۴۔ سفرنامہ اس انداز سے لکھا جائے کہ قاری خود کو مصنف کے ساتھ محوِ سفر محسوس کرے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر عبارت کی تشریح کریں۔**

**عبارت:**

**شیخ کے مزار سے رخصت ہونے کو جی نہ چاہتا تھا، اٹھتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے۔ حافظ کے مزار پر قطعاً یہ کیفیت نہ تھی، وہاں ہم خالی گئے، خالی آئے۔ یادگار کے لئے ہم نے کیاریوں پر نظر ڈالی۔ صاحبِ گلستان کے چمن میں گلاب کا کوئی پھول اس وقت نظر نہ آیا۔ ناچار گلِ صد برگ کا ایک غنچۂ نوشگفتہ لیا اور جیب میں رکھ لیا۔ شیخ کی یہ یادگار ایک متاعِ عزیز کی طرح ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتی ہے۔**

**حوالۂ متن:** سبق کا نام : شیراز اور کنارِ آبِ رکنا باد　مصنف : ابنِ انشاء

صنف : سفرنامہ　ماخوذ : ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں

**سیاق وسباق:**

یہ عبارت ابنِ انشا کے سفرنامے ''ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں'' سے لی گئی ہے، جس کا ایک حصہ ''شیراز اور کنارِ آب رکنا باد'' کے عنوان سے نصاب میں شامل ہے۔ مصنف جب شیراز کے ہوائی اڈے پر اترے تو انہیں اس شہر کی عظمت کا احساس ہوا۔ انہوں نے ہوٹل میں وقت گزارنے کے بجائے ٹیکسی کر کے مختلف مقامات کی سیر کو ترجیح دی۔ اگرچہ انہیں مشورہ دیا گیا کہ پہلے تختِ جمشید دیکھ آئیں مگر ان کا دل حافظ اور سعدی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس لئے وہ پہلے حافظ کے مزار پر گئے اور پھر وہاں سے شیخ سعدیؒ کے مقبرے کی زیارت کرنے چلے گئے اور یوں انہوں نے وقت ضائع کئے بغیر ایران کے تمام اہم اور تاریخی مقامات دیکھ لئے، مگر سعدیؒ کے مزار پر ان کی کیفیت کچھ عجیب ہی ہوگئی تھی۔

**تشریح:**

ایران کے مختلف تاریخی مقامات کی سیر کرتے ہوئے جب مصنف شیخ سعدیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو بے پناہ عقیدت کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور مصنف کا دل وہاں سے لَوٹنے پر آمادہ نہ ہو رہا تھا۔ وہ جانے کے ارادے سے اٹھتے مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پھر بیٹھ جاتے۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں خود بھی حیران تھا کہ میری ایسی کیفیت کیوں ہوگئی ہے؟ حالانکہ حافظ کے مزار پر جب میں گیا تو تمام تر محبت وعقیدت کے باوجود میری یہ کیفیت نہ ہوئی تھی۔ بلکہ یوں کہنا درست ہوگا کہ وہاں میں خالی ہاتھ گیا اور خالی دامن لے کر واپس آ گیا۔ اپنی بے چینی کو کم کرنے کے لئے میں نے سوچا کہ جانا تو ہر حال میں ہے، دل کے سکون کے لئے سعدی کے مزار سے کوئی چیز یادگار کے طور پر لے جاتا ہوں۔ اس غرض سے وہاں کی کیاریوں پر نگاہ ڈالی لیکن افسوس ہوا کہ جس شخصیت نے گلستان کے نام سے ایک شہرۂ آفاق تصنیف لکھی تھی، اس کے چمن میں ہمیں گلاب کا ایک بھی پھول نظر نہ آیا تو مجبوری کے عالم میں، میں نے کیاریوں سے گیندے کے پھول کی ایک تازہ کھِلی ہوئی کلی توڑ کر جیب میں رکھ لی۔ تب سے لے کر اب تک یہ حسین یادگار میری زندگی کی قیمتی دولت کی طرح ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق : **روم زندہ شہر اور مُردہ شہر**

مصنف : **جمیل الدین عالی**

صنف : **سفر نامہ** ماخوذ : **دنیا میرے آگے**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف مصنف''

**ابتدائی حالات:** ملّی نغمہ ''جیوے جیوے پاکستان'' کے خالق جمیل الدین عالی 1926ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔

**عملی زندگی:** دہلی سے بی اے کرنے کے بعد آپ نے عملی زندگی کا آغاز وزارتِ تجارت میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے کیا۔لیکن بعد میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے انکم ٹیکس افسر مقرر ہوئے۔

**مختلف ممالک کی سیاحت:** 1961ء میں یونیسکو کی فیلو شپ ملنے کے بعد آپ نے مختلف ملکوں کی سیاحت کی اور پاکستانی مندوب کے طور پر کئی ممالک کے دورے کئے

**سفرنامے:** جمیل الدین عالی کے سفر ناموں کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ جمیل الدین عالی نے ''تماشا میرے آگے'' اور ''دنیا میرے آگے'' میں سفر کے فوری تأثر کو اخباری کالم میں سمیٹ لیا ہے۔انہوں نے ادب کے کلاسیکی پسِ منظر کو زندگی کے موجودہ مناظر سے مربوط کیا ہے۔ان سفر ناموں میں مصنف خداوندِ خودی بن کر ظاہر ہوتے ہیں اور مشرقی درویشی کا بھرم قائم رکھتے ہیں۔

**تصانیف:** اے میرے دشتِ سخن، دعا کر چلے، صدا کر چلے، انسان، لاحاصل، دنیا میرے آگے، تماشا میرے آگے

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| اطالوی | اٹلی کا باشندہ | امرائے عظام | عظیم بادشاہ | مُعَنْوَن | عنوان دیا گیا |
| قیلولہ | دوپہر کا آرام | کُندن | خالص، چمکیلا | بُقعۂ نور | روشن مقام |
| تزئین | سجاوٹ | کھنڈر | ویران عمارت | لیپا پوتی | مَل دینا |
| دھونس جھاڑنا | رعب ڈالنا | کافور ہونا | ختم ہونا | قیصر | رومی بادشاہ کا لقب |
| باندیاں | خادمائیں | پرمٹ | اجازت نامہ | پڑاؤ | قیام |

## ''معروضی سوالات''

س۔ **درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | جمیل الدین عالی۔۔۔۔۔۔۔۔میں پیدا ہوئے۔ | الف۔کراچی | **ب۔دہلی** |
| ۲۔ | روزنامہ۔۔۔۔۔۔۔۔میں آپ کا کالم چھپتا رہا۔ | الف۔نوائے وقت | **ب۔جنگ** |
| ۳۔ | آپ مقابلے کا امتحان پاس کر کے۔۔۔۔۔۔۔۔افسر مقرر ہوئے۔ | **الف۔انکم ٹیکس** | ب۔پولیس |
| ۴۔ | روم: زندہ شہر اور مردہ شہر۔۔۔۔۔۔۔۔کی تصنیف ہے۔ | الف۔ابنِ انشا | **ب۔جمیل الدین عالی** |
| ۵۔ | روم: زندہ شہر اور مردہ شہر صنف کے اعتبار سے۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔ | **الف۔سفرنامہ** | ب۔خاکہ |
| ۶۔ | پیتسا اٹلی کی سب سے۔۔۔۔۔۔اور تگڑی غذا ہے۔ | الف۔مہنگی | **ب۔سَستی** |
| ۷۔ | اطالوی لنچ کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔ضرور کرتے ہیں۔ | **الف۔قیلولہ** | ب۔کام |
| ۸۔ | اٹلی کے مشہور مصور و معمار کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔ | **الف۔مائیکل انجلو** | ب۔سینٹ انجلو |
| ۹۔ | اطالوی پراٹھے کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔ | الف۔اطالوی پراٹھا | **ب۔پیتسا** |
| ۱۰۔ | رومن پارلیمنٹ کو انگریزی میں۔۔۔۔۔۔۔۔کہتے ہیں۔ | **الف۔کیپٹول** | ب۔سینٹ |
| ۱۱۔ | نزلہ ہمیشہ۔۔۔۔۔۔۔۔پر گرتا ہے۔ | الف۔ناک | **ب۔کسی نہ کسی** |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۲۔ | زبانِ یارِ من۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ | **الف۔ ترکی ومن ترکی نمی دانم** | ب۔ عربی |
| ۱۳۔ | میلان ایک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شہر ہے۔ | الف۔ بڑا | **ب۔ صنعتی** |
| ۱۴۔ | سسلی کا عربی نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔ | **الف۔ صقلیہ** | ب۔ بحریہ |
| ۱۵۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔پانی پر بنا ہوا ایک قدیم شہر ہے۔ | الف۔ نیویارک | **ب۔ وینس** |
| ۱۶۔ | سامنے تے وے رے ہے جو ماضی کا۔۔۔۔۔۔۔۔دکھاتی ہے۔ | **الف۔ بائیسکوپ** | ب۔ آئینہ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**الف۔ مصنف نے کن کن اطالوی کھانوں کا ذکر کیا ہے؟**

**جواب۔** جمیل الدین عالی نے اپنے سفرنامے ''روم زندہ شہر اور مُردہ شہر'' میں روم شہر کی غذاؤں کا بڑے دلچسپ انداز میں تذکرہ کرتے ہوئے درج ذیل کھانوں کا ذکر کیا ہے۔

**اطالوی پراٹھا:** اطالوی پراٹھے کا اصل نام پیتسا ہے۔ اس کو انگریزی میں "Pitzza" لکھا اور پی زا بولا جاتا ہے۔ یہ اٹلی کی سستی اور تگڑی غذا ہے۔

**اسپاگیتی:** یہ اطالوی سوّیاں ہیں، یہ موٹی موٹی اور لمبی ہوتی ہیں۔ انگریزی دان اسے اسپاگٹی کہتے ہیں۔ اطالوی لوگ اسے بڑے شوق سے کھاتے ہیں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ب۔ پیزا کیسے تیار کیا جاتا ہے؟**

**جواب۔** جمیل الدین عالی نے اپنے سفرنامے ''روم زندہ شہر اور مردہ شہر'' میں اطالوی کھانوں کا ذکر کرتے ہوئے پیزا بنانے کی ترکیب بھی بتائی ہے۔

**پیزا بنانے کی ترکیب:** پیزا تیار کرنے کے لئے سب سے پہلے میدہ گوندھ کر ایک چوڑی نان بنائی جاتی ہے۔ پھر اس میں انڈا ملا کر ٹماٹر کا پیسٹ لیپ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نان پر پیاز، ادرک، کالی مرچ، نمک اور پسا ہوا گوشت چھڑک کر تندور میں پکانے کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ج۔ اطالوی، کھانے کے بعد قیلولہ کیوں کرتے ہیں؟**

**جواب۔** جمیل الدین عالی نے اپنے سفرنامے ''روم زندہ شہر اور مردہ شہر'' میں بتایا ہے کہ اطالوی لوگ دن کے کھانے کے بعد قیلولہ ضرور کرتے ہیں۔

**قیلولہ:** دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کو قیلولہ کہتے ہیں۔

**قیلولہ کرنے کی وجہ:** اٹلی یورپ کے انتہائی شمال میں واقع ہونے کی وجہ سے باقی یورپین ممالک کی بہ نسبت ذرا گرم ہے اور میدے کا کھانا کھانے کے بعد ویسے بھی آدمی پر نیند کا خمار طاری ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اطالوی لوگ دن کے کھانے کے بعد تقریباً دو گھنٹے آرام کرتے ہیں اور اس دوران ہر قسم کا کاروبار بند رہتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**د۔ مائیکل انجلو کون تھا؟**

**جواب۔** جمیل الدین عالی نے اپنے اس سفرنامے ''روم زندہ شہر اور مردہ شہر'' میں قدیم روما کے ایک پُل کا ذکر کرتے ہوئے مائیکل انجلو کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

**مائیکل انجلو کا تعارف:** مائیکل انجلو اٹلی کے ایک قصبے کیپریس میں پیدا ہوا۔ یہ وہ عظیم انسان تھا، جس نے فنِ مصوّری میں نام کمانے کے ساتھ ساتھ فنِ تعمیرات میں بھی مہارت حاصل کی۔ اٹلی میں مائیکل انجلو کی تعمیرات کی باقیات آج بھی موجود ہیں۔ اس نے صرف 24 سال کی عمر میں حضرت عیسیٰؑ کا مجسمہ بھی بنایا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ہ۔ اس مضمون میں جن اطالوی شہروں کا ذکر ہے، ان کے نام لکھیں۔**

**جواب۔** جمیل الدین عالی نے اپنے سفرنامے ''روم زندہ شہر اور مردہ شہر'' میں درج ذیل اطالوی شہروں کا ذکر کیا ہے۔

**روم:** اٹلی کا مرکزی شہر ہے اور بہت خوبصورت شہر ہے۔ **وینس:** اٹلی کا قدیم اور خوبصورت شہر ہے۔ اس کے اردگرد پانی ہی پانی ہے۔

**سسلی:** اس کا عربی نام صقلیہ ہے۔ جزیرہ صقلیہ میں واقع ہے۔ **میلان:** یہ ایک صنعتی شہر ہے اور اٹلی کا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔

**پومپی آئی:** یہ ایک عظیم اور خوشحال شہر تھا، مگر اب اجڑ چکا ہے۔

**و۔ پومپی آئی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟**

**جواب:** جمیل الدین عالی نے اپنے سفرنامے ''روم زندہ شہر اور مردہ شہر'' میں اطالوی شہروں کا ذکر کرتے ہوئے ایک قدیم شہر پومپی آئی کا بھی ذکر کیا ہے۔

**پومپی آئی کا تعارف:** پومپی آئی کسی زمانے میں اٹلی کا ایک عظیم اور خوشحال شہر تھا جس کے حُسن و جمال کی کشش ہزاروں سیاحوں کو ادھر کھینچ لاتی تھی۔ مگر اب یہ شہر اس دنیا میں موجود نہیں ہے، کئی سو برس پہلے یہ شہر اللہ تعالیٰ کے قہر ''زلزلہ'' کا شکار ہو کر زمین میں دھنس گیا تھا۔ اس شہر کے مکان کھنڈر بن گئے اور مکین ان کھنڈروں میں دفن ہو گئے۔ آثارِ قدیمہ کے ہزاروں ماہرین اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس عظیم شہر کا کھوج لگا کر اسے زمین سے نکال سکیں مگر تا حال وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۔ اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔**

**جواب۔ خلاصہ:**

یہ سبق دراصل جمیل الدین عالی کے سفرنامے ''دنیا میرے آگے'' سے ماخوذ ہے۔ اس میں مصنف نے اٹلی کی سیر کا احوال خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ نے بتایا ہے کہ اٹلی کے لوگوں کی مرغوب غذا پیتسا ہے جسے انگریزی میں پیزا کہتے ہیں۔ پھر آپ نے پیزا تیار کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ اس کے علاوہ اطالوی سوّیوں ''اسپاگٹی'' کا بھی ذکر کیا ہے جنہیں چھری کانٹے کی مدد سے کھایا جاتا ہے۔ ماہر سفرنگار کی طرح مصنف نے اٹلی کے لوگوں کی عادات اور طرزِ معاشرت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اٹلی چونکہ یورپ کے انتہائی شمال میں واقع ہے اس لئے یہاں کا موسم کچھ گرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اٹلی کے لوگ دن کے کھانے کے بعد قیلولہ ضرور کرتے ہیں کیونکہ میدے کی روٹی کھانے کے بعد نیند کا خمار طاری ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مصنف نے روما کے قدیم پُل ''ٹائبر بینک'' کا بھی ذکر کیا ہے۔ اٹلی کے شہروں کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے بتایا ہے کہ روم اٹلی کا قابلِ ذکر اور حسین شہر ہے۔ وینس شہر کے اردگرد پانی ہی پانی ہے اور یوں لگتا ہے کہ یہ شہر پانی پر آباد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سسلی شہر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کا عربی نام صقلیہ ہے جو قدرتی چشموں کی سرزمین ہے۔ میلان شہر کے بارے میں بتایا کہ یہ ایک صنعتی شہر ہے اور تجارتی مرکز بھی ہے۔ مصنف نے ان ہنستے بستے شہروں کا ذکر کر کے شہرِ عبرت پومپی آئی کا بھی ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ شہر کبھی آباد اور خوشحال ہوا کرتا تھا۔ مگر اللہ کے عذاب زلزلے نے اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا اور اب یہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ آخر میں مصنف نے درسِ عبرت دیتے ہوئے کہا ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ کچھ عرصے بعد ہم سب بھی پومپی آئی بن جائیں گے اور تاریخ کا حصہ بن جائیں گے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۔ اپنے کسی سفر کی روداد دلچسپ پیرائے میں لکھیں۔**

**جواب۔ ایک مطالعاتی سفر کی روداد:**

18 اپریل 2018ء کو ہمارے کالج کی انتظامیہ نے طلباء اور اساتذہ کے لئے ایک مطالعاتی سفر کا پروگرام بنایا جو ٹیکسلا اور مری پر مشتمل تھا۔ پروگرام کے مطابق کالج بس پر ہم سب طلباء اور اساتذہ نے صبح سویرے سفر کا آغاز کیا۔ تمام راستے میں طلباء موج مستی اور خوش گپیوں میں لگے رہے اور پتہ بھی نہ چلا کہ ہم ٹیکسلا پہنچ گئے۔ لڑکے جلدی سے کیمرے ہاتھوں میں لئے بس سے اترے اور ٹیکسلا کے کھنڈرات کی سیر کرنے لگے۔ ہمارے مطالعہ پاکستان کے استاد ہمیں ان کھنڈروں کی تاریخی معلومات دیتے رہے۔ آپ نے بتایا کہ اس قدیم شہر کا نام پہلے ''سرکپ'' تھا جو بعد میں ''سری سکھ'' بن گیا۔ یہ شہر یونانیوں کا دارالخلافہ تھا۔ ہم نے وہاں کچھ پرانے مندر اور بت بھی دیکھے جو لوگوں کے لئے درسِ عبرت بنے ہوئے تھے۔ ٹیکسلا میں گندھارا تہذیب سے متعلق اہم معلومات حاصل کرنے کے بعد سب نے کھانا کھایا اور پھر ہمارا قافلہ مری کی جانب روانہ ہو گیا۔

ہماری بس جب شاہراہ مری پر چڑھی اور مری کے دلفریب مناظر شروع ہوئے تو سب طلباء ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔ البتہ اساتذہ کے چہروں پر کچھ سنجیدگی چھا گئی تھی۔ مری کے بلند و بالا سرسبز پہاڑ جہاں ایک سرور کی سی کیفیت پیدا کر رہے تھے وہاں دوسری جانب گہری کھائیوں نے وقتی طور پر خوف میں بھی مبتلا کر دیا تھا۔ مری پہنچ کر ہم سب مال روڈ پر گھومتے رہے اور کچھ خریداری بھی کی۔ چیئر لفٹ کے ذریعے ہم نے ہواؤں میں اڑنے کے مزے بھی لئے اور دلکش مناظر کی تصاویر بھی بنائیں۔ شام کے وقت ہم سب واپس روانہ ہوئے۔ واپسی کے سفر میں بس کے اندر خاموشی تھی کیونکہ سب لوگ تھکے ہوئے تھے۔ تقریباً رات آٹھ بجے ہمارا یہ کارواں کالج کے احاطے میں پہنچا اور سب طلباء اور اساتذہ اس دلچسپ سفر کی حسین یادیں سمیٹے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سبق : **لالچی وزیر** مترجم: **بشیر احمد بلوچ**

صنف : **لوک کہانی** ماخوذ : **بلوچی لوک کہانیاں**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| ریوڑ | بکریوں کا گلہ | دوہنا | دودھ نکالنا | اسلوب | انداز |
| ڈھنگ | طریقہ | دوزانو | گھٹنوں کے بل | ضعیف الاعتقادی | کمزور عقیدہ |
| خوش اعتقادی | اچھا عقیدہ | گڈریا | چرواہا | ثقافت | تہذیب |
| ویرانہ | غیر آباد علاقہ | خوار | ذلیل، رسوا | | |

## "معروضی سوالات"

**س۔ درست جواب پر ( ✓ ) کا نشان لگائیں۔**

| | سوال | الف | ب |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | "لالچی وزیر" کون سی کہانی ہے؟ | **الف۔ لوک کہانی** | ب۔ تاریخی کہانی |
| ۲۔ | "لالچی وزیر" کے مترجم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ | الف۔ بشیر بدر | **ب۔ بشیر احمد بلوچ** |
| ۳۔ | لوک کہانیاں عوام کے خیالات و جذبات کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہوتی ہیں۔ | الف۔ آئینہ دار | **ب۔ ترجمان** |
| ۴۔ | لوک کہانی کا اسلوب سادہ اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہوتا ہے۔ | الف۔ خاص | **ب۔ عوامی** |
| ۵۔ | بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ ملک کی سب سے ۔۔۔۔۔۔۔ چیز مجھے لا کر دو۔ | **الف۔ خراب** | ب۔ مہنگی |
| ۶۔ | وزیر نے دیکھا کہ سب بکریوں کے گلے میں ۔۔۔۔۔۔۔ کی گھنٹیاں پڑی ہیں۔ | **الف۔ سونے** | ب۔ چاندی |
| ۷۔ | اس کہانی کے مطابق سب سے بری چیز کیا ہے؟ | الف۔ ضد | **ب۔ لالچ** |
| ۸۔ | وزیر کتے کی طرح ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پینے کے لئے تیار ہو گیا۔ | **الف۔ دودھ** | ب۔ شراب |
| ۹۔ | گڈریا ۔۔۔۔۔۔۔ پڑھتا رہا اور رات ختم ہو گئی۔ | **الف۔ وظیفہ** | ب۔ کتاب |
| ۱۰۔ | صبح ناشتے کے بعد وزیر نے کہا، اب مجھے وہ ۔۔۔۔۔۔۔ دکھاؤ۔ | الف۔ جگہ | **ب۔ پہاڑ** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## "مشقی سوالات"

**الف۔ لوک کہانی کی تعریف کریں۔**

**جواب۔** لوک سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ہے آدمی، انسان۔

**لوک کہانی کی تعریف:**

لوک کہانی سے مراد وہ عوامی قصّے کہانیاں ہیں جو سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل عوام میں رائج ہوتی ہیں۔ یہ کہانیاں تحریری شکل میں نہیں ہوتیں اور ان کہانیوں میں مذہبی عقائد کے بجائے خوش اعتقادی یا ضعیف الاعتقادی کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔

**چند مشہور لوک کہانیاں:** میمونئے، سسی پنوں، ہیر رانجھا، داستان سیف الملوک وغیرہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ب۔ لوک کہانی پر کون سے عناصر و عوامل اثر انداز ہوتے ہیں؟**

**جواب۔** لوک کہانی پر مختلف علاقوں اور معاشروں کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات اثر انداز ہوتے ہیں۔ لوک کہانی کے ذریعے مختلف علاقوں کے رہنے والے لوگوں کے رسم و رواج، طرزِ معاشرت اور ثقافتی روایات کا اظہار ہوتا ہے۔

**ج۔　بادشاہ نے وزیر سے کیا فرمائش کی؟**

**جواب۔** مترجم بشیر احمد بلوچ کی لوک کہانی 'لالچی وزیر' کے مطابق بادشاہ نے اپنے وزیر سے یہ فرمائش کی۔

**بادشاہ کی فرمائش:**

بادشاہ نے اپنے وزیر سے فرمائش کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں جو چیز سب سے خراب ہے، وہ کل صبح مجھے لا کر دو۔ ناکامی کی صورت میں تمہیں مار دیا جائے گا۔ چنانچہ وزیر بادشاہ کی فرمائش پوری کرنے کی فکر میں شہر سے باہر ایک ویرانے میں جا پہنچا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**د۔　وزیر نے ویرانے میں کیا دیکھا؟**

**جواب۔** مترجم بشیر احمد بلوچ کی لوک کہانی ''لالچی وزیر'' کے مطابق وزیر، بادشاہ کی فرمائش پوری کرنے کی فکر میں ایک ویران علاقے میں جا پہنچا۔

**ویرانے میں گڈریا اور بکریاں:**

ویرانے میں وزیر کو بکریوں کا ایک ریوڑ دکھائی دیا، جس کے ساتھ ایک گڈریے کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ سب بکریوں کے گلے میں سونے کی گھنٹیاں پڑی ہوئی تھیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**ہ۔　سونے کا پہاڑ دکھانے کے لئے گڈریے نے کیا شرط پیش کی؟**

**جواب۔** مترجم بشیر احمد بلوچ کی لوک کہانی ''لالچی وزیر'' کے مطابق جب وزیر نے اصرار کرتے ہوئے گڈریے سے کہا کہ مجھے سونے کا پہاڑ دکھاؤ تو گڈریے نے ایک شرط پیش کی۔

**گڈریے کی شرط:**

سونے کا پہاڑ دکھانے کے لئے گڈریے نے وزیر کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ میں اپنی بکریوں کا دودھ جس برتن میں ڈال کر کُتے کو پلاتا ہوں تم بھی اُسی برتن سے کُتے کے انداز میں بیٹھ کر دودھ پیئو۔ پھر تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جائے گا اور تم سونے کا پہاڑ دیکھ پاؤ گے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**و۔　گڈریے کے مطابق لالچ انسان کو کس حد تک گرا دیتی ہے؟**

**جواب۔** مترجم بشیر احمد بلوچ کی لوک کہانی ''لالچی وزیر'' کے مطابق جب وزیر کتے کی طرح دودھ پینے کے لئے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا تو گڈریے نے اُسے دھکا دیا کہ ہٹ جاؤ۔ تمہیں ابھی تک نہیں پتا چلا کہ دنیا کی سب سے خراب چیز ''لالچ'' ہے۔ جو انسان کو مقامِ انسانیت سے گرا کر پستیوں میں پہنچا دیتی ہے اور ذلیل و خوار کر دیتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔　گڈریے اور وزیر کے درمیان ہونے والی گفتگو اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔**

**جواب۔** مترجم بشیر احمد بلوچ کی لوک کہانی ''لالچی وزیر'' کے مطابق گڈریے اور وزیر کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

**گڈریے اور وزیر کی گفتگو:**

جب وزیر شہر چھوڑ کر ویرانے میں پہنچا تو اسے ایک گڈریا بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ دکھائی دیا۔ بکریوں کے گلے میں سونے کی گھنٹیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تو وزیر نے گڈریے سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ گڈریے نے جواب دیا کہ یہ پتھر ہیں۔ تو وزیر نے اس جگہ جانے کی خواہش ظاہر کی جہاں سے یہ پتھر مل سکتے تھے۔ تو گڈریے نے کہا رات میرے پاس رکو، صبح وہ پہاڑ دکھا دوں گا۔ صبح جب وزیر نے پہاڑ پر جانے کا کہا تو گڈریے نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر وزیر نے گڈریے سے فرمائش کی کہ تم مجھے بکریوں کے گلے سے یہ اتار کر دے دو، اپنے لئے تم اور پتھر لے آنا۔ تو گڈریے نے اس کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر تم کتے کے برتن سے کتے کی طرح دودھ پیئو تو میں یہ پتھر تمہیں دے دوں گا اور تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جائے گا اور تم سونے کے پہاڑ دیکھ سکو گے۔ وزیر کتے کی طرح دودھ پینے پر راضی ہو گیا اور دوزانو ہو کر بیٹھ گیا تو گڈریے نے اسے دھکا دے کر ہٹا دیا اور کہا کہ دنیا کی سب سے خراب چیز یہی لالچ ہے، جس نے تمہیں خوار کر دیا ہے اور مقامِ انسانیت سے بھی گرا دیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س4۔ قواعد کے مطابق جملے درست کریں۔

| جواب۔ | غلط | درست |
|---|---|---|
| ا۔ | وزیر تیار ہو گیا کتے کی طرح دودھ پینے کے لئے۔ | وزیر کتے کی طرح دودھ پینے کے لئے تیار ہو گیا۔ |
| ب۔ | دنیا کی سب سے بری چیز ہے لالچ۔ | دنیا کی سب سے بری چیز لالچ ہے۔ |
| ج۔ | وزیر کی جب آنکھ کھلی آدھی رات کو۔ | آدھی رات کو جب وزیر کی آنکھ کھلی۔ |
| د۔ | کتے والے گندے برتن میں گڈریے نے دودھ دوہیا۔ | گڈریے نے کتے والے گندے برتن میں دودھ دوہا۔ |
| ہ۔ | وہ دوزانو ہو کر اپنے گھٹنے تہہ کر کے بیٹھ گیا۔ | وہ اپنے گھٹنے تہہ کر کے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س۔ درج ذیل اقتباس کی تلخیص کریں، جو اصل عبارت کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

(نوٹ: عبارت کتاب میں ملاحظہ کریں)

جواب۔ تلخیص:

جب میں نے دیکھا کہ میرے مقدر میں مار کھانا ہی لکھا ہے تو میں نے بھی بے حیائی کا لبادہ اوڑھ لیا اور سوچا کہ جب مار کھانا ہی قسمت میں لکھا ہے تو پھر کام کرنے کا کیا فائدہ؟ دوسرے لوگ چاہے جو مرضی کہیں، اب میں کام نہیں کروں گا۔ سب خود ہی بک بک کر کے تھک جائیں گے۔ میری یہ چال کامیاب رہی، ذرا کوئی ہاتھ لگاتا تو میں اتنا چیختا جیسے میرا گلا ہی دبا دیا ہو۔ لیکن سچ ہے کہ ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ ہے۔ چھوٹی صاحبزادی مجھ سے بھی تیز نکلی۔ مجھے مار کر وہ خود رونے بیٹھ جاتی، جس کی وجہ سے مجھے برا بھلا کہا جاتا۔ لیکن میں اس کا بھی بدلہ لے لیتا تھا، جب کبھی بیگم صاحبہ چھوٹی بی بی پر خفا ہوتیں تو میں مہینہ پہلے والی باتیں بھی یاد کرا کے جلتی پر تیل ڈالتا۔ کامیابی کی صورت میں چھوٹی بی بی کو خوب مار پڑتی ورنہ دوسری صورت میں مجھے چغل خور قرار دے کر میری شامت آجاتی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

س۔ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر عبارت کی تشریح کریں۔

عبارت:

**وزیر کتے کی طرح دودھ پینے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ اپنے گھٹنے تہہ کر کے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا تو گڈریے نے اسے دھکا دیا کہ ہٹ جاؤ، ابھی تک تمہیں پتا نہیں چلا کہ سب سے خراب چیز کون سی ہے؟ ''لالچ'' سب سے خراب چیز ہے۔ سب کو خوار کر دیتی ہے۔ تم نے بھی لالچ میں آ کر اپنا حال دیکھا۔**

حوالۂ متن:

سبق: لالچی وزیر　مترجم: بشیر احمد بلوچ

صنف: لوک کہانی　ماخوذ: بلوچی لوک کہانیاں

سیاق وسباق:

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر سے فرمائش کی کہ مجھے سب سے خراب چیز لا کر دو۔ وزیر اس چیز کی تلاش میں شہر سے باہر ایک ویرانے میں چلا آیا۔ وہاں اس نے ایک گڈریے کو بکریوں کے ساتھ دیکھا اور تمام بکریوں کے گلے میں سونے کی گھنٹیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وزیر نے اس سے گھنٹیاں مانگیں تو گڈریے نے کہا رات یہاں رکو، صبح تمہیں اس پہاڑ پر لے جاؤں گا۔ لیکن صبح گڈریے نے پہاڑ پر جانے سے انکار کر دیا۔ وزیر نے کہا تم مجھے اپنی بکریوں کے گلے سے گھنٹیاں اتار کر دے دو۔ اس پر گڈریے نے شرط رکھی کہ تم کتے کی طرح برتن سے دودھ پیو۔

تشریح:

یہ عبارت سبق کے آخری حصے سے لی گئی ہے اور اس عبارت میں وزیر کو لالچ کی انتہا پر دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ جب گڈریے نے اس کے سامنے یہ شرط رکھی کہ تم کتے کی طرح دودھ پیو تو وزیر سونے کو حاصل کرنے کی لالچ میں اس بات کو ماننے پر بھی آمادہ ہو گیا۔ جب گڈریے نے اسے پینے کے لئے دودھ دیا تو وزیر گھٹنوں کے بل دوزانو ہو کر بیٹھ گیا تا کہ کتے کی طرح دودھ پی سکے۔ مگر گڈریے سے یہ منظر برداشت نہ ہوا اور اس نے وزیر کو دھکا دے کر وہاں سے ہٹا دیا اور اسے ملامت کرنے لگا کہ تمہیں اب تک پتا چل جانا چاہیے تھا کہ دنیا کی سب سے خراب چیز لالچ ہے، جو انسان کو مقامِ انسانیت سے نیچے پستیوں میں گرا دیتی ہے۔ تم نے لالچ کی اور اس لالچ کے نتیجے میں ذلیل وخوار ہو گئے ہو۔ اب تم نے اپنا حال دیکھ لیا ہے کہ لالچ انسان کو کس قدر رسوا کر دیتی ہے۔

# مکاتیب

ہم روزانہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور افسران وغیرہ سے حسبِ خواہش وضرورت بات چیت کرتے ہیں۔اگر یہی لوگ ہم سے دُور ہوں تو ہم اپنی باتیں انہیں کاغذ پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔اس تمہیدی بات کی روشنی میں مکتوب نویسی یا خطوط نویسی کی تعریف کچھ یوں ہوگی۔

**تعریف:**

اپنی گفتگو یا بات چیت کسی شخص کو لکھ کر بھیجنا مکتوب نگاری ہے۔مکتوب نگاری ادب کی قدیم صنف ہے اور خط کو ''نصف ملاقات'' بھی کہتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''خطوط نویسی کی اقسام''

(۱) نجی خطوط　(۲) کاروباری خطوط　(۳) سرکاری خطوط

**ابتدائی دَور:**

اردو کے ابتدائی دَور میں خط کی عبارت بہت پر تکلف ہوتی تھی۔ لمبے چوڑے القابات اور مشکل الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔سب سے پہلے مرزا غالبؔ نے فرسودہ اور پرانے طرزِ آداب والقاب کو ترک کیا۔اور سیدھی سادی زبان استعمال کی اور نئی وضع اختیار کرتے ہوئے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔

علامہ اقبال کے خطوط بھی ان کی شاعری کی طرح بہت اہم ہیں۔آپ کے خطوط میں اس زمانے کے سیاسی وسماجی حالات کے ساتھ ساتھ ادبی مشاغل کی تفصیل بھی ملتی ہے۔خطوطِ اقبال کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں،جن میں شادِ اقبال،خطوطِ اقبال اور انوارِ اقبال قابلِ ذکر ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''خطوطِ غالبؔ''

اِس عنوان کے تحت مرزا غالبؔ کے دو خطوط شاملِ نصاب ہیں: (۱) مرزا حاتم علی بیگ کے نام　(۲) میر مہدی مجروح کے نام

**مرزا حاتم علی بیگ:**

مرزا حاتم علی بیگ 1815ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔یہ مرزا غالبؔ کے شاگرد تھے۔جج بھی رہے اور وکالت بھی کی۔

**میر مہدی مجروح:**

یہ بھی مرزا غالبؔ کے شاگرد ہیں۔دہلی کے رہنے والے تھے،جنگِ آزادی کے بعد پانی پت چلے گئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| بیورا | خبر،اطلاع | درنگ | دیر،تاخیر | مطبع | پریس |
| طلائی لوح | سنہری تختی،ورق | منہائی | کم کرنا،گھٹانا | حصار | ڈویژن |
| زمزمہ پرداز | گلوکار | قلمرو | سلطنت،حکومت | مہاجن | ہندو،سودی کاروبار والا |
| ہزارکوس | دو ہزار میل کی دوری | مراسلہ | خط | بادۂ گلفام | سرخ شراب |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ غالبؔ کا پہلا خط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے نام ہے۔　**الف۔مرزا حاتم علی**　ب۔میر تقی میر

۲۔ غالبؔ کا دوسرا خط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے نام ہے۔　الف۔میر حسن　**ب۔میر مہدی مجروح**

۳۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو۔　**الف۔ہزارکوس**　ب۔ہزار میل

۴۔ ہزاروں روپے کے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ برباد ہو گئے۔　**الف۔کتب خانے**　ب۔کپڑے

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۵۔ | دو کتابوں کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرتب ہو گئی ہے۔ | الف۔جلد | **ب۔طلائی لوح** |
| ۶۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔میں صرف تین آدمی باقی ہیں۔ | **الف۔اہلِ اسلام** | ب۔دہلی |
| ۷۔ | غالبؔ نے میر مہدی مجروح کو خط کب لکھا؟ | الف۔۲دسمبر۱۸۷۸ء | **ب۔۲دسمبر۱۸۵۹ء** |
| ۸۔ | ایک فقیر کہ۔۔۔۔۔۔۔بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے۔ | **الف۔خوش آواز** | ب۔خوش شکل |
| ۹۔ | جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز۔۔۔۔۔۔۔۔۔نکلنا سن جاؤ۔ | الف۔گول چکر | **ب۔گول میدان** |
| ۱۰۔ | نواب گورنر جنرل بہادر۔۔۔۔۔۔۔کو داخل ہوں گے۔ | **الف۔پندرہ دسمبر** | ب۔پندرہ نومبر |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س1۔ غالب نے مراسلہ کو مکالمہ کیسے بنایا؟ وضاحت کریں۔**

**جواب۔** غالب نے حاتم علی بیگ کے نام خط میں مراسلہ کو مکالمہ بنانے کا ذکر کیا ہے۔

**مراسلہ:**

مراسلہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ خط یا چٹھی کو مراسلہ کہتے ہیں۔

**مکالمہ:**

مکالمہ بھی عربی زبان کا لفظ ہے۔ آپس کی گفتگو کو مکالمہ کہتے ہیں۔

**مراسلے کو مکالمہ بنانا:**

غالبؔ کے خطوط کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ مراسلے کو مکالمے کا رنگ دیتے ہیں یعنی اپنے اندازِ تحریر سے مراسلے کو مکالمے میں بدل دیتے ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہوں۔ خط میں گفتگو اور بات چیت کا انداز غالبؔ نے ہی پیدا کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ غالبؔ کے خطوط اردو نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س2۔ غالبؔ اپنے کلام کو کیوں ترستا ہے؟**

**جواب۔** غالبؔ نے حاتم علی بیگ کے نام جو خط لکھا ہے، اس کے مطابق غالبؔ کا اپنے کلام کے لئے ترسنا درج ذیل وجوہات کی بناء پر ہے۔

**کلام کے لئے ترسنے کی وجہ:**

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں دہلی پر جو قیامت ٹوٹی، تو اس پریشان کن صورتحال میں بدامنی اور نقل مکانی کے سبب غالبؔ کے گھر کا ساز و سامان، مسوّدے اور کتابیں سب کچھ برباد ہو گیا۔ نواب ضیاء الدین اور نواب حسین مرزا جو غالبؔ کی شاعری کے مدّاح تھے اور غالبؔ کا کلام اپنے پاس جمع کرتے تھے۔ مگر دہلی کے ان ہنگاموں میں ان دونوں کے گھر بار بھی لُٹ گئے اور قیمتی کتب خانے برباد ہو گئے، جس کے نتیجے میں ان کے پاس بھی غالبؔ کا جمع شدہ کلام ضائع ہو گیا۔ اس طرح غالب کا زیادہ تر کلام دہلی کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا اور غالبؔ اپنے کلام کو ترسنے لگا کہ ان کا کہا ہوا کلام اب کہاں سے ملے گا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3۔ غالب کے خطوط میں اکثر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے پیدا شدہ صورتحال کا ذکر ملتا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا جانتے ہیں؟**

**جواب۔** **غالبؔ کے خطوط اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی:**

غالبؔ کے خطوط صرف ان کی ذاتی زندگی کا روزنامچہ نہیں ہیں بلکہ ان کے عہد کی تاریخ بھی اس میں سمٹ آئی ہے کیونکہ غالبؔ اپنے خطوط میں اپنے زمانے کے سیاسی ہنگاموں کو بھی بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً بہادر شاہ ظفر کا قلعے سے نکلنا، دہلی کی تباہی اور قتل و غارت گری اور انگریزی حکومت کی من مانیاں اور اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی معاشی حالتِ زار کے حالات بھی غالبؔ نے اپنے خطوط میں تحریر کئے ہیں۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد مسلمان انتہائی پریشان کن صورت حال سے دوچار تھے، ہندستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر انگریز کے قبضے میں چلی گئی تھی۔ مسلم ریاستیں ختم ہو گئیں اور مسلمان مردوں اور عورتوں کا قتلِ عام ہوا تھا۔ الغرض غالبؔ کے خطوط کی روشنی میں اُس دَور کی ایک سچی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔

**س4۔ ان خطوط کی روشنی میں خطوطِ غالب کی خصوصیات لکھیں۔**

**جواب۔** ان خطوط کی روشنی میں خطوطِ غالب کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ا۔ **مکالماتی انداز:**

مرزا غالب کے خطوط کی ایک نمایاں خصوصیت مکالماتی انداز ہے۔ان کے خطوط پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ دو افراد باہم گفتگو کر رہے ہیں۔اس سے پہلے ہمیں اردو خطوط میں ایسا انداز نہیں ملتا۔

۲۔ **القاب و آداب:**

غالب سے پہلے خطوں میں لمبے چوڑے القابات اور بناوٹی و ثقیل الفاظ سے مزّین آداب و القاب لکھے جاتے تھے۔مگر غالب نے اس فرسودہ اور پرانے طرزِ آداب و القاب سے گریز کیا اور سیدھے سادے انداز میں مکتوب الیہ کو مخاطب کیا۔

۳۔ **بے تکلفی اور سادگی:**

غالب کے خطوط کا ایک نمایاں وصف ان کی بے تکلفی اور سادگی بھی ہے۔ان کے خطوط میں دوستانہ ماحول ملتا ہے۔

۴۔ **شوخی و ظرافت:**

غالب کی طبیعت میں شوخی و ظرافت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔اس لئے آپ کے خطوط میں بھی شوخی و ظرافت کی جھلک واضح طور پر نظر آتی ہے۔ آپ ہر واقعے کو دلچسپ انداز میں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔

۵۔ **مقفیٰ عبارت:**

غالب کے زمانے میں قافیے جوڑ کر مقفیٰ انداز میں نثر لکھنے کو عالمانہ خوبی سمجھا جاتا تھا۔غالب کے خطوں میں بھی کہیں کہیں یہ انداز ملتا ہے۔مگر اس میں بھی بناوٹ معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایسا لگتا ہے کہ روانی میں لکھتے لکھتے خود بخود قافیے پیدا ہو گئے ہیں۔

۶۔ **ذاتی و سماجی حالات:**

غالب کے خطوط ان کی ذاتی زندگی کے حالات کے آئینہ دار ہیں۔وہ اپنے خطوط میں ذاتی حالات کو بیان کرنے کے علاوہ اپنے زمانے کے سماجی اور معاشرتی حالات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔گویا غالب کے خطوط ان کی ذاتی و سماجی زندگی کی بھر پور ترجمانی کرتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س5۔ ان خطوط میں مقفیٰ جملے تلاش کر کے لکھیں۔**

**جواب۔** ان خطوط میں درج ذیل مقفیٰ جملے استعمال ہوئے ہیں۔

ا۔ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو۔

۲۔ کس حال میں ہو، کس خیال میں ہو۔

۳۔ اس نے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا، یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا۔

۴۔ دیکھئے کہاں اترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔

۵۔ ایک فقیر کہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س6۔ دوسرے خط کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔**

**جواب۔** غالب کا دوسرا خط اپنے شاگرد میر مہدی مجروح کے نام ہے اور اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

**دوسرے خط کا خلاصہ:**

غالب لکھتے ہیں کہ دہلی کی چہل پہل اور رونق قلعہ، چاندنی چوک، جامع مسجد کے بازار، ہر ہفتے جمنا کے پُل کی سیر اور ہر سال پھولوں والے میلے پر منحصر تھی۔مگر اب یہ سب چیزیں نہیں ہیں اور اب یہ صرف نام کا دہلی رہ گیا ہے۔پھر غالب نے نواب گورنر جنرل کی 15 دسمبر کو شہر میں داخلے کی خبر دی ہے۔مزید بتایا ہے کہ پہلے سات جاگیردار ہوتے تھے جن کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ان میں سے چار تو بالکل ختم ہو گئے ہیں اور مسلمانوں میں بھی صرف تین قابلِ ذکر لوگ باقی ہیں، میرٹھ میں مصطفیٰ خان، سلطان جی میں مولوی صدر الدین اور محلّہ بلی ماراں میں مرزا غالب۔

آگے فرماتے ہیں کہ تمہیں اگر دہلی آنے کا شوق ہو تو آجاؤ اور ویران سڑکیں اور گلیاں دیکھو، جامع مسجد کے ارد گرد گول میدان دیکھو۔سب سے آخر میں دوستوں کو سلام اور شاگردوں کو پیار کہا ہے۔

**س7۔　اپنے دوست کو اپنے علاقے کے حالات کے متعلق خط لکھیں۔**

**جواب۔**

از پشاور

21 جون 2018

پیارے دوست احمد!

سلام مسنون! آج ہی تمہارا خط ملا، جس میں تم نے مجھ سے میرے علاقے کے حالات کے بارے میں پوچھا ہے۔اس پرسشِ احوال کے لئے میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

اپنے شہر پشاور کے حالات کیا سناؤں، دہشت گردی کا خطرہ ہر شہری کے سر پر منڈلا رہا ہے۔چھوٹا بڑا، امیر غریب کوئی بھی محفوظ نہیں۔ ہر آدمی اس خوف کی فضا میں خود کو غیر محفوظ تصور کرتا ہے۔قتل و غارت اور لُوٹ مار کا بازار گرم ہے۔موبائل پر پیغامات آتے ہیں کہ اتنے پیسے دو، ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔غرض حالات نہایت ہی ناگفتہ بہ ہیں۔معلوم نہیں اس شہر کو کس کی نظر کھا گئی ہے۔

اور اس شہر کا دوسرا بڑا مسئلہ بجلی کا کثرت سے غائب رہنا ہے۔آٹھ آٹھ گھنٹے لگاتار بجلی نہیں ہوتی، گرمی سے برا حال ہو جاتا ہے اور بجلی نہ ہونے کی وجہ سے پینے کا پانی بھی میسر نہیں آتا۔اس کے علاوہ مہنگائی اپنے عروج پر ہے اور غریب آدمی کے لئے ضروریاتِ زندگی پوری کرنا محال ہو گیا ہے۔

خیر تم ہمارے لئے دعا کرو اور اپنی سناؤ تمہاری پڑھائی کیسی ہو رہی ہے اور امتحانات کب ہیں؟

میری طرف سے اپنے والدین کو سلام کہنا اور دعا کی درخواست کرنا۔

والسلام

آپ کا مخلص دوست

نور زمان

# ''مکاتیبِ اقبال''

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

☆ علامہ اقبال کے دو خطوط شاملِ نصاب ہیں۔ایک خط مولوی عبدالحق کے نام ہے اور دوسرا خط اقبالؒ نے اپنے والد شیخ نور محمد کو لکھا ہے۔

۱۔ **مولوی عبدالحق:** مولوی عبدالحق 16 نومبر 1872ء کو پاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔آپ نے اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں زندگی صَرف کی۔اسی وجہ سے آپ کو بابائے اردو کہا جاتا ہے۔

۲۔ **شیخ نور محمد:** شیخ نور محمد کراچی میں پیدا ہوئے۔تعلیم مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی۔آپ علامہ اقبال کے والد ہیں۔آپ کا تعلق شیخ خاندان سے تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

| الفاظ | معنی | الفاظ | معنی | الفاظ | معنی |
|---|---|---|---|---|---|
| طباعت | چھپائی | مجدّد | تجدید کرنے والا | رزم گاہ | میدان جنگ |
| احرار | آزاد لوگ | عصبیت | طرف داری | خانوادے | خاندان |
| نوازش نامہ | محبت نامہ،خط | مستقر | ٹھکانہ،مرکز | مناصب | عہدے |
| تہی دست | خالی ہاتھ | | | | |

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | اقبال کا پہلا خط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے نام ہے۔ | الف۔مولوی نذیر احمد | **ب۔مولوی عبدالحق** |
| ۲۔ | اقبال کا دوسرا خط اپنے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے نام ہے۔ | الف۔چچا | **ب۔والد** |
| ۳۔ | مولوی عبدالحق کے نام خط 27 ستمبر ۔۔۔۔۔۔۔۔ کو لکھا گیا۔ | **الف۔1936ء** | ب۔1940ء |
| ۴۔ | اقبال نے اپنے والد کو خط 3 جون ۔۔۔۔۔۔۔۔ کو لکھا۔ | الف۔1930ء | **ب۔1920ء** |
| ۵۔ | میری لسانی عصبیت ۔۔۔۔۔۔۔۔ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ | **الف۔دینی عصبیت** | ب۔قومی تعصب |
| ۶۔ | اقبال کے خیال میں انجمن کا مستقر ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہونا چاہیے۔ | **الف۔لاہور** | ب۔سندھ |
| ۷۔ | مگر افسوس کہ اکثر مسلمان اُمراء ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ | الف۔کنجوس | **ب۔مقروض** |
| ۸۔ | دہی کی لسی ان جراثیم کے لئے بمنزلہ ۔۔۔۔۔۔۔۔ کے ہے۔ | **الف۔زہر** | ب۔موت |
| ۹۔ | ڈاکٹر عبداللطیف نے آپ کے ۔۔۔۔۔۔۔۔ بنائے تھے۔ | الف۔ٹیسٹ | **ب۔دانت** |
| ۱۰۔ | روحانی کیفیات کا سب سے بڑا معاون یہی کھانے پینے کی چیزوں میں ۔۔۔۔۔۔ ہے۔ | الف۔کثرت | **ب۔احتیاط** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1۔ اقبالؒ نے کھانے پینے کے معاملے میں حضورؐ کی کیا سنت بیان کی ہے؟**

**جواب۔** اقبالؒ نے اپنے والد گرامی کے نام خط میں کھانے پینے کے معاملے میں حضورؐ کی ایک سنت بھی بیان کی ہے۔

**سنت کا مفہوم:** سنت کے لفظی معنی ''طریقہ'' اور ''عادت'' کے ہیں۔اور شریعت کی اصطلاح میں قولِ رسول،فعلِ رسول،تقریرِ رسول کو سنت کہا جاتا ہے۔

**اقبال کی بیان کردہ سنت:** اقبال نے اپنے والد کے نام خط میں حضورؐ کے حوالے سے یہ سنت بیان کی ہے کہ کھانے پینے کے معاملے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔اور کھانے پینے میں احتیاط دو طرح کی ہے۔

۱۔ حلال غذا کھانا،حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنا　۲۔ بھوک سے ذرا کم کھانا

اقبال کے مطابق کھانے پینے میں احتیاط سے روحانی کیفیات نہ صرف برقرار رہتی ہیں بلکہ ان میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

**س2۔ اقبال انجمن کے مستقر کے لئے لاہور کے انتخاب پر کیوں زور دیتے ہیں؟**

**جواب۔** علامہ اقبال نے مولوی عبدالحق کے نام خط میں انجمن اردو کے مستقر کے لئے لاہور کے انتخاب پر زور دیا ہے اور اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

**وجہ 1:** اقبال نے اپنی بصیرت سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کو اپنی بقا اور تحفظ کی جو جنگ لڑنی ہوگی، اس کا میدان پنجاب ہی ہوگا۔

**وجہ 2:** انجمن اردو کے لئے پبلشنگ ہاؤس کا قیام بھی لاہور ہی میں کامیابی کے ساتھ ممکن ہوسکتا ہے، کیونکہ لاہور ایک بڑا پبلشنگ سنٹر ہے اور پبلشنگ کا زیادہ تر کام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔

**وجہ 3:** لاہور اور پنجاب کے لوگوں میں اثر قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہے۔ یہ حق بات سے متاثر ہوکر اس پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور یہاں ضرورت پڑنے پر ہزاروں افراد کا مجمع آسانی سے جمع ہوسکتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س3۔ روحانیت کی کمی سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟**

**جواب۔** اقبالؒ نے اپنے والد گرامی کے نام خط میں موجودہ زمانے کے لوگوں میں روحانیت کی کمی کا بھی ذکر کیا ہے۔

**روحانیت کا مفہوم:** روحانیت سے مراد یہ ہے کہ انسان عبادات و ریاضت کے ذریعے اللہ کے قُرب کی اس منزل تک پہنچ جائے کہ ظاہر کے ساتھ ساتھ اس کا باطن بھی روشن و منور ہو جائے۔

**معاشرے پر اثرات:** اقبال کے مطابق روحانیت کی کمی سے معاشرے پر درج ذیل منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ا۔ روحانیت کی کمی سے اخلاص و محبت کا نام و نشان نہیں رہتا۔
۲۔ اتحاد و اتفاق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔
۳۔ آدمی آدمی کا خون پینے والا اور قوم قوم کی دشمن بن جاتی ہے
۴۔ معاشرے میں گناہوں کی تاریکی عام ہو جاتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س4۔ ان جملوں کی وضاحت کریں۔**

**الف۔ عام مسلمانوں کی حالت اقتصادی اعتبار سے حوصلہ شکن ہے۔ اُمراء توجہ کریں تو کام بن سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ اکثر مسلمان اُمراء مقروض ہیں۔**

**وضاحت:** یہ جملہ اقبال کے پہلے خط بنام مولوی عبدالحق سے لیا گیا ہے۔ اس جملے میں علامہ اقبال مولوی عبدالحق سے کہہ رہے ہیں کہ آپ "انجمن ترقیِ اردو" کے فروغ کے لئے کوشش تو کر رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اس انجمن کے لئے فنڈ کہاں سے آئیں گے؟ کیونکہ عام درمیانے درجے کے مسلمانوں کی مالی حالت ایسی نہیں کہ وہ چندہ دے سکیں اور جو مسلمان امیر اور پیسے والے ہیں، ان کی توجہ اور مدد سے کام بن سکتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اکثر مسلمان امراء خود دوسروں کے مقروض ہیں

**ب۔ یہ دَور انتہائی تاریکی کا ہے۔ لیکن تاریکی کا انجام سفیدی ہے، کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔**

**وضاحت:** یہ جملہ اقبال کے دوسرے خط بنام والد گرامی (شیخ نور محمد) سے لیا گیا ہے۔ اس جملے میں علامہ اقبال اُس زمانے کو جہالت اور ظلم کے اندھیروں کا زمانہ قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اقبال کو امید ہے کہ جس طرح کالی رات کے بعد روشن صبح طلوع ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ اپنا کرم کرے گا اور لوگوں کو ان اندھیروں سے نکال دے گا۔

**ج۔ میری لسانی عصبیت، دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔**

**وضاحت:** یہ جملہ اقبال کے پہلے خط بنام مولوی عبدالحق سے لیا گیا ہے۔ اور اس جملے میں اقبال مولوی عبدالحق سے کہہ رہے ہیں کہ میں اگرچہ آپ کی طرح اردو زبان کی خدمت کرنے کی اہلیت تو نہیں رکھتا لیکن جس طرح میں دینِ اسلام کا بہت بڑا حمایتی ہوں اور دینِ اسلام کا فروغ میری دلی خواہش ہے اسی طرح میں اردو زبان کا بھی بہت بڑا حمایتی ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ اردو زبان بھی پھلے پھولے اور پروان چڑھے۔

**د۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کے جسم میں ایسے جراثیم ہیں جو قاطع حیات ہیں اور دہی کی لسی ان جراثیم کے لئے بمنزلہ زہر کے ہے۔**

**وضاحت:** یہ جملہ علامہ اقبال کے دوسرے خط بنام (والد گرامی شیخ نور محمد) سے لیا گیا ہے۔ اور اس جملے میں علامہ اقبال اپنے والد صاحب کو انتظامِ خوراک کے حوالے سے لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ میں نے یورپ کے ایک مشہور حکیم کی کتاب میں پڑھا ہے کہ جو آدمی روزانہ دہی کی لسی پیتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی جسم میں کچھ ایسے جراثیم ہیں جو زندگی کو ختم کر دیتے ہیں اور دہی کی لسی ان جراثیم کو مار دیتی ہے۔ لہٰذا دہی کی لسی صحت کے لئے بہت مفید ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں　ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

# حصہ نظم

مرتب کنندہ: مولانا جنید مسعود
لیکچرر اردو
0314-4470007

نظم : **حمد**　شاعر : **ماہرؔ القادری**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**اصل نام:** آپ کا اصل نام منظور حسین اور ماہرؔ تخلص تھا۔لیکن آپ ماہر القادری کے نام سے مشہور تھے۔

**ابتدائی حالات:** ماہر القادری 30 جولائی 1904ء کو اتر پردیش کے ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم علی گڑھ سے حاصل کی۔

**ادبی خدمات:** حیدر آباد دکن میں آپ کی ادبی شہرت بامِ عروج پر تھی۔کچھ عرصہ روزنامہ ''مدینہ'' سے وابستہ رہے اور 1949ء میں ''فاران'' کے نام سے رسالہ نکالا۔

**فنِ نعت گوئی:** ماہر القادری نے تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی لیکن آپ کی اصل شہرت نعت گوئی کی وجہ سے ہے۔چونکہ آپ کی شاعری کا محور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے،اس لئے موضوع کی مناسبت سے آپ کی زبان نہایت پاکیزہ اور شائستہ ہے۔

**وفات وتدفین:** آپ کا انتقال 1978ء کو جدّہ کے ایک مشاعرے میں حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے ہوا اور وصیت کے مطابق مکہ معظّمہ میں دفن ہوئے

**مجموعہ ہائے کلام:** محسوساتِ ماہر،نغماتِ ماہر،جذباتِ ماہر،ذکرِ جمیل وغیرہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | حمد کے شاعر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ | **الف۔ماہر القادری** | ب۔نظیر اکبر آبادی |
| ۲۔ | ماہر القادری کا اصل نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔ | الف۔نور حسین | **ب۔منظور حسین** |
| ۳۔ | ماہر القادری کی شہرت کا اصل سبب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ | الف۔حمد | **ب۔نعت گوئی** |
| ۴۔ | آبشاروں کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہو کہ گلبانگِ ہزار | **الف۔ترنم** | ب۔گیت |
| ۵۔ | اس کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے نمونے ہیں وہ نکہت ہو کہ رنگ | الف۔قدرت | **ب۔صنعت** |
| ۶۔ | جس نظم میں خدا کی تعریف بیان کی جائے وہ۔۔۔۔۔۔۔ کہلاتی ہے۔ | **الف۔حمد** | ب۔نعت |
| ۷۔ | ذرے ذرے کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ خدا ہے موجود | الف۔عنایت | **ب۔شہادت** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1۔ ''یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں ذرا غور سے دیکھ'' حمد کے اشعار کے پسِ منظر میں اس مصرعے کی وضاحت کریں۔**

**جواب۔** یہ مصرعہ ماہر القادری کی ''حمد'' کا ہے۔آیات سے مراد نشانیاں ہیں اور ان نشانیوں کا ذکر حمد کے پہلے اشعار میں کیا جا چکا ہے۔وہ نشانیاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ کائنات کے ذرے ذرے کا یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔
۲۔ ایک ایک پتہ اللہ کی کاریگری کا اظہار کر رہا ہے۔
۳۔ اللہ نے جوہر کو توانائی عطا کی۔
۴۔ پھولوں اور پتوں کو اللہ نے نقش ونگار عطا کئے۔
۵۔ آبشاروں کے ترنم اور پرندوں کی چہچہاہٹ میں بھی اللہ کی صدا ہے۔

ان سب نشانیوں میں غور وفکر کر کے انسان اللہ کو پہچان سکتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ حمد کی تعریف کریں اور کوئی سے تین حمدیہ اشعار لکھیں۔**

**جواب۔ حمد کی تعریف:** وہ نظم حمد کہلاتی ہے جس میں اللہ کی تعریف کی گئی ہو، اور اس میں اللہ کی صفات وقدرت کو بیان کیا گیا ہو۔

**تین حمدیہ اشعار:**

۱۔ تُو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا　　میں جان گیا تیری پہچان یہی ہے

۲۔ کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا　　باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

۳۔ ازل ابد کی نوا لا الہ الا اللہ　　ہے وردِ صبح و مسا لاالہ الا اللہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ قواعد کے حوالے سے جملے درست کریں۔**

**جواب۔** ۱۔ یا کھانا کھاؤ یا چائے پیئو۔　　**درست:** کھانا کھاؤ یا چائے پیئو۔

۲۔ لوگوں! میری بات سنو۔　　**درست:** لوگو! میری بات سنو۔

۳۔ وہ ہنستا ہوا بولا۔　　**درست:** وہ ہنستے ہوئے بولا۔

۴۔ جب میں لاہور پہنچ جاؤں گا، تم کو خط لکھوں گا۔　　**درست:** جب میں لاہور پہنچوں گا، تو تمہیں خط لکھوں گا۔

۵۔ میں نے صاف صاف بتا دیا ہے اب ہماری صلح نہیں ہوگی۔　　**درست:** میں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اب ہماری صلح نہیں ہوگی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ اس حمد کے قوافی لکھیں۔**

**جواب۔** قوافی جمع ہے قافیہ کی۔ شعر کے آخر میں ردیف سے پہلے آنے والے ہم آواز الفاظ قافیہ کہلاتے ہیں۔

**حمد کے قوافی:** **پکار　　اقرار　　نگار　　ہزار　　بہار**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۔ حمد کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔**

**جواب۔ خلاصہ:** ماہر القادری کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات کا اقرار اصل میں انسانی فکر ودانش کی معراج ہے۔ ہمارے وجدان کی آواز اور فطرت کی پکار بھی درحقیقت میں اللہ کے وجود کا اقرار کرنا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کے وجود کی گواہی دیتا ہے۔ درخت کا ہر پتہ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور کاریگری کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔ اللہ بہترین تخلیق کرنے والا ہے۔ اسی نے جو ہر کو توانائی بخشی ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے پھولوں اور پتوں کو خوبصورت رنگ اور نقش ونگار عطا کئے ہیں۔ اس کائنات کی ہر چیز خدا کی حمد وثنا میں مصروف ہے۔ آبشار کی صورت میں گرتا پانی اور گیت گاتے پرندے بھی اللہ کی حمد بیان کر رہے ہیں۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی قدرت کی ان نشانیوں میں غور وفکر کر کے اللہ کی معرفت حاصل کر لے اور اس کی تعریف میں لگا رہے۔ کیونکہ وہی اللہ ہے جو رنگ بھی دیتا ہے اور خوشبو بھی، اور اسی اللہ کے دم سے بہار اور خزاں بھی ہے۔ الغرض کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی صنعت کاری نظر آ رہی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

**شعر 1۔ فکر ودانش کی ہے معراج خدا کا اقرار　　یہی وجدان کی آواز ہے، فطرت کی پکار**

**حوالہ:** نظم: حمد　　شاعر: ماہر القادری

**حلِ لغت:** فکر ودانش: سمجھداری، عقل مندی　　معراج: بلندی　　وجدان: جاننے کی قوت

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: آواز، پکار　　مرکب عطفی: فکر ودانش

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل ودانائی عطا کی ہے، جس کو استعمال کر کے انسان کائنات میں غور وفکر کرتا ہے اور یہی عقل ودانائی انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ مگر جب ایک انسان اپنی فکر ودانش کو اللہ کی ذات کے اقرار کے لئے استعمال کرنے لگے تو تب انسانی دماغ، فکر ودانش کی

بلندی پر فائز ہو جاتا ہے۔اور اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو تجسس اور کھوج کی صلاحیت عطا کی ہے۔تلاش اور جستجو کرنا انسانی فطرت ہے اور عرصۂ دراز سے انسان نئی نئی چیزوں کی دریافت کر رہا ہے۔مگر اللہ کا اقرار اصل دریافت ہے، یہی جان لینا اصل ہے کہ انسان اللہ کو پہچان لے۔اور دنیا کی ہر چیز میں اس کے بنانے والے کی جھلک موجود ہے۔اس کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کے وجود کی گواہی دیتا ہے۔اور اسی بات کی طرف اللہ نے دعوتِ فکر دی کہ تم اپنی تجسس کی صلاحیت کو استعمال کر کے میری فطرت کی نشانیوں میں مجھے تلاش کرو، پھر تمہاری عقل و دانش بے ساختہ پکار اٹھے گی کہ

؎ کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے وہی خدا ہے، وہی خدا ہے

______________________________ جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 2۔ ذرے ذرے کی شہادت کہ خدا ہے موجود پتے پتے کو ہے صانع کی صفت کا اقرار**

**حوالہ:** نظم: حمد شاعر: ماہر القادری

**حلِ لغت:** شہادت: گواہی صانع: بنانے والا صفت: خوبی

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: ذرے ذرے، پتے پتے حرف بیان: کہ

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اُسی معبودِ برحق کے وجود کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔ہمارا مشاہدہ ہے کہ کسی فن کے نمونے کو دیکھتے ہی اس کے بنانے والے فن کار کا خیال فوراً ذہن میں آجاتا ہے بالکل اسی طرح فطرت کی اشیاء کو دیکھتے ہی اس کے بنانے والے کا خیال بھی ذہن میں آتا ہے جو بلاشبہ خدا تعالیٰ ہے۔چنانچہ برستی بارش، گرجتے بادل اور چمکتی بجلیاں اللہ کے وجود کی گواہی دیتی ہیں۔اسی طرح نیلا آسمان، بلند و بالا پہاڑ، برفانی چوٹیاں اللہ کے وجود کی گواہی دیتی ہیں۔ہر جاندار اور بے جان چیز اپنے بنانے والے کی عظمت کا اقرار کر رہی ہے۔ایک معمولی سے پتے کو دیکھیں، اس کے ہزار رنگ اور ہزار روپ ہیں، کوئی گہرا سبز تو کوئی ہلکا سبز، ہر پودے کا پتا دوسرے پودوں کے پتوں سے مختلف ہے۔تو شاعر پتے کی مثال دے کر کہتے ہیں کہ درخت کا ایک ایک پتا بھی خدا کی کاریگری کا اظہار کر رہا ہے اور انسان کو سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔**بقول شاعر:**

؎ ذرہ ذرہ، پتا پتا تیری صنعت کا گواہ بلبل و قمری ہیں تیری حمد میں نغمہ سرا

______________________________ جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 3۔ اسی خلاق نے جوہر کو توانائی دی پھولوں پتوں کو عطا جس نے کئے نقش و نگار**

**حوالہ:** نظم: حمد شاعر: ماہر القادری

**حلِ لغت:** خلاّق: بنانے والا جوہر: ایٹم

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: پھولوں، پتوں مرکب عطفی: نقش و نگار

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر نے اللہ کے ایک صفاتی نام ''خلاق'' کا ذکر کیا ہے۔خلاّق کا مطلب ہے تخلیق کرنے والا، بنانے والا، اور یہ صفت اللہ تعالیٰ پر پوری طرح صادق آتی ہے کیونکہ تخلیق کرنے کی صلاحیت و قدرت صرف اللہ کے پاس ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی خلاّق نہیں ہے۔اگر ہم اللہ کی اس صفت میں غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد بہت سی صلاحیتوں سے نوازا اور انسان کو یہ بات سمجھا دی کہ تم اپنی ان صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے جتنی محنت کرو گے اتنی ہی ترقی کرو گے۔چنانچہ اسی اصول کو اپناتے ہوئے انسان نے ایٹم اور جوہر پر محنت کی اور کیا سے کیا جدید ایجادات کر ڈالیں۔دوسری جانب اللہ نے کائنات کو بھی حُسن بخشا۔کائنات کا حُسن پودوں سے ہے اور پودے پھولوں اور پتوں کے مجموعے کا نام ہیں۔اگر ہم ان پھولوں پر غور کریں کہ بے شمار انواع و اقسام کے پھول اللہ نے پیدا کئے، ہر پھول کا رنگ اور خوشبو دوسرے پھول سے جدا ہے اور اسی طرح پتوں کے نقش و نگار بھی دوسرے پتوں سے مختلف ہیں۔یہ سب اللہ کی قدرت اور صفتِ تخلیق کی ناقابلِ انکار دلیلیں ہیں۔**بقول شاعر:**

؎ پھول بیل، بوٹے اسی کی عظمت کا کرتے ہیں اقرار جس نے عطا کی ہے خزاں رسیدہ درختوں کو بہار

______________________________ جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر4۔ اسی خالق اسی مالک کی ہے سب حمد وثنا　آبشاروں کا ترنم ہو کہ گلبانگِ ہزار**

**حوالہ:** نظم: حمد　شاعر: ماہرالقادری

**حلِ لغت:** آبشار: جھرنا　ترنم: نغمگی　گل بانگ: بلبل کی آواز

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: اسی،اسی　مرکب عطفی: حمد وثنا　حرفِ بیان: کہ

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر اللہ تعالیٰ کی مدح بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ، جو اس کائنات کا خالق اور مالک ہے، ساری حمد وثنا کے لائق بھی وہی ہے۔ کائنات کے دلکش اور حسین نظاروں کو دیکھ کر بے ساختہ اللہ کی تعریف لبوں پر آجاتی ہے۔ اور صرف انسان ہی نہیں، ہر جاندار اور ہر مخلوق اپنے اپنے انداز میں اللہ کی تعریف کر رہی ہے۔ شاعر نے اس شعر میں آبشاروں کے ترنم کا ذکر کیا ہے کہ جب پانی کسی بلند مقام سے نیچے کی طرف گرتا ہے اور نیچے موجود پتھروں اور چٹانوں سے آکر ٹکراتا ہے تو ایک خوبصورت نغمگی اور ترنم پیدا ہوتا ہے، یہ ترنم اصل میں اللہ کی حمد وثنا کا گیت ہے۔ دوسری طرف بلبل کے نغمے اگر ہم سنیں تو وہ بھی گا گا کر اپنی خوبصورت آواز میں اللہ کی حمد کے ترانے سنا رہی ہے۔ اور صرف بلبل ہی نہیں بلکہ ہر پرندہ اپنی اپنی بولی میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہے۔ **بقول شاعر:**

؎ سب اسی کی حقیقت، سب اسی کے فسانے　وہ بلبل کے گیت ہوں یا قمری کے ترانے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**شعر5۔ یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں ذرا غور سے دیکھ　اس کی پھر حمد بیان کر، اسی خالق کو پکار**

**حوالہ:** نظم: حمد　شاعر: ماہرالقادری

**حلِ لغت:** آیات: نشانیاں　خالق: پیدا کرنے والا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: بیان، پکار　مرکب اضافی: آیاتِ الٰہی

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر اپنے قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میں نے حمد میں اب تک جو اشعار کہے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا واضح طور پر ذکر کیا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں غور وفکر کرو اور ان کی مدد سے اپنے مالکِ حقیقی کی عظمت وشان کو پہچان لو، کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے مالک کی کاری گری کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ کی عظمت کو پہچان کر صرف اسی کی حمد وثنا کریں، کیونکہ صرف وہی ذات تعریفوں کے لائق ہے۔ اور وہی ذات ہے جو انسانوں کی مشکلات آسان کرتی ہے، وہی مشکل کشا اور وہی حاجت روا ہے۔ یعنی جب ہم اُس ذات کو سچے دل سے پکارتے ہیں تو وہ ہماری پکار ضرور سنتا ہے اور اس کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور پھر غیب سے ہماری مشکلات آسان ہونے لگتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہماری ہر حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

**بقول شاعر:** ؎ ہو کر شرمندہ گناہوں سے، کبھی سر جھکا تو سہی　وہ ذات کرے گی معاف، دو اشک بہا تو سہی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**شعر6۔ اس کی صنعت کے نمونے ہیں وہ نکہت ہو کہ رنگ　اس کی قدرت کے کرشمے ہیں، خزاں ہو کہ بہار**

**حوالہ:** نظم: حمد　شاعر: ماہرالقادری

**حلِ لغت:** صنعت: کاریگری　نکہت: مہک　کرشمہ: انوکھی چیز

**فنی محاسن:** صنعتِ تضاد: خزاں، بہار　حرف بیان: کہ

**تشریح:**

شاعر ماہرالقادری اپنی حمد کے اس آخری شعر میں اللہ تعالیٰ کی کاریگری کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پھولوں کے مختلف رنگ اور طرح طرح کی خوشبوئیں اس بات کی عکاسی کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ کوئی کاریگر اور ماہر صانع اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ نے پھولوں کو جس طرح خوبصورت رنگوں اور دلکش خوشبوؤں سے نوازا ہے، ایسا کرنا کسی اور کے بس میں نہیں ہے۔ اور اسی طرح موسموں کا تغیر وتبدل کرنا بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے کہ بہار کے بعد خزاں، سردی کے بعد گرمی لے آئے۔ یہ سب بھی اللہ کی کاریگری اور قدرت کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنی قدرت سے پتھر میں کیڑے کو پالتا ہے اور خشک مٹی سے سبزہ نکالتا ہے۔ لہٰذا ایک سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی ان قدرتوں سے اللہ کی عظمت کو پہچانے اور اسی کی حمد وثنا بیان کرے۔ **بقول شاعر:** ؎ یہ سورج چاند کس کی شانِ قدرت کے مظاہر ہیں　کہیں شانِ جلالی ہے، کہیں شانِ جمالی ہے

نظم : **نعت**　شاعر : **محسنؔ کاکوروی**

ماخوذ: **قصیدہ مدح خیرالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** محسن کاکوروی 1829ء کو لکھنؤ کے ایک قصبے کاکوری میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام محمد محسن اور تخلص بھی محسنؔ ہی تھا۔

**تعلیم:** آپ نے دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔

**وکالت:** قانون کا امتحان پاس کرنے کے بعد محسنؔ آگرہ میں پریکٹس کرتے رہے۔

**زیارتِ رسولؐ:** محسنؔ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ صرف نو سال کی عمر میں آپ کو خواب میں نبی پاکؐ کی زیارت نصیب ہوئی۔ جس پر اظہارِ مسرت کے طور پر آپ نے ایک فارسی نظم بھی لکھی۔

**فنِ شاعری:** محسنؔ کی شاعری مجموعی طور پر زبان دانی کا ایک عمدہ نمونہ ہے، جس میں عربی اور فارسی کے علاوہ ہندی الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ خوبصورت تشبیہات اور استعارات کا برموقع استعمال آپ کے کلام کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

**نعت گوئی:** محسن کی زیادہ تر شاعری حمدیہ اور نعتیہ کلام پر مشتمل ہے اور آپ کی وجہِ شہرت بھی آپ کا نعتیہ کلام ہی ہے۔ آپ کی نعتوں میں صداقت و خلوص موجود ہے۔

**وفات:** محسن کاکوروی 1905ء کو تقریباً 76 برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

**مجموعۂ کلام:** کلیاتِ نعتِ محسن

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

س۔ **درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | نعت کے شاعر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ | الف۔میر حسن | **ب۔محسن کاکوروی** |
| ۲۔ | محسن کو صرف۔۔۔۔۔۔۔ سال کی عمر میں خواب میں زیارتِ رسولؐ ہوئی۔ | **الف۔نو** | ب۔دس |
| ۳۔ | محسن کی وجہِ شہرت ان کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کلام ہے۔ | الف۔حمدیہ | **ب۔نعتیہ** |
| ۴۔ | اوجِ رفعت کا۔۔۔۔۔۔۔۔ نخلِ دو عالم کا ثمر | **الف۔قمر** | ب۔شمس |
| ۵۔ | سب سے اعلیٰ تری۔۔۔۔۔۔۔ ہے، سب سے افضل | الف۔محفل | **ب۔سرکار** |
| ۶۔ | نہ میرا شعر، نہ۔۔۔۔۔۔۔۔ نہ قصیدہ نہ غزل | **الف۔قطعہ** | ب۔مثنوی |
| ۷۔ | صفِ محشر میں تیرے ساتھ ہو تیرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ | الف۔طالب | **ب۔مدّاح** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1۔ حمد، نعت اور منقبت میں فرق واضح کریں۔**

**جواب۔** حمد، نعت اور منقبت تینوں اصنافِ نظم ہیں اور ان کا فرق درج ذیل ہے۔

**حمد:** ایسی نظم جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی جائے، حمد کہلاتی ہے۔

**نعت:** ایسی نظم جس میں رسول پاک ﷺ کی تعریف بیان کی جائے، نعت کہلاتی ہے۔

**منقبت:** ایسی نظم جس میں اہلِ بیت اور صحابہ کرامؓ کی تعریف بیان کی جائے، منقبت کہلاتی ہے۔

**س2۔ شاعر نے رسول کریمؐ کے جو اوصاف بیان کئے ہیں،ان کی وضاحت کریں۔**

**جواب۔** محسن کاکوروی نے اس نعت میں حضورؐ کی مدح سرائی کرتے ہوئے یہ اوصاف بیان کئے ہیں۔

**حضورؐ کے اوصاف:**

آپ ﷺ اوجِ رفعت کا چاند ہیں۔آپؐ مقصودِ کائنات ہیں۔حضورؐ اللہ کی وحدانیت کے سمندر کے قیمتی پتھر ہیں۔حضورؐ کی حیثیت تمام رسولوں کے گلشن میں ایک خوش رنگ پھول کی سی ہے۔شاعر ان تمام صفات کو بیان کر کے یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ رسول پاکؐ اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کی افضل ترین ہستی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3۔ آخری تین اشعار میں کیا دعا کی گئی ہے؟**

**جواب۔** آخری تین اشعار میں شاعر نے اپنے امید کے پودے کے درخت بننے، پھر اس درخت کے سرسبز ہونے اور پھر اس کی ہر شاخ پر پھول، پھل کھلنے کی دعا کی ہے۔اور یہ بھی دعا کی ہے کہ جب شاعر مرنے کے بعد آخرت کے سفر پر جائے تو حضورؐ کا پُرنور چہرہ شمع بن کر اس کے لئے روشنی کرے اور جب قیامت کے دن محشر کا میدان لگے تو شاعر اپنی اس نعت کی وجہ سے حضورؐ کے ساتھ کھڑا ہو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س4۔ نعت میں جو تشبیہات استعمال ہوئی ہیں ان کی نشاندہی کریں۔**

**جواب۔** درج ذیل تشبیہات استعمال ہوئی ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔گلِ خوش رنگ | ۲۔زیبِ دامانِ ابد | ۳۔طُرۂ دستارِ ازل |
| ۴۔بحرِ وحدت کا گہر | ۵۔اوجِ رفعت کا قمر | ۶۔چشمۂ کثرت کا کنول |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س5۔ اس نعت میں جن اصنافِ سخن کا ذکر ہوا ہے ان کی تعریف کریں۔**

**جواب۔** نعت میں درج ذیل اصناف سخن کا ذکر ہوا ہے۔

**۱۔قطعہ:**

قطعہ کا لغوی معنی ہے ''ٹکڑا'' ایسے اشعار کا مجموعہ جن میں ایک ہی خیال تسلسل کے ساتھ بیان ہو،قطعہ کہلاتا ہے۔عام طور پر قطعہ چار مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

**۲۔قصیدہ:**

قصیدہ کا لغوی معنی ہے ''ارادی تعریف'' وہ نظم جو کسی زندہ شخص کی تعریف میں ارادی طور پر لکھی جائے وہ قصیدہ کہلاتی ہے۔

**۳۔غزل:**

غزل کا لغوی معنی ہے ''عورتوں سے متعلق باتیں کرنا'' اور اصطلاح میں لطیف اور باریک جذبات کو شاعری میں بیان کرنے کا نام غزل ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س6۔ کلام میں ایک چیز کی مناسبت سے مختلف چیزوں کا ذکر کرنا،جن میں کوئی تضاد نہ ہو مراعاۃ النظیر کہلاتا ہے۔مثلاً**

**؎ ہو مرا ریشہ امید، وہ نخلِ سر سبز　　جس کی ہر شاخ میں ہو پھول، ہر اک پھول میں پھل**

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں نخلِ سرسبز کی مناسبت سے شاخ، پھول اور پھل کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ آپ کم سے کم تین ایسے اشعار لکھیں جن میں صنعت مراعاۃ النظیر پائی جاتی ہو۔

**جواب۔** صنعت مراعاۃ النظیر کے تین اشعار درج ذیل ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ | خوشبو سے اُن گُلوں کی ہُوا دشت باغ باغ | غنچے کھلے، ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ |
| ۲۔ | مجھے روکے گا تُو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے | کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں |
| ۳۔ | آ کے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے | جتنے اُس پیڑ کے پھل تھے پسِ دیوار گرے |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''اشعار کی تشریح''

**شعر1۔** سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے،سب سے افضل　　میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

**حوالہ:** نظم: نعت　　شاعر: محسنؔ کاکوروی

**حلِ لغت:** سرکار: بارگاہ،دربار　　مفصل: تفصیلی　　مجمل: مختصر

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: مفصل،مجمل　　صنعت تلمیح: ایمان مفصل اور ایمانِ مجمل　　مرکب توصیفی: ایمانِ مفصل

**تشریح:**

نعت کے اس پہلے شعر میں شاعر حضورؐ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضورؐ کا مقام ومرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور آپؐ کی ذات سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔آپؐ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں اور نبیوں کے بھی امام ہیں۔عام انسانوں میں تو آپؐ کی حیثیت اور مقام ویسے بھی سب سے بڑھ کر اور سب سے اعلیٰ ہے،اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔لیکن اگر باقی نبیوں کے ساتھ حضورؐ کا موازنہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ حضورؐ ہی تمام پیغمبروں کے سردار اور سرخیل ہیں۔شاعر آگے کہتے ہیں کہ اگر میں اپنے ایمان کا تفصیلی جائزہ لوں تو اللہ پر،فرشتوں پر،آخرت پر،جہنم جنت پر،ان سب پر ایمان لانے کا علم مجھے حضورؐ کے ذریعے ہوا۔اور اگر اس ایمان کو مختصر بیان کرنا ہو تو صرف ایک لفظ ''محمدؐ'' میں سارے دینِ اسلام کو پرویا جا سکتا ہے۔یعنی ہمارے ایمان کی تفصیل بھی حضورؐ کی ذات گرامی ہے اور ہمارے ایمان کا خلاصہ بھی حضورؐ ہی کی ذات ہے کیونکہ حضورؐ ہی اللہ کے بعد سب سے اعلیٰ اور افضل ہستی ہیں۔**بقول شاعر**

؎　لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**شعر2۔** گلِ خوش رنگ،رسولِ مدنی وعربی　　زیبِ دامانِ ابد،طرۂ دستارِ ازل

**حوالہ:** نظم: نعت　　شاعر: محسنؔ کاکوروی

**حلِ لغت:** زیب: حُسن　　ابد: آخر　　طُرۂ دستار: پگڑی کا اوپری حصہ

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: ابد،ازل　　مرکب عطفی: مدنی وعربی　　مرکب اضافی: دستارِ ازل،دامانِ ابد

تشبیہات واستعارات:گلِ خوش رنگ،زیبِ دامانِ ابد،طرۂ دستارِ ازل

**تشریح:**

شاعر حضورؐ کا مقام اور صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ کی ذات اس پھول کی مانند ہے جس نے عرب کے شہر مدینہ کو اپنا مرکز بنایا لیکن آپؐ کی خوشبو تمام جہان کو مہکا رہی ہے۔یعنی آج دنیا کے ہر کونے میں اسلام پھیل چکا ہے اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ دنیا میں موجود ہر شخص کے لئے نمونہ ہے۔جس طرح کسی خوش رنگ پھول کی تعریف ہر کوئی کرتا ہے اسی طرح حضور ﷺ گلشنِ انبیاء کے ایسے خوش رنگ پھول کی مانند ہیں کہ اپنے بیگانے سب آپؐ کے مثالی کردار کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔چونکہ حضورؐ وجہِ تخلیقِ کائنات تھے یعنی آپؐ کی وجہ سے کائنات وجود میں آئی اور جب کائنات مٹ جائے گی،سب کچھ ختم ہو جائے گا اور قیامت قائم ہوگی تو قیامت کے میدان کی زیب وزینت بھی حضورؐ ہی کی وجہ سے ہوگی کہ آپؐ امت کے لئے شفاعت کریں گے اور اسی طرح آپؐ نے ازل یعنی ابتدائے کائنات کا سہرا بھی پہن رکھا ہے،کیونکہ ساری مخلوقات سے پہلے،سارے انبیاء سے پہلے اللہ نے حضورؐ کے نور کو تخلیق فرمایا تھا۔شاعر اس دوسرے مصرعے میں بتانا یہ چاہتا ہے کہ حضورؐ کی افضلیت جس طرح ابتدا میں تھی اسی طرح انتہاء میں بھی رہے گی۔**بقول شاعر:**

؎　آپؐ ہیں شمعِ زندگی بزمِ جہاں کے واسطے
آپؐ ہیں نازِ بندگی کون ومکاں کے واسطے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر3۔ اوجِ رفعت کا قمر،نخلِ دوعالم کا ثمر　　بحرِ وحدت کا گہر،چشمہ کثرت کا کنول**

**حوالہ:** نظم: نعت　　شاعر: محسنؔ کاکوروی

**حلِ لغت:** اوج: اونچائی　رفعت: بلندی　نخل: درخت　ثمر: پھل　بحر: دریا،سمندر　گہر: موتی

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : (نخل،ثمر)(چشمہ،کنول)　مرکباتِ اضافی: اوجِ رفعت،نخلِ دوعالم،بحرِ وحدت

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر نے حضورؐ کے مقام ومرتبے کو تشبیہات واستعارات کے پیرائے میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔شاعر کہتے ہیں کہ حضورؐ کی حیثیت بزرگی،فضیلت اور بڑائی میں ایک چاند کی طرح ہے۔جیسے اندھیری رات میں آسمان پر چاند طلوع ہوکر اپنی کرنیں بکھیرتا ہے۔اسی طرح حضورؐ بھی آسمانِ نبوت کے چاند ہیں اور آپؐ کی نبوت کی کرنوں نے دنیا سے شرک، جہالت اور ظلم کے اندھیروں کا خاتمہ کر دیا۔اور اس کائنات کے دو عالم ہیں،ایک عالمِ دنیا اور دوسرا عالمِ آخرت۔اگر ان دونوں دنیاؤں کا ایک درخت بنا دیا جائے تو حضورؐ کو اس درخت کے پھل کی حیثیت حاصل ہوگی یعنی ہمارے دنیا اور آخرت کے تمام ثمرات حضورؐ ہی کی وجہ سے ہیں اور حضورؐ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہماری دنیا آخرت سنور جائے گی۔اور اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کو ایک سمندر کہیں تو حضورؐ کو اس سمندر کے قیمتی موتی کی حیثیت حاصل ہوگی۔اور اگر تمام مخلوقات جن میں انبیاء بھی ہیں،اولیاء بھی ہیں،فرشتے اور ارواح بھی ہیں،اگر ان سب کے ساتھ ہمارے نبیؐ کا موازنہ کیا جائے تو ہمارے نبیؐ کی حیثیت ان سب میں اسی طرح نمایاں اور ممتاز ہوگی جس طرح کسی چشمے میں کنول کے پھول کی حیثیت نمایاں ہوتی ہے۔الغرض حضورؐ کی ذات ہر طرح کی صفات اور کمالات کا مجموعہ ہے۔**بقول شاعر:**

؎ حسنِ یوسف،دمِ عیسیٰ،یدِ بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تُو تنہا داری

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---

**شعر4۔ ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیرے خالی　　نہ میرا شعر،نہ قطعہ،نہ قصیدہ،نہ غزل**

**حوالہ:** نظم: نعت　　شاعر: محسنؔ کاکوروی

**حلِ لغت:** تمنا: آرزو

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : نعت،شعر،قطعہ،قصیدہ،غزل　حرف بیان: کہ

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر دعا کے انداز میں اپنی ایک تمنا کا اظہار کر رہے ہیں۔ہر سچے عاشقِ رسولؐ کی طرح شاعر کی بھی خواہش ہے کہ ان کا بولنا،لکھنا،سننا سب کچھ حضورؐ کے لئے وقف ہو۔اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ان کی شاعری کی کوئی بھی صنف مدحِ رسول سے خالی نہ ہو۔اگر میں کوئی شعر کہوں تو شعر کا پہلا اور دوسرا مصرعہ نعتیہ رجحان سے بھرپور ہو۔اور اگر میں چار مصرعوں پر مشتمل کوئی قطعہ تحریر کروں تو اس میں بھی حضورﷺ ہی کی تعریف ہو۔آگے شاعر نے قصیدے کا لفظ لایا ہے۔قصیدے سے مراد کسی کی تعریف میں لکھی گئی طویل نظم ہے۔اس میں باقی شعراء مختلف شخصیات کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں مگر شاعر نے اس جذبے کا اظہار کیا ہے کہ میں اپنے قصیدے کو بھی صرف مدحِ رسولؐ کے لئے مخصوص کر دوں گا۔اور غزل جس کو عام طور پر شعراء نے عشقِ مجازی کے موضوعات کے لئے خاص کر رکھا ہے لیکن شاعر کے لئے عشقِ رسول سے بڑا موضوع اور کیا ہو سکتا ہے۔اس لئے شاعر نے اس تمنا کا اظہار کیا ہے کہ میری تمام غزلیں بھی نعتیہ کلام پر مشتمل ہوں تاکہ میری تمام تر ادبی صلاحیتیں صرف اور صرف عشقِ رسولؐ کے اظہار کے لئے استعمال ہوں۔**بقول شاعر:**

؎ میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوشبوئیں جاتی نہیں　　میں نے اسمِ محمد کو لکھا بہت اور چوما بہت

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---

**شعر5۔ ہو میرا ریشۂ امید، وہ نخلِ سرسبز　　جس کی ہر شاخ میں ہو پھول،ہر اک پھول میں پھل**

**حوالہ:** نظم: نعت　　شاعر: محسنؔ کاکوروی

**حلِ لغت:** ریشہ: نس،دھاگہ　نخل: درخت

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : نخل،شاخ،پھل،پھول　صنعت تکرار: پھول　مرکب اضافی: ریشۂ امید　مرکب توصیفی: نخلِ سرسبز

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر حضورؐ سے گہری وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ایک تمنا اور امید کا ذکر کر رہے ہیں۔اصل میں شاعر جانتے ہیں کہ ناامیدی کفر ہے۔

مایوسی انسان کو اندر سے ختم کر دیتی ہے۔ جبکہ امید انسان کے دل میں جینے کی امنگ پیدا کرتی ہے۔ امید کا ریشہ مایوسی سے کہیں بہتر ہے، کیونکہ یہ ریشہ ایک دن تن آور درخت کا روپ دھار لیتا ہے، پھر یہ سرسبز ہو جاتا ہے اور اس پر پھول اور پھل لگتے ہیں۔ اسی طرح شاعر کہتے ہیں کہ میں نے جو امیدیں آپؐ سے وابستہ کر رکھی ہیں کہ آپؐ کی سنت پر چلنے سے میں دنیا آخرت میں کامیاب ہو جاؤں گا اور قیامت کے دن آپؐ ضرور میری بھی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ میری امید ہے اور میری امید کا یہ ریشہ ایک نہ ایک دن سرسبز اور ہرا بھرا درخت ضرور بنے گا۔ یعنی آپؐ کی اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی برکت سے مجھے دنیا میں بھی کامیابی ضرور ملے گی اور قیامت کے دن مجھے آپؐ کا دیدار اور شفاعت بھی ضرور نصیب ہوگی۔ **بقول شاعر:**

؎ یہی ہے میرا غم، یہی درد اندرسینہ ہو مجھ کو نصیب شفاعتِ شاہِ مدینہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 6۔ رخِ انور کا ترے دھیان رہے بعدِ فنا میرے ہمراہ چلے راہِ عدم میں مشعل**

**حوالہ:** نظم: نعت شاعر: محسن کاکوروی

**حلِ لغت:** رخِ انور: روشن چہرہ عدم: آخرت مشعل: شمع، چراغ

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: میرے، تیرے مرکب اضافی: بعدِ فنا، راہِ عدم مرکب توصیفی: رخِ انور

**تشریح:**

شاعر اس شعر میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موت کے بعد کے حالات بہت سخت ہوتے ہیں۔ موت کے بعد آخرت کا جو سفر ہے، اس میں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے، اور اس سفر کا راستہ بھی بہت طویل اور دشوار ہے۔ قبر کی تنہائی اور وحشت ہے، فرشتوں کے سوال و جواب کا سلسلہ ہے۔ اس لئے گنہگاروں کے لئے تو یہ سفر مشکل اور انتہائی تاریک ہے۔ مگر وہ خوش قسمت لوگ جو نیک راہ پر چل رہے ہوں اور جو حضورؐ کے سچے عاشق بن کر حضورؐ کی سنت پر عمل کرتے رہے ہوں، ان کے لئے یہ سفر بالکل بھی دشوار نہ ہوگا اور جب وہ آخرت کے سفر پر چلنا شروع کریں گے تو ان کے لئے تاریکی اور اندھیرا بالکل بھی نہ ہوگا بلکہ حضورؐ کا روشن چہرہ ان کے لئے چراغ بن کر اجالا بکھیرے گا اور قیامت کی راہوں کو روشن کر دے گا۔ اور اس نور کی وجہ سے ان کے دل مطمئن اور خوش ہوں گے۔ اور حضورؐ کی شفاعت کے صدقے وہ جنت کے حقدار بن جائیں گے اور ہمیشہ کی راحت پا لیں گے۔ **بقول شاعر:**

؎ محمدؐ وہ ہیں جو قید سے تم کو چھڑا لیں گے کر کے سجدہ، جنت کا فیصلہ کرا لیں گے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 7۔ صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل**

**حوالہ:** نظم: نعت شاعر: محسن کاکوروی

**حلِ لغت:** محشر: قیامت مستانہ: دیوانہ مداح: تعریف کرنے والا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: قصیدہ، غزل صنعت تلمیح: صفِ محشر مرکب اضافی: صفِ محشر

**تشریح:**

شاعر اس آخری شعر میں اپنی ایک تمنا کو دعائیہ انداز میں بیان کر رہا ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی اور تمام انسان محشر کے میدان میں اپنے اعمال کی جانچ پڑتال کے لئے جمع ہوں گے تو سب لوگ سخت پریشانی کے حال میں ہوں گے لیکن وہ خوش قسمت جن کو قیامت کے دن حضورؐ کا ساتھ مل گیا تو ان کو کسی قسم کی کوئی پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ تو شاعر ایک آرزو کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ میری یہ خواہش ہے کہ اے اللہ! قیامت کے دن جب سب لوگ تیری عدالت میں حاضر ہوں تو اس مشکل وقت میں مجھے بھی حضورؐ کا ساتھ نصیب ہو جائے، اور میرے ہاتھ میں میرا یہی قصیدہ ہو جو میں نے حضورؐ کی تعریف میں دیوانہ وار لکھا ہے۔ اور میرا یہی قصیدہ میری بخشش کا سامان بھی بن جائے۔ یعنی میرا یہ قصیدہ بارگاہ خداوندی اور دربارِ رسالت دونوں میں مقبول ہو جائے اور اس قصیدے کی وجہ سے اللہ اور اس کا رسولؐ راضی ہو کر میری بخشش کا فیصلہ کر دیں۔ **بقول شاعر:**

؎ میرا ہر شعر نعتِ شاہِ دو جہاں بن جائے قصیدۂ شاہِ امم میری بخشش کا ساماں بن جائے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نظم : **شہرِ آشوب**　شاعر : **نظیرؔ اکبر آبادی**

ہیئت : **مخمس**　ماخوذ : **کلیاتِ نظیر**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** سید ولی محمد نظیرؔ اکبر آبادی 1740ء کو آگرے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید محمد فاروق تھا۔

**تعلیم:** نظیرؔ نے آگرے کے ایک مکتب میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

**ہجرت:** آگرے کے برے حالات نے نظیرؔ کو ہجرت پر مجبور کیا اور وہ اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ دہلی منتقل ہو گئے۔

**عملی زندگی:** نظیرؔ نے ساری عمر معلّمی کا پیشہ اختیار کئے رکھا اور کسی نواب یا بادشاہ کے دربار سے وابستہ نہ ہوئے۔

**فنِ شاعری:** نظیرؔ نظم میں ایک نئے طرز کے مؤجد تھے۔ ان کی نظموں میں موسیقیت، جزئیات نگاری اور منظر نگاری عروج پر ہے۔ اُن کی شاعری میں عوامی مسائل اور عوامی خیالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ انہوں نے ایک طرف اپنی شاعری میں دہلی کے میلوں ٹھیلوں، کھیل تماشوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تو دوسری طرف اخلاقی مضامین اور تصوف پر بھی قلم اٹھایا۔

**وفات:** نظیرؔ آخری عمر میں فالج کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور تقریباً 90 برس کی عمر پا کر 1830ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔

**مجموعہ کلام:** کلیاتِ نظیر اکبر آبادی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | نظیرؔ اکبر آبادی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔ | **الف۔آگرہ** | ب۔دہلی |
| ۲۔ | نظیرؔ نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا پیشہ اختیار کیا۔ | الف۔ڈاکٹری | **ب۔معلّمی** |
| ۳۔ | نظیرؔ کی شاعری میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خیالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ | **الف۔عوامی** | ب۔مذہبی |
| ۴۔ | نظیرؔ کی کون سی نظم شاملِ نصاب ہے؟ | **الف۔شہرِ آشوب** | ب۔شہرِ بے مثال |
| ۵۔ | نظم ''شہرِ آشوب'' کون سی ہیئت میں ہے؟ | الف۔مسدس | **ب۔مخمس** |
| ۶۔ | محنت سے ہاتھ پاؤں کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہ ہاتھ آئے | **الف۔کوڑی** | ب۔ذرہ |
| ۷۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب | الف۔غربت | **ب۔روزی** |
| ۸۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہماری ہوگئی بے اختیار بند | **الف۔قسمت** | ب۔آنکھ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1۔ اس نظم کا مرکزی خیال اپنے الفاظ میں لکھیں۔**

**جواب۔** نظیرؔ اکبر آبادی کی نظم ''شہرِ آشوب'' کا مرکزی خیال درج ذیل ہے۔

**مرکزی خیال:**

اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ آگرہ شہر کے حالات بہت خراب ہیں۔ ہر شخص بے روزگار ہو چکا ہے اور بھوک عام ہے۔ وہ لوگ جو کل تک دولت مند تھے، آج ان کے کاروبار ٹھپ ہو چکے ہیں۔ محنت کشوں کو ان کی محنت کا صلہ نہیں ملتا۔ حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ فقیر کو بھیک دینے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ الغرض کسی کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں رہی۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ کرے اس شہر کے حالات پھر سے اچھے ہو جائیں اور سب لوگ دوبارہ سے خوشحال ہو جائیں۔

**س2۔ اس نظم میں کن کن پیشوں کا ذکر کیا گیا ہے؟ان کی وضاحت کریں۔**

**جواب۔** نظیر اکبر آبادی کی نظم ''شہرِ آشوب'' میں درج ذیل پیشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ **صراف:** یہ سونے چاندی کے زیورات بناتے اور بیچتے ہیں۔

۲۔ **جوہری:** قیمتی پتھروں کا کاروبار کرنے والوں کو جوہری کہتے ہیں۔

۳۔ **بنیئے:** یہ آٹا، دال، چاول اور اناج وغیرہ کی خرید وفروخت کا کام کرتے ہیں۔

۴۔ **سیٹھ ساہوکار:** یہ دولت مند سرمایہ دار ہیں، سود پر قرضہ بھی دیتے ہیں۔

۵۔ **دکاندار:** یہ ایک عام سا پیشہ ہے، ضروریاتِ زندگی کی چیزوں کا کاروبار کرنے والے دکاندار کہلاتے ہیں۔



**س3۔ شہرِ آشوب کی تعریف کریں، کسی اور شاعر کے شہرِ آشوب کے چند اشعار لکھیں۔**

**جواب۔** **شہرِ آشوب کی تعریف:**

ایسی نظم جس میں کسی شہر کی تباہی بربادی کا بیان ہو اور اس شہر کے مختلف مسائل کا ذکر کیا جائے، شہرِ آشوب کہلاتی ہے۔

**''شہرِ آشوب'' از اسحاق ساجد**

تمہارے شہر میں آؤں تو کس طرح آؤں
تمہارے شہر میں جب زندگی نہیں محفوظ
تمہارے شہر کا بے حد خراب موسم ہے
تمہارے شہر میں انسانیت ہے نوحہ خواں
تمہارے شہر میں گھر گھر سے دھواں اٹھ رہا ہے



**س4۔ ''پھر مانگو'' سے کیا مراد ہے؟**

**جواب۔** ''پھر مانگو'' کے الفاظ نظم ''شہرِ آشوب'' کے اس مصرعے سے لئے گئے ہیں۔''واں سے صدا یہ آتی ہے پھر مانگو جب تو آہ''

**پھر مانگو سے مراد:** آگرہ شہر میں ہر طرف غربت اور بے روزگاری کا راج ہے۔ایسے میں فقیر کسی گھر کے باہر خیرات کی صدا لگاتا ہے تو اندر سے آواز آتی ہے کہ ''پھر مانگو''۔یعنی پھر کبھی مانگنے کے لئے آنا، ابھی تو اپنے ہی حالات بہت خراب ہیں۔ابھی ہمارے پاس تمھیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔



**س5۔ شاعر نے گھر کی مفلسی کا کیا نقشہ کھینچا ہے؟**

**جواب۔** شاعر نظیر اکبر آبادی نے نظم ''شہرِ آشوب'' میں گھر کی مفلسی کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا ہے۔

**گھر کی مفلسی کا نقشہ:** شاعر آگرہ شہر کے گھروں کی مفلسی اور غربت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہر کے ہر گھر میں مفلسی اس طرح موجود ہے جیسے وہ اس گھر کا ہی ایک حصہ ہو۔مفلسی مکان کی چھت کی طرح ہر گھر میں موجود ہے اور کم ہونے کے بجائے مزید بڑھتی ہی جا رہی ہے۔اور جیسے پانی کا بند ٹوٹنے سے ہر جگہ پانی آجاتا ہے، ایسے ہی سیلابی ریلے کی طرح مفلسی شہر کے ہر گھر میں گھس آئی ہے۔



**س6۔ ''جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند'' اس مصرعے میں تشبیہ پائی جاتی ہے۔تشبیہ کی تعریف کریں اور شعری مثالیں دیں۔**

**جواب۔** **تشبیہ کی تعریف:** ایک چیز کو کسی خاص خوبی یا خامی کی وجہ سے دوسری چیز کی طرح قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔

**شعری مثالیں:**

۱۔ نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

۲۔ جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں　　اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

☆ تشبیہ کی مزید تفصیل نوٹس ''حصہ گرائمر'' میں ملاحظہ کریں۔

**س7۔ یہ نظم کس ہیئت میں ہے؟ وضاحت کریں۔**

**جواب:** نظیر اکبرآبادی کی یہ نظم ''شہرِ آشوب''، مخمس ہیئت میں ہے۔

**مخمس کی تعریف:**

وہ نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں، مخمس کہلاتی ہے۔ مخمس نظم کے پہلے بند کے پانچوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ جبکہ پہلے بند کے بعد ہر بند میں پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور پانچواں مصرعہ جدا قافیہ و ردیف رکھتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

**1۔ ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند　　رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند**
**دریائے سخن کی فکر کا ہے موجدار بند　　ہو کس طرح نہ منہ میں زبان بار بار بند**
**جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند**

**حوالہ:** نظم: شہرِ آشوب　　شاعر: نظیر اکبرآبادی

**حلِ لغت:** سخن: بات، مراد شاعری　　طبع: طبیعت، مزاج　　خلق: مخلوق، لوگ　　موج: لہر

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (دریا، موجدار) (منہ، زبان)　　صنعت تضاد: لیل، نہار
صنعت تکرار: بار بار　　مرکب عطفی: لیل و نہار

**تشریح:**

نظم ''شہرِ آشوب''، آگرہ کی تباہی و بربادی پر لکھی گئی ہے۔ نظیر کے زمانے میں مرہٹوں اور جاٹوں نے اسے لُوٹ لُوٹ کر تباہ حال بنا دیا تھا۔ بہت سی پریشانیوں کے ساتھ بے روزگاری نے عوام کی زندگی اجیرن بنا دی تھی۔ ان سب چیزوں نے نظیر کے دل و دماغ کو بھی بری طرح متاثر کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کیسے کچھ کہوں، کس طرح کوئی نظم یا شعر لکھوں۔ کیونکہ اب مجھے شاعری نہیں سوجھتی اور دن رات میری طبیعت اور سوچ کے دھارے بند ہی رہتے ہیں اور میں ہر وقت آگرہ کے برے حالات کو سوچ سوچ کر پریشان رہتا ہوں۔ اور میرے دماغ کی فکر تو ایک دریا کی طرح تھی، جس میں ہر وقت خیالات و جذبات کی موجیں اٹھتی رہتی تھیں۔ لیکن میرے دریائے سخن میں اب فکر کی موجیں بند پڑی ہیں۔ اور آگرہ کے خراب حالات کی وجہ سے میری زبان کو بھی تالے لگ گئے ہیں اور پریشانی کی وجہ سے الفاظ زبان سے ادا نہیں ہو رہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جب آگرہ کے لوگ بے روزگار اور بے یار و مددگار بیٹھے ہیں۔ کاروبار بند پڑے ہوئے ہیں اور غربت کی وجہ سے لوگوں کا حال بہت خراب ہو چکا ہے تو میں کیونکر ان برے حالات میں شاعری کر سکتا ہوں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**بند2۔ بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی　　کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی**
**دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی　　ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی**
**پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند**

**حوالہ:** نظم: شہرِ آشوب　　شاعر: نظیر اکبرآبادی

**حلِ لغت:** مفلسی: غربت　　بے روزگاری: کام کاج کا نہ ہونا　　دَر: دروازہ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: گھر، کوٹھا، چھت، در و دیوار　　مرکب عطفی: دیوار و در　　سابقہ: بے روزگاری

**تشریح:**

اس بند میں نظیر کہتے ہیں کہ آگرہ شہر میں برپا ہونے والی تباہی و بربادی کی وجہ سے کاروبارِ زندگی بری طرح متاثر ہو گیا ہے۔ لوگوں کے پاس روزگار ہی نہیں رہا۔ روزگار مہیا ہو تو حالات بہتر ہو سکتے ہیں اور کوئی ذریعۂ معاش ہاتھ آ جائے تو مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں۔ مگر یہاں تو آگرہ والوں پر بے روزگاری کی وجہ سے اچھی خاصی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ مفلسی اور غربت نے اس شہر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ مفلسی اس شہر میں اس قدر عام ہو گئی ہے کہ یہ ہر گھر میں اس طرح موجود ہے جیسے وہ اس گھر ہی کا ایک حصہ ہو۔ مفلسی مکان کی چھت کی طرح ہر گھر میں لازمی طور پر موجود ہے۔ اور یہ مفلسی ہر گھر کے دروازے اور دیواروں کے بیچ جو معمولی سی

جگہ ہوتی ہے، اُس میں بھی گھُس آئی ہے۔ یعنی گھر میں کوئی جگہ ایسی نہیں بچی، جہاں مفلسی نے اپنا اثر نہ دکھایا ہو۔ آگے شاعر نے مفلسی کو دریا سے جا ملایا ہے کہ جیسے دریا کے پانی کو روکنے کے لئے بند باندھا جاتا ہے۔ لیکن جب پانی کا بند ٹوٹ جائے تو سیلابی ریلا سارے شہر میں داخل ہو کر اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی طرح مفلسی بھی ایک دریا کی مانند ہے، جس کے آگے روزگار کا باندھا ہوا بند ٹوٹ چکا ہے۔ لہٰذا مفلسی سیلابی ریلے کی صورت میں اس شہر کے ہر گھر میں گھُس آئی ہے۔ یعنی ہر گھر فاقوں کی مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

3۔ صرّاف بنیئے، جوہری اور سیٹھ ساہوکار — دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب ادھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار — بیٹھے ہیں یوں دکانوں میں اپنے دکان دار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

**حوالہ:** نظم: شہر آشوب — شاعر: نظیر اکبر آبادی

**حلِ لغت:** صراف: سونے چاندی کا کاروبار کرنے والے — بنیئے: غلے کی تجارت کرنے والے — جوہری: قیمتی پتھروں کا کاروبار کرنے والا

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: نقد، ادھار — صنعت تشبیہ: دکانداروں کو قیدیوں کی مانند قرار دینا — صنعت مراعاۃ النظیر: بازار، دکان، دکاندار

**تشریح:**

کسی بھی علاقے کی معاشی خوشحالی کا اندازہ وہاں کے بازاروں سے ہوتا ہے۔ بازاروں میں اگر چہل پہل اور لین دین ہو رہا ہو اور لوگوں کا رش ہو تو یہ اس علاقے کی خوشحالی کی علامت ہوتی ہے۔ لیکن اگر بازار سنسان اور مارکیٹیں ویران ہوں تو یہ اس علاقے کی بدحالی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ نظیر کہتے ہیں کہ آگرہ شہر کے لوگوں کے روزگار اور کاروباری معاملات بہت خراب ہو چکے ہیں اور بازار کی رونقیں ماند پڑ چکی ہیں۔ صراف جو سونے کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے، وہ اب فارغ بیٹھا ہے کہ لوگوں کو کھانے کے لئے کچھ دستیاب نہیں ہے تو وہ سونا کہاں سے بنوائیں گے۔ یہی حال بنیئے کا بھی ہے کہ اس کے چاول، دال اور اناج کا کاروبار ٹھپ ہو چکا ہے اور جوہری جو قیمتی پتھر تراشتا ہے، اس کا کام بھی نہیں چل رہا۔ اور سیٹھ ساہوکار لوگ جو پیسے کا لین دین کرتے ہیں، سود پر پیسہ دے کر منافع کماتے ہیں، وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بے کار بیٹھے ہیں۔ الغرض تمام کاروباری لوگ جو نقد سودا سلف دے کر منافع کماتے تھے، اب خود ادھار پر گزارا کر رہے ہیں اور بازار جہاں ہر طرف رونق اور چہل پہل ہوا کرتی تھی، اب ویران ہو چکے ہیں اور ہر طرف گرد اُڑ رہی ہے۔ دکاندار سارا دن اپنی دکانوں میں یوں فارغ بیٹھے رہتے ہیں جیسے چوری کرنے والے لوگ چوری کے جرم میں پکڑے جانے کے بعد قید خانے میں قیدی بن کر ایک قطار میں بیٹھے ہوتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

4۔ محنت سے ہاتھ پاؤں کی کوڑی نہ ہاتھ آئے — بے کار کب تلک کوئی قرض اور ادھار کھائے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے — آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

**حوالہ:** نظم: شہر آشوب — شاعر: نظیر اکبر آبادی

**حلِ لغت:** کوڑی: سکّہ، پیسہ — بے کار: فضول، بے فائدہ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر و صنعت تکرار: رو رو، ہائے ہائے — مترادف الفاظ: قرض، ادھار — صنعت تضاد: ہاتھ پاؤں

**تشریح:**

نظیر آگرہ شہر کی بدحالی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں اتنی مفلسی ہے کہ مزدور جو اپنے ہاتھ پاؤں سے سارا دن محنت کرتا ہے لیکن اس قدر محنت کے باوجود اُسے اس محنت کا صلہ نہیں ملتا اور اس کے ہاتھ ایک پیسہ بھی نہیں آتا۔ یعنی اول تو کام ہی نہیں ملتا اور اگر کام مل بھی جائے تو اس کا معاوضہ نہیں ملتا۔ ایسے برے حالات میں اس شہر کے لوگ گھر کا چولہا جلانے کے لئے اور اپنی روزمرہ ضروریات کے لئے قرضہ لیتے ہیں اور ادھار لے کر کام چلاتے ہیں لیکن کوئی کب تک یوں ہی گھر میں فارغ اور بے کار بیٹھ کر قرض اور ادھار کھائے گا کیونکہ یہ قرض واپس بھی تو کرنا ہے اور لوگ بھی تو قرضہ دے دے کر تنگ آ جاتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ غربت اور بے روزگاری کی وجہ سے اس شہر کا ہر آدمی رو رہا ہے اور فریادیں کر رہا ہے۔ ہر کوئی اپنی بے کسی پر ماتم کر رہا ہے اور آنسو بہا رہا ہے اور مزید کہتے ہیں کہ جب میں اپنے شہر کے لوگوں کا یہ برا حال دیکھتا ہوں تو مجھ سے بھی برداشت نہیں ہوتا اور میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ جاتے ہیں اور دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ خدا دشمن کو بھی یہ برے دن نہ دکھائے، ان کا بھی کام کاروبار ٹھیک سے چلتا رہے کیونکہ بے روزگاری کی مصیبت بہت بڑی مصیبت ہوتی ہے۔

5۔ اس شہر کے فقیر بھکاری جو ہیں تباہ　　جس گھر میں جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
بھوکے ہیں کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ　　واں سے صدا یہ آتی ہے:''پھر مانگو''جب تو آہ
کرتے ہیں ہونٹ اپنے وہ ہو شرمسار بند

**حوالہ:** نظم: شہرِ آشوب　　شاعر: نظیر اکبر آبادی

**حلِ لغت:** سوال: مانگنا　　بجھائیو: بھیج دو　　شرمسار: شرمندہ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: فقیر،سوال،صدا　　لاحقہ: شرمسار　　مرکب اضافی: خدا کی راہ

**تشریح:**

اس بند میں نظیر کہتے ہیں کہ بے روزگاری اور غربت کی وجہ سے جہاں اس شہر کا کاروباری اور مزدور طبقہ پریشان ہے، وہاں شہر کے بھکاریوں اور فقیروں کا بھی برا حال ہے۔ان کا گزارہ تو پہلے ہی مانگ تانگ کر ہوا کرتا تھا اور وہ ہر گھر سے بھیک مانگ کر روزی روٹی پیدا کر لیا کرتے تھے۔لیکن اب تو شہر کے بے چارے لوگ خود مصیبت کا شکار ہیں۔ان کی تو اپنی ہی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں تو وہ ان فقیروں کو کہاں سے کچھ دیں گے۔سو اب اس شہر کے بھکاری جس گھر کے دروازے پر بھی جا کر بھیک کی صدا لگاتے ہیں اور کچھ کھانے پینے کو مانگتے ہیں تو گھر کے اندر سے آواز آتی ہے کہ ابھی دینے کو کچھ نہیں ہے، حالات خراب ہیں۔جب حالات بہتر ہوئے تو تب کچھ دیں گے لہٰذا پھر کبھی آنا۔تو یہ سن کر بھکاری شرمندہ سا ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنے ہونٹ بند کر لیتا ہے کہ اسے بھی شہر کے حالات کا بخوبی علم ہے، وہ جانتا ہے کہ شہر کے لوگ بھی میری طرح فقیر ہو چکے ہیں۔اس لئے اسے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں نے اپنے جیسے فقیروں سے بھیک کیوں مانگی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

6۔ کیا چھوٹے کام والے وکیا پیشہ ور نجیب　　روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آشام عنقریب　　اٹھتے ہیں دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب
قسمت ہماری ہوگئی بے اختیار بند

**حوالہ:** نظم: شہرِ آشوب　　شاعر: نظیر اکبر آبادی

**حلِ لغت:** نجیب: معزز،شریف　　عاجز: تنگ

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: بیٹھے بیٹھے　　حرف بیان: کہ　　حرف ندا: یا　　سابقہ: بے اختیار
لاحقہ: پیشہ ور　　مترادف الفاظ: نصیب،قسمت

**تشریح:**

اس بند میں نظیر بتا رہے ہیں کہ آگرہ میں آنے والی تباہی سے سب چھوٹے بڑے کام، کاروبار ٹھپ ہو چکے ہیں اور روزگار کے تمام ذرائع بند ہو چکے ہیں۔جس کا کاروبار چھوٹا اور محدود پیمانے پر ہے، وہ بھی رو رہا ہے اور بڑے بڑے کاروبار والے معزز اور شریف لوگ بھی اس صورتحال سے عاجز اور تنگ ہو چکے ہیں۔کام چھوٹا ہو یا بڑا، روزگار کا ذریعہ ہوتا ہے اور جب روزگار ہی ختم ہو جائے تو پریشانی سے سر پکڑ کر رونا ایک فطرتی بات ہے۔غربت اور بدحالی نے اس شہر کے کاروباری لوگوں کو بھی بری طرح متاثر کر رکھا ہے۔دکاندار بڑی امید کے ساتھ صبح سویرے دکانیں کھول کر بیٹھتے ہیں اور سارا دن گاہک کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔مگر کوئی بھی گاہک دکان پر نہیں آتا کیونکہ لوگوں کی جیب میں اتنے پیسے ہی نہیں کہ وہ بازار جا کر اپنی من پسند کوئی چیز خرید سکیں۔شاعر کہتے ہیں کہ جب دن گزر جاتا ہے اور شام ہو جاتی ہے اور دکانیں بند کرنے کا وقت قریب آ جاتا ہے تو مایوسی کے عالم میں دکاندار حضرات اپنی قسمت اور نصیب پر افسوس کرتے ہوئے اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے نصیب ہی ایسے ہیں۔نہ چاہنے کے باوجود بھی ہماری قسمت بند ہوگئی ہے اور اسے کھولنا ہمارے اختیار اور بس میں نہیں ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

7۔ ہے کون سا وہ دل جسے فرسودگی نہیں وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آکے ایسے ہوئے راہ گزار بند

**حوالہ:** نظم: شہرِ آشوب شاعر: نظیرؔ اکبر آبادی

**حلِ لغت:** فرسودگی: پریشانی نابودگی: فنا، عدم بہبودگی: بہتری آسودگی: راحت، خوشحالی کوڑی: معمولی سکّہ

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: فرسودگی، بہبودگی و آسودگی حرف بیان: کہ اسم اشارہ: وہ

**تشریح:**

ان اشعار میں نظیرؔ کہتے ہیں کہ خدا جانے اس شہر کو کس کی نظر کھا گئی ہے کہ غربت اور بے روزگاری کی وجہ سے اس شہر کا ہر فرد ہی پریشان اور بدحال ہے۔ یہاں کوئی بھی خوشحال اور آسودہ نظر نہیں آتا۔ ہر دل پریشان، افسردہ اور غموں کا مارا ہوا ہے، خوشی اور اطمینان کسی کو بھی نصیب نہیں ہے۔ یہاں حالات اتنے خراب ہیں کہ روزی کے دروازے اس شہر کے ہر گھر پر بند ہو چکے ہیں۔ جب روزگار اور کاروبار ہوتا ہے تو تب افراد اور قوم کے حالات میں ترقی آتی ہے مگر جب روزگار نہ ہو تو کوئی بھی فرد ترقی نہیں کر سکتا اور بہبودی کی تمام راہیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ آگرہ جو کسی وقت آسودگی اور سکھ چین کا گہوارہ تھا، اب یہاں نام کو بھی آسودگی اور سکھ چین نہیں رہا۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے آگرہ کے نام کے ساتھ اس کی آسودگی بھی ختم ہو چکی ہے۔ یہ وہ آگرہ ہے جہاں کبھی دولت کی ریل پیل تھی اور ہر طرف خوشحالی تھی مگر اب اس قدر غربت ہے کہ روپیہ تو کیا کہیں سے ایک کوڑی بھی آتی دکھائی نہیں دیتی اور شہر کے لوگ پائی پائی کے محتاج ہو چکے ہیں۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اس شہر کا ہر دروازہ کوڑی اور پائی پیسے کے لئے بند کر دیا گیا ہو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

8۔ ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
سب کھاویں پیویں یاد رکھیں اپنے اپنے گھر اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تُو فضل کر
کُھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

**حوالہ:** نظم: شہرِ آشوب شاعر: نظیرؔ اکبر آبادی

**حلِ لغت:** حق: خدا تعالیٰ مہر: محبت، کرم ٹوٹا شہر: برباد شہر

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: (کُھل، بند) (شام، سحر) (حق، خلق) (کھاویں، پیویں) مرکب توصیفی: ٹوٹے شہر

**تشریح:**

یہ اس نظم کا آخری اور دعائیہ بند ہے اور نظیرؔ اس بند میں خدا سے دعا طلب کر رہے ہیں کہ وہ اس شہر کے حالات کو پھر سے اچھا کر دے اور شاعر یہ دعا دن رات کرتا رہتا ہے۔ اس سے شاعر کی اس شہر کے ساتھ محبت اور وابستگی کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ شاعر کو اس شہر سے اتنا لگاؤ ہے کہ وہ ہر وقت اس کی خوشحالی کے لئے دعا کرتا ہے اور وہ صدقِ دل سے یہ چاہتا ہے کہ اس شہر کی خوشیاں پھر سے لَوٹ آئیں۔ اس لئے وہ اللہ کے حضور یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! جیسے یہ شہر پہلے خوشحال تھا اور یہاں کے لوگ مالی لحاظ سے مضبوط تھے، تُو اب دوبارہ اس شہر پر محبت اور کرم کی نگاہ ڈال کر اسے پھر سے آسودہ اور خوشحال کر دے تاکہ حالات تبدیل ہو جائیں اور اچھے دن پھر سے لَوٹ آئیں۔ سب اپنے اپنے گھروں میں خوشی سے کھائیں پئیں اور آرام سے اپنی زندگی کے دن گزاریں۔ اور وہ لوگ جو حالات سے تنگ آ کر ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے وہ بھی اپنے گھروں کو یاد کر کے واپس آ جائیں۔ اے اللہ! تُو اس برباد اور اجڑے شہر پر اپنا خاص فضل کر دے تاکہ اس شہر کے بند کاروبار پھر سے چمک اٹھیں اور یہاں دوبارہ خوشحالی اور آسودگی کا دَور دَورہ ہو جائے۔ آمین

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# نظم: شہزادے کا چھت پر سونا اور پری کے ہاتھوں اغوا ہونا

**شاعر: میر حسنؔ** صنف: **مثنوی** ماخوذ: **سحر البیان**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** میر حسنؔ 1727ء کو دہلی کے سیدواڑا میں پیدا ہوئے، آپ کا پورا نام میر غلام حسن اور حسنؔ تخلص ہے۔ آپ نامور ہجو گو میر ضاحک کے بیٹے، میر خلیق کے والد اور میر انیسؔ کے دادا تھے۔

**تعلیم و ہجرت:** تعلیم والد سے حاصل کی اور دہلی کے اجڑنے کے بعد والد کے ہمراہ فیض آباد چلے گئے اور نواب سالار جنگ کے دربار سے وابستہ ہوئے۔

**فنِ شاعری:** میر حسنؔ کو شعر و شاعری کا ملکہ ورثے میں ملا۔ آپ صاحبِ دیوان شاعر تھے اور آپ کی شہرت غزلیات یا قصائد سے نہیں بلکہ مثنوی ''سحر البیان'' کی وجہ سے ہے۔ یہ ایک روایتی داستان ہے جو دراصل شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کا افسانۂ عشق ہے لیکن میر حسن نے اپنے اندازِ بیان سے اسے واقعیت اور حقیقت کا رنگ دے دیا ہے۔

**وفات:** میر حسنؔ 1786ء کو تقریباً 59 سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

**مجموعہ ہائے کلام:** غزلیات و قصائد کا دیوان، مثنویات کا مجموعہ، شاعروں کا تذکرہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | میر حسنؔ کا پورا نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھا۔ | الف۔ | **میر غلام حسن** | ب۔ | میر سید حسن |
| ۲۔ | آپ مشہور مرثیہ نگار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے دادا تھے۔ | الف۔ | میر خلیق | ب۔ | **میر انیسؔ** |
| ۳۔ | دہلی کی بربادی کے بعد آپ ۔۔۔۔۔۔۔ چلے گئے۔ | الف۔ | **فیض آباد** | ب۔ | حیدر آباد |
| ۴۔ | آپ کی شہرت مثنوی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی وجہ سے ہے۔ | الف۔ | **سحر البیان** | ب۔ | نجم البیان |
| ۵۔ | وہ مہ اس کے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا ہالہ ہوا | الف۔ | گھر | ب۔ | **کوٹھے** |
| ۶۔ | کبھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں جب کہ ہوتا تھا وہ | الف۔ | خواب | ب۔ | **نیند** |
| ۷۔ | فقط جاگتا ایک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھا | الف۔ | آفتاب | ب۔ | **مہتاب** |
| ۸۔ | اڑا کر وہ اس کو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں | الف۔ | **پرستان** | ب۔ | جنت |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س1۔ چاندنی رات کا منظر اپنے الفاظ میں لکھیں۔**

**جواب:** اس نظم میں چاندنی رات کا منظر کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

**چاندنی رات کا منظر:**

میر حسنؔ نے اپنی مثنوی ''سحر البیان'' کے اس حصے میں چاندی رات کا سہانا منظر بڑے دلفریب انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ چودھویں کے چاند کی رات تھی، چاند عین آسمان کے وسط میں تھا اور آسمان پر چودھویں کا چاند نور بکھیر رہا تھا اور چاندنی رات کا جلوہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے پھولوں کی مہک ہر سمت پھیل رہی تھی اور ہر چیز چاند کی چاندنی کی وجہ سے روشن نظر آ رہی تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س2۔ اس مصرعے کی وضاحت کریں ''کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم''**

**جواب:** یہ مصرعہ میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' سے لیا گیا ہے۔

**مصرعے کی وضاحت:**

ایک مولوی صاحب نے بڑے پتے کی بات کہی ہے اور مولوی صاحب سے مراد مولانا روم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت اور اللہ کی تقدیر کے سامنے بڑے بڑے حکیم اور دانا لوگ بھی بے وقوف بن کر رہ جاتے ہیں۔ جس کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے مرنا لکھ دیا ہو تو بڑے سے بڑا دانا حکیم بھی اسے موت سے نہیں بچا سکتا۔ کیونکہ تقدیر کا لکھا ضرور پورا ہو کر رہتا ہے، تقدیر کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا۔ آنے والی مصیبت یا موت لازمی آ کر ہی رہتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س3: مثنوی کی تعریف کریں۔**

**جواب:** مثنوی نظم ہی کی ایک صنف ہے اور اس کی تعریف درج ذیل ہے۔

**مثنوی کی تعریف:** مثنوی کا لفظ عربی کے لفظ مثنیٰ سے بنا ہے اور مثنیٰ کے معنی ''دو'' کے ہیں۔ مثنوی کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور مثنوی کا ہر شعر الگ الگ قافیہ اور ردیف رکھتا ہے۔

وہ طویل نظم جس میں کسی تاریخی داستان وغیرہ کو بیان کیا جائے، مثنوی کہلاتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س4: درج ذیل الفاظ ومحاورات کو جملوں میں استعمال کریں۔**

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| شب چاردہ | سفر اگرچہ رات کا تھا مگر شبِ چاردہ کی وجہ سے اندھیرا نہ تھا۔ |
| دن نکل گئے | مصیبت کے دن نکل گئے، اب چین ہی چین ہے۔ |
| خلل | شور مت کرو، میرے مطالعے میں خلل واقع ہوتا ہے۔ |
| قضارا | قضارا پہاڑی سے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ گہری کھائی میں جا گرا۔ |
| عالم خواب | عالم خواب میں انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔ |
| پست و بلند | زندگی کے پست و بلند مراحل سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س5: اس نظم سے وہ اشعار لکھیں جن میں تشبیہ استعمال ہو۔**

**جواب:** اس نظم کے ان دو اشعار میں تشبیہ استعمال ہوئی ہے۔

**الف)** ہوئی دونوں کے حُسن کی ایک جوت
کہ جیسے ہو دو چشموں کی ایک سوت

**ب)** کبھی دل رہے خوش کبھی درد مند
زمانے کی ہے جیسے پست و بلند

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س6: کبھی دل رہے خوش کبھی دردمند،، زمانے کی ہے جیسے پست و بلند**

**اس شعر میں خوش، دردمند اور پست و بلند متضاد الفاظ ہیں۔ اس طرح کے متضاد الفاظ سے کلام میں اثر اور معنی آفرینی پیدا ہوتی ہے۔ اسے صنعت تضاد کہتے ہیں۔ آپ ایسے تین اشعار لکھیں جن میں صنعت تضاد پائی جاتی ہو۔**

**جواب:** صنعت تضاد کے تین اشعار درج ذیل ہیں۔

ا۔ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۲۔ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے

۳۔ پیری میں کیا جوانی کے موسم کو رویئے
اب صبح ہونے آئی ہے اک دم تو سویئے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''اشعار کی تشریح''

1۔ قضا را وہ شب تھی شبِ چار دہ پڑا جلوہ لیتا تھا ہرطرف مَہ
نظارے سے تھا اُس کے دل کو سرور عجب عالمِ نور کا تھا ظہور

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میرحسنؔ

**حلِ لغت:** قضارا : اتفاقاً شب چاردہ : چودھویں رات مَہ : چاند شب : رات

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: شب صنعت مراعاۃ النظیر : شبِ چاردہ، مَہ، نور اسم اشارہ: وہ مرکبِ اضافی : عالمِ نور

**تشریح:**

شاعر میرحسنؔ اپنی مثنوی ''سحرالبیان'' کے ان اشعار میں شہزادہ بے نظیر کے اغوا کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ اتفاق کی بات دیکھو کہ جس رات شہزادہ بے نظیر پہلی مرتبہ اپنے محل سے نکل کر کھلے آسمان تلے آیا، وہ رات چاند کی چودھویں رات تھی۔ چاند آسمان کے عین وسط میں تھا اور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا اور ہر طرف اپنی روشنی کے خوبصورت جلوے بکھیر رہا تھا۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ جب کھلے آسمان تلے آکر شہزادے نے چودھویں رات کا یہ خوبصورت منظر دیکھا تو اُس کا دل اس حسین نظارے میں کھو سا گیا اور وہ اس حسین نظارے سے لطف اندوز ہونے لگا۔ چاند کی روشنی کی وجہ سے رنگ ونور کا ایک سیلاب اُمڈ رہا تھا۔ ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی اور چاندنی کی ایک عجیب بہار تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

2۔ عجب لطف تھا سیرِ مہتاب کا کہے تُو کہ دریا تھا مہتاب کا
ہوا شاہ زادے کا دل بے قرار یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میرحسنؔ

**حلِ لغت:** مہتاب: چاند بے قرار: بے چین بہار: بمعنی رونق، خوبصورتی

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: مہتاب صنعت مراعاۃ النظیر : مہتاب، چاندنی مرکب اضافی: سیرِ مہتاب سابقہ: بےقرار

**تشریح:**

شاعر میرحسنؔ اپنی مثنوی ''سحرالبیان'' کے ان اشعار میں اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ شہزادہ بے نظیر جب پہلی مرتبہ کُھلے آسمان تلے آیا تو ہر طرف چودھویں رات کے چاند کی روشنی بکھری ہوئی تھی اور چاند کی چاندنی نے رات کی خوبصورتی میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ شہزادے کو چاندنی رات کی اس سیر میں بہت مزا آ رہا تھا۔ اور اس رات چاند کی روشنی اتنی زیادہ تھی کہ ایسا لگتا تھا جیسے چاند سے نور کا کوئی دریا بہہ نکلا ہو۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ چاندنی رات کا یہ خوبصورت نظارہ شہزادے کو بہت بھلا معلوم ہوا اور چاند کی مسحور کُن روشنی اس کے دل کو بے چین اور بے قرار کرنے لگی کیونکہ آج چاند کی چاندنی کی وجہ سے زمین وآسمان پر ہر طرف روشنی کے خوبصورت رنگ بکھرے ہوئے تھے اور ہر چیز حسین اور نکھری ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

3۔ کچھ آئی جو اُس مَہ کے جی میں ترنگ کہا آج کوٹھے پہ بچھے پلنگ
کہا شہ نے اب تو گئے دن نکل اگر یوں ہے مرضی تو کیا ہے خلل

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میرحسنؔ

**حلِ لغت:** ترنگ: جذبہ، لہر کوٹھا: چھت خلل: حرج، رکاوٹ

**فنی محاسن:** استعارہ: شہزادے کو مَہ کہا ہے مجازِ مرسل: کوٹھے پہ بچھے پلنگ (کُل بول کر جز و مراد ہے)

**تشریح:**

شاعر میرحسنؔ اپنی مثنوی ''سحرالبیان'' کے ان اشعار میں کہتے ہیں کہ جب شہزادہ پہلی بار کُھلے آسمان تلے آیا اور اُس نے چودھویں رات کے چاند کی وجہ سے پھیلی ہوئی خوبصورتی کا نظارہ کیا تو اِس حسین رات کے منظر نے اُسے بے خود کر دیا اور چاند جیسے چہرے والے شہزادے کے دل میں ایک خواہش مچلنے لگی کہ آج وہ کُھلے آسمان تلے اس خوبصورت چاندنی میں رات گزارے۔ چنانچہ شہزادے نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ آج میرا بستر محل کی چھت پر لگا دو تاکہ میں چاندنی رات کے

اس خوبصورت نظارے سے لطف اندوز ہوسکوں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب شہزادے کی اس خواہش سے بادشاہ کو آگاہ کیا گیا تو اُس نے بھی شہزادے کو چھت پر سونے کی اجازت دیدی اور کہا کہ اب تو وہ منحوس دن گزر گئے ہیں جن کے بارے میں نجومیوں نے بتایا تھا۔ لہذا فکر کی کوئی بات نہیں، شہزادے کا بستر چھت پر لگا کر اس کی خواہش پوری کی جائے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

4۔ قضا را وہ دن تھا اُسی سال کا — غلط وہم ماضی میں تھا حال کا
سخن مولوی کا یہ سچ ہے قدیم — کہ آگے قضا کے ہو احمق حکیم

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان — شاعر: میر حسنؔ

**حلِ لغت:** قضارا: اتفاقاً — سخن: بات — قدیم: پرانی — قضا: موت، تقدیر — حکیم: دانا آدمی، طبیب

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: دن، سال — صنعت تضاد: ماضی، حال — حرف بیان: کہ

**تشریح:**

ان اشعار میں میر حسنؔ کہتے ہیں کہ اتفاقاً بدقسمتی سے بادشاہ کے حساب کتاب میں کچھ غلطی ہوگئی۔ یعنی بادشاہ نے مصیبت کے دن گزر جانے کا جو اندازہ لگایا تھا، وہ درست نہ تھا بلکہ جس دن شہزادے کو چھت پر سونے کی اجازت دی گئی، یہ دن اُسی سال کا تھا جس کے بارے میں نجومیوں نے پہلے سے خبردار کر دیا تھا کہ شہزادے کو باہر نہ نکلنے دیا جائے ورنہ اس پر کوئی مصیبت آسکتی ہے مگر یہ بادشاہ کے اندازے کی غلطی تھی کہ بادشاہ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ مصیبت کے دن قصہٴ ماضی بن چکے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ دن ابھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ اگلے شعر میں میر حسن نے کسی مولوی صاحب کا ایک مقولہ نقل کیا ہے اور مولوی صاحب سے مراد مولانا روم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت اور اللہ کی تقدیر کے سامنے بڑے بڑے حکیم اور دانا لوگ بھی بے وقوف بن کر رہ جاتے ہیں کیونکہ جس کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے مرنا لکھ دیا ہو تو بڑے سے بڑا دانا حکیم بھی اُسے موت سے نہیں بچا سکتا۔ کیونکہ تقدیر کا لکھا ضرور پورا ہو کر رہتا ہے، تقدیر کے سامنے کسی کا بس اور زور نہیں چلتا۔ آنے والی مصیبت لازمی آکر ہی رہتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

5۔ وہ سونے کا جو تھا جڑاؤ پلنگ — کہ سیمیں تنوں کو ہو جس پر اُمنگ
کھنچی چادر ایک اُس پہ شبنم کی صاف — کہ ہو چاندنی جس صفا کی غلاف

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان — شاعر: میر حسنؔ

**حلِ لغت:** جڑاؤ: جڑا ہوا — سیمیں تن: چاندی جیسے بدن والا — اُمنگ: خواہش — صفا: صاف شفاف — غلاف: کوَر

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: پلنگ، چادر، غلاف — حرف بیان: کہ — اسم اشارہ: وہ — لاحقہ: سیمیں تنوں

**تشریح:**

ان اشعار میں میر حسنؔ کہتے ہیں کہ جب شہزادے نے کھلے آسمان تلے محل کی چھت پر رات گزارنے کی خواہش کا اظہار کیا تو شہزادے کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے بادشاہ کے حکم پر شہزادے کا پلنگ چھت پر بچھا دیا گیا۔ یہ پلنگ سونے سے بنا ہوا تھا اور اس پر قیمتی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور یہ پلنگ اتنا خوبصورت اور آرام دہ تھا کہ اس کو دیکھ کر شہزادے جیسے حسین بدن والوں کے دل میں اس پر لیٹنے کی امنگ اور خواہش جاگ جاتی ہے اور اس پلنگ پر انہیں پرسکون اور آرام دہ نیند نصیب ہوتی ہے۔ آگے شاعر کہتے ہیں کہ شہزادے کے اس پلنگ پر ایک نہایت خوبصورت اور شبنم کی طرح نرم و ملائم چادر بھی بچھا دی گئی۔ اس چادر کے سفیدی و صفائی اور چمک دمک اتنی زیادہ تھی کہ جب چاند کی روشنی اس پر پڑتی تو اس کی سفیدی میں مزید اضافہ ہو جاتا اور اس کی سفیدی کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے چاند کی چاندنی کا غلاف اس پر چڑھا دیا گیا ہو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

6۔ دھرے اس پہ تکیئے کئی نرم نرم — کہ مخمل کو ہو جس کے دیکھے سے شرم
کبھی نیند میں جب کہ ہوتا تھا وہ — تو رخسار رکھ اس پہ سوتا تھا وہ

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میر حسنؔ

**حل لغت:** دھرے: رکھے مخمل: نرم و ملائم کپڑا رخسار: گال

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: نرم نرم حرف بیان: کہ اسم اشارہ: وہ

**تشریح:**

ان اشعار میں میر حسنؔ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب شہزادے کے لیے محل کی چھت پر صاف شفاف بستر اور اُجلی چادر بچھا دی گئی تو اس کے بعد بستر پر نرم و گداز اور ملائم تکیئے بھی انتہائی نفاست سے رکھ دیئے گئے۔ شاعر کہتے ہیں کہ وہ تکیئے اتنے نرم اور اعلیٰ معیار کے تھے کہ مخمل جیسے نازک کپڑے کو بھی اس کی نرمی اور نازکی دیکھ کر شرم آ جائے اور مخمل کو اپنا مقام و مرتبہ بہت پست معلوم ہونے لگے۔ اگلے شعر میں شاعر مزید کہتے ہیں کہ یہ نرم نرم تکیئے شہزادے کے بستر پر اس لئے رکھے گئے تھے کہ جب وہ بستر پر لیٹتا تھا تو اپنا خوبصورت چہرہ ان تکیوں پر رکھ دیتا تھا۔ اور جب شہزادہ عالمِ خواب میں ہوتا تھا تو ان نرم و ملائم تکیوں پر اپنے نرم و نازک گال رکھ کر خوب مزے کی نیند سوتا تھا اور ایک پر سکون نیند کا مزہ لیتا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

7۔ چُھپائے سے ہوتا نہ، حُسن اُس کا ماند — دِیے تھا لگا اُس کے مکھڑے کو چاند
ہوئی دونوں کے حُسن کی ایک جُوت — کہ جیسے ہو دو چشموں کی ایک سَوت

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میر حسنؔ

**حل لغت:** ماند: مدہم دِیے: شمع، چراغ مکھڑے: چہرہ جوت: جمع ہونا سَوت: منبع، سرچشمہ

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: حُسن صعتِ تشبیہ: دونوں کے حُسن کو دو چشموں کی سوت سے جا ملایا حرف بیان: کہ

**تشریح:**

میر حسنؔ ان اشعار میں اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب شہزادہ چاندنی رات میں محل کی چھت پر لیٹ گیا تو اُس کا حسن و جمال اتنا زیادہ تھا کہ اس کی خوبصورتی تکیئے میں منہ چھپانے سے بھی کم نہیں ہوتی تھی اور اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر ایسے لگتا تھا کہ جیسے آج اس کے حسین چہرے پر کئی چاند چمک رہے ہوں اور چاند کی کرنوں نے اس کے حُسن کو مزید بڑھانے کے لیے اُس کے چہرے پر نور کے چراغ روشن کر دیئے ہوں۔ اور اگلے شعر میں شاعر شہزادے کے حُسن کو چاند کے حسن سے ملاتے ہوئے کہتے ہیں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ بے مثال حُسن کے مالک تھے لیکن جب اس چاندنی رات میں دونوں کا حسن ایک ساتھ اکٹھا ہوا تو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے حُسن کے یہ دونوں چشمے ایک ہی جگہ سے پھوٹ رہے ہیں یعنی شہزادے اور چاند کے حُسن کا منبع و سر چشمہ ایک ہی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

8۔ وہ سویا جو اس آن سے بے نظیر — رہا پاسباں اُس کا بدرِ منیر
ہوا اُس کے سونے پہ عاشق جو ماہ — لگا دی اُدھر اُس نے اپنی نگاہ

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میر حسنؔ

**حل لغت:** بے نظیر: بے مثال پاسباں: محافظ بدرِ منیر: روشن چاند

**فنی محاسن:** مترادف الفاظ: بدر، ماہ مرکب توصیفی: بدرِ منیر سابقہ: بے نظیر

**تشریح:**

ان اشعار میں میر حسنؔ شہزادہ بے نظیر کے سونے کے منظر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بے مثال حُسن کا مالک وہ شہزادہ چاندنی رات میں کُھلے آسمان تلے محل کی چھت پر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر پلنگ پر سو گیا تو آسمان پر موجود چودھویں رات کا چاند اُس کی رکھوالی کرنے لگا اور اپنی کرنوں کے ذریعے اس کے اردگرد پہرہ دینے لگا گویا آج چاند بھی شہزادہ بے نظیر کا محافظ اور رکھوالا بن گیا۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ شہزادے کا چہرہ نیند کے عالم میں اتنا خوبصورت لگ رہا تھا اور اس کے سونے کا انداز اتنا پیارا تھا کہ چاند اُس کے سونے کے اس خوبصورت انداز پر فریفتہ ہو گیا اور اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا۔ اور جس طرح ایک عاشق ہر طرف سے بے نیاز ہو کر محبوب کے دیدار میں کھو جاتا ہے اسی طرح آج چاند بھی سوئے ہوئے شہزادے کے دیدار میں محو ہو گیا اور محبت بھری نگاہوں سے اُسے مسلسل تکنے لگا۔

9۔ وہ مہ اُس کے کوٹھے کا ہالہ ہوا غرض وہاں کا عالم دو بالا ہوا
وہ پھولوں کی خوشبو وہ ستھرا پلنگ جوانی کی نیند اور وہ سونے کا ڈھنگ

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میرحسنؔ

**حلِ لغت:** کوٹھا: چھت ہالہ: گول دائرہ دوبالا: دُگنا ڈھنگ: انداز

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃالنظیر: (مَہ، ہالہ)(پھول، خوشبو) اسم اشارہ: وہ

**تشریح:**

میرحسنؔ ان اشعار میں کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ محل کی چھت پر جب شہزادہ سوگیا تو چاند اُس پر دل وجان سے فدا ہوگیا اور چاند نے اپنی نظریں شہزادے پر ٹکا دیں اور نہایت توجہ اور محویت کے عالم میں مسلسل شہزادے کو دیکھنے لگا۔ جس کی وجہ سے چھت کے اردگرد چاند کی روشنی کا ایک ہالہ یعنی دائرہ سا بن گیا اور اس روشنی کی وجہ سے وہاں کا منظر اور بھی حسین اور روشن ہوگیا۔ آگے شاعر منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج اس چاندنی رات کی ہر ادا ہی نرالی تھی۔ پھولوں کی خوشبو اور مہک سے ساری فضا معطر ہو رہی تھی۔ اور جس بستر پر شہزادہ سو رہا تھا وہ بھی نہایت صاف ستھرا اور بے داغ تھا۔ اُوپر سے شہزادے کی جوانی کے زمانے کی نینداور سونے کا خوبصورت انداز ایک عجیب دلکشی کی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

10۔ جہاں تک کہ چوکی کے تھے باری دار ہوا جو چلی سو گئے ایک بار
غرض سب کو وہاں عالم خواب تھا فقط جاگتا ایک مہتاب تھا

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میرحسنؔ

**حلِ لغت:** چوکی: پہرے کی جگہ باری دار: چوکیدار مہتاب: چاند

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃالنظیر: چوکی، باری دار مرکب اضافی: عالمِ خواب حرف بیان: کہ

**تشریح:**

میرحسنؔ ان اشعار میں کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اس چاندنی رات میں شہزادہ محل کی چھت پر سوگیا اور رات گہری ہوگئی تو اس رات چلنے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اُن چوکیداروں سے آ کر ٹکرائے جو شہزادے کی حفاظت اور رکھوالی پر مامور تھے تو اُن کو بھی اس خوشگوار اور ٹھنڈی ہوا نے بے خود کر دیا اور ان کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں چنانچہ وہ بھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے اثر کی وجہ سے غافل ہوکر گہری نیند سو گئے۔ آگے شاعر کہتے ہیں کہ اب صورتِ حال یہ تھی کہ اس خوابناک ماحول میں ہر طرف نیند نے اپنے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور اس محل کے اندر ہر شخص خوابِ خرگوش کے مزے لُوٹ رہا تھا۔ اور اگر کوئی جاگ رہا تھا تو وہ صرف چودہویں کا چاند تھا جو بیدار رہتے ہوئے پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا اور اپنی روشنی کی کرنیں ہر طرف بکھیر رہا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

11۔ قضارا ہوا اک پری کا گزر پڑی شاہ زادے پہ اُس کی نظر
ہوئی حُسن پر اُس کی جی سے نثار وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اُتار

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان شاعر: میرحسنؔ

**حلِ لغت:** قضارا: اتفاقاً جی: دل نثار: قربان

**فنی محاسن:** لاحقہ: شاہ زادے اسم اشارہ: وہ

**تشریح:**

میرحسنؔ ان اشعار میں کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب شہزادہ محل کی چھت پر سوگیا اور ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکوں نے پہرے داروں پر بھی نیند طاری کر دی تو اتفاق سے ایک پری جس کا نام ماہ رخ تھا، وہ اپنے تخت پر سوار وہاں سے گزر رہی تھی۔ جب اُس کا گزر محل کی چھت کے قریب سے ہوا تو اُس کی نظر اچانک شہزادے پر پڑی جو اپنے آرام دہ بستر پر پُرسکون نیند کے مزے لُوٹ رہا تھا۔ آگے شاعر کہتے ہیں کہ وہ پری شہزادے کے اس بے مثال حُسن کی تاب نہ لاسکی اور دل وجان سے اُس پر فدا ہوگئی یعنی شہزادے کی محبت میں گرفتار ہوگئی۔ پھر اُس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنا سفر موقوف کر دیا اور اپنا تخت ہوا سے اتار کر محل کی چھت پر لے آئی تاکہ نزدیک سے شہزادے کے حُسن کا نظارہ کر کے اپنی آنکھوں کی پیاس بُجھا سکے۔

12۔ جو دیکھا تو عالم عجب ہے یہاں　　منور ہے سارا زمین آسمان
مے عشق میں پھر یہ سوجھی ترنگ　　کہ لے چلیئے اُس کا امانت پلنگ

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان　　شاعر: میر حسؔن

**حل لغت:** عالم: حالت　　منور: روشن　　مے: شراب　　ترنگ: جذبہ،خیال کی لہر

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: زمین آسمان　　حرف بیان: کہ

**تشریح:**

میر حسؔن ان اشعار میں کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ماہ رخ پری شہزادے کو دیکھ کر اُس پر اپنا دل ہار بیٹھی اور اپنا تخت محل کی چھت پر اُتار لائی تو یہاں کا منظر دیکھ کر اُسکی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ پَری نے اس سے پہلے کبھی ایسا حسین منظر نہ دیکھا تھا کہ آج تو زمین سے لے کر آسمان تک ساری فضا منور اور روشنی میں ڈوبی ہوئی ہے اور چاند کی چاندنی کی وجہ سے ہر منظر بے پناہ خوبصورت معلوم ہو رہا ہے۔ آگے شاعر کہتے ہیں کہ اُس پَری پر شہزادے کی محبت نے ایک عجیب سا نشہ اور سرور طاری کر دیا اور اسی مستی کے عالم میں اُسے خیال آیا کہ کیوں نہ شہزادے کو پلنگ سمیت اٹھا کر اپنے ساتھ پرستان لے جائے اور ایک امانت کی طرح اُسے اپنے پاس بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

13۔ محبت کی آئی جو دل میں ہوا　　وہاں سے اُسے لے اُڑی دل رُبا
غرض لے گئی آن کی آن میں　　اُڑا کر وہ اُس کو پرستان میں
کبھی دل رہے خوش کبھی دردمند　　زمانے کی ہے جیسے پست و بلند

**حوالہ:** نظم: سحرالبیان　　شاعر: میر حسؔن

**حل لغت:** دل ربا: بہت حسین　　آن کی آن: فوراً　　دردمند: پریشان

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: (خوش،دردمند)(پست،بلند)　　استعارہ: پَری کو دل ربا کہا ہے
مجاز مرسل : گُل (پرستان) بول کر جزو (کوئی خاص جگہ) مراد ہے

**تشریح:**

میر حسؔن ان اشعار میں کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ماہ رخ پری کے دل میں شہزادے کی محبت کے کچھ ایسے جذبات و احساسات بیدار ہوئے کہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی اور شہزادے کو محل کی چھت سے اغوا کر کے اپنے ساتھ لے اُڑی۔ اور اپنے تیز رفتار تخت پر بٹھا کر دیکھتے ہی دیکھتے شہزادے کو پرستان یعنی پریوں کے دیس میں لے آئی۔ اختتامی شعر میں میر حسؔن بڑے خوبصورت انداز میں اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا کا دستور بھی عجیب ہی ہے، زندگی میں خوشی اور غم دونوں ہی لگے رہتے ہیں۔ کبھی انسان کسی خوشی کی وجہ سے انتہائی مسرور ہوتا ہے اور کبھی کوئی پریشانی آ کر اس کے دل کو غمگین کر دیتی ہے۔ زمانے کی حالت کبھی ایک سی نہیں رہتی۔ پستی اور بلندی لگی ہی رہتی ہے یعنی اچھا برا وقت آتا رہتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ ہر طرح کے حالات کا سامنا حوصلہ مندی سے کرے اور ہمت و بہادری کے ساتھ پریشانیوں کا مقابلہ کر کے انہیں ختم کرنے کی کوشش کرے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# نظم: تختِ فرس پہ علی اکبرؓ کا خطاب

## شاعر: مرزا سلامت علی دبیرؔ

**ہیئت: مسدس**　**صنف: مرثیہ**　**ماخوذ: مراثیِ دبیرؔ**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## "تعارف شاعر"

**ابتدائی حالات:** مرزا سلامت علی دبیرؔ 1803ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں آپ اپنے والدین کے ہمراہ دہلی سے لکھنؤ آ گئے۔

**تعلیم:** لکھنؤ میں آپ نے مروّجہ علوم سیکھے اور عربی فارسی کی تعلیم بھی جید علماء سے حاصل کی۔

**فنِ شاعری:** شاعری کے فن میں مرزا دبیرؔ نے میر ضمیر کی شاگردی اختیار کی۔ اندازِ بیان کا رعب و دبدبہ، منظر نگاری، واقعہ نگاری، بے ساختہ پن، حُسنِ تشبیہ اور لفظی صنعت گری آپ کے کلام کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

**مرثیہ نگاری:** مرزا دبیرؔ کے مرثیے اپنی گھن گرج، آب و تاب اور زبان و بیان کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہیں۔ مرزا دبیرؔ، میر انیسؔ کے ہم عصر تھے، مگر یہ بات مسلمہ ہے کہ مرزا دبیرؔ مرثیہ گوئی کے میدان میں انیسؔ سے پہلے داخل ہوئے۔

**وفات:** اردو کے یہ عظیم مرثیہ گو شاعر 9 مارچ 1875ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

**مجموعہ کلام:** مراثیِ دبیرؔ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## "معروضی سوالات"

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | مرزا دبیرؔ ۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔ | الف۔ لکھنؤ | **ب۔ دہلی** |
| ۲۔ | مرزا دبیرؔ میر انیسؔ کے ۔۔۔۔۔۔ تھے۔ | **الف۔ ہم عصر** | ب۔ ہم جماعت |
| ۳۔ | مرزا دبیرؔ نے ۔۔۔۔۔۔ کی شاگردی اختیار کی۔ | **الف۔ میر ضمیرؔ** | ب۔ میر تقی میرؔ |
| ۴۔ | ماتھے کا عرق ۔۔۔۔۔۔ کیا انگلی سے بارے | الف۔ صاف | **ب۔ پاک** |
| ۵۔ | احکامِ یزید اور ہیں اور اپنے ۔۔۔۔۔۔ اور | **الف۔ امور** | ب۔ حاکم |
| ۶۔ | ۔۔۔۔۔۔ سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوتا | الف۔ نماز | **ب۔ ساماں** |
| ۷۔ | پہنے جو انگوٹھی وہ ۔۔۔۔۔۔ نہیں ہوتا | **الف۔ سلیمانؑ** | ب۔ عمران |
| ۸۔ | شبنم کبھی ۔۔۔۔۔۔ کے منہ پر نہیں پڑی تھی | الف۔ پھول | **ب۔ خورشید** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## "مشقی سوالات"

**سوال ۱: حضرت علی اکبرؓ نے اپنے خطاب میں کیا ارشاد فرمایا؟**

**جواب:** مرزا دبیرؔ کے مرثیے "تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب" کے مطابق حضرت علی اکبر نے اپنے خطاب میں دشمنوں سے درج ذیل باتیں ارشاد فرمائیں۔

**حضرت علی اکبرؓ کا خطاب:** حضرت حسینؓ کے صاحبزادے حضرت علی اکبرؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا: اے غافلو! ہمارے مقام اور مرتبے کو پہچانو۔ ہم اگرچہ خدا نہیں ہیں مگر خدا کی بندگی کرنے والے ضرور ہیں۔ اور جب ہم اللہ کے لئے میدان میں نکل آتے ہیں تو ہم اپنے سر خدا کی راہ میں قربان کرنے میں دیر نہیں کرتے اور اس معاملے میں کوئی بھی ہمارا ہمسر نہیں ہے۔ اور ہم صرف اللہ کے فضل و کرم پہ بھروسہ کرتے ہیں۔ یزید میں اور ہم میں بہت فرق ہے، ہم حق پر ہیں اور وہ باطل ہے۔ وہ نمرود کی آگ کی طرح ہیں اور ہم کوہِ طور کو روشن کر دینے والی آگ کی مانند ہیں۔ صاحبِ ایمان ہونے کے لئے دنیاوی سامان

اور وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی، ہر ایک لاٹھی پکڑنے والا موسیٰ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی انگوٹھی پہن لینے سے کوئی سلیمانؑ بن سکتا ہے۔ مچھر کتنا ہی بلند پرواز کیوں نہ ہو جائے وہ ہما پرندہ نہیں بن سکتا، اور بت کافر کے سجدے سے خدا نہیں ہوسکتا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**سوال۲: اس نظم میں جن تاریخی شخصیات کا ذکر ہوا ہے، ان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟**

**جواب:** اس نظم میں درج ذیل تاریخی شخصیات کا ذکر ہوا ہے۔

**۱۔حضرت موسیٰؑ:** آپ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اللہ نے آپ کو بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا اور فرعون کے مقابلے کے لئے "عصا" اور "یدِ بیضا" کا معجزہ عطا فرمایا۔ آپ کے والد کا نام عمران تھا۔

**۲۔حضرت سلیمان:** آپ بھی اللہ کے پیغمبر تھے اور حضرت داوٗد کے بیٹے تھے۔ اللہ نے آپ کو جنات اور ہوا پر بھی حکومت عطا کی تھی۔

**۳۔سکندر:** یہ یونان کا بادشاہ تھا۔ جس نے کم عمری میں ہی ایرانی بادشاہ دارا کو شکست دی تھی اور ساری دنیا پر فتح کے جھنڈے گاڑے تھے۔

**۴۔نمرود:** یہ کافر بادشاہ تھا جو خود کو خدا سمجھ بیٹھا تھا۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تھا مگر بحکم الٰہی وہ آگ گلزار بن گئی تھی۔

**۵۔علی اکبر:** یہ حضرت حسینؓ کے بیٹے تھے۔ حضورؐ سے مشابہت رکھتے تھے۔ بڑی بہادری کے ساتھ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا تھا۔

**۶۔یزید:** حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا تھا۔ جس نے خلافت کا دعویٰ کر کے حضرت حسینؓ کو اپنی بیعت پر مجبور کرنے کی کوشش کی تھی۔

**۷۔ہاروت ماروت:** یہ دو فرشتے ہیں۔ جنہیں سزا کے طور پر اللہ نے زمین پر بابل کے کنویں میں لٹکا دیا، یہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

**۸۔حیدر:** حیدر سے مراد حضرت علیؓ ہیں جو حضورؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ حضرت فاطمہؓ سے نکاح ہوا۔ حسنؓ اور حسینؓ آپ کے ہی صاحبزادے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**سوال۳: نظم سے ایسے مصرعے تلاش کر کے لکھیں جن میں "صنعت تضاد" کا استعمال ہو۔**

**جواب:** وہ مصرعے جن میں صنعت تضاد کا استعمال ہوا ہے، درج ذیل ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| **مصرعہ۱:** | سرعت سے کہا فرش بچھا عرش بریں پر | **صنعت تضاد:** | فرش، عرش |
| **مصرعہ۲:** | باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور | **صنعت تضاد:** | باطل، حق |
| **مصرعہ۳:** | بالائے زمین ٹیک دیئے ہاتھ فلک نے | **صنعت تضاد:** | زمین، فلک |
| **مصرعہ۴:** | بت کیا ہے خدا کیا ہے | **صنعت تضاد:** | بت، خدا |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**سوال۴: مرثیہ کی تعریف کریں اور مرثیے کے ارکان کی وضاحت کریں؟**

**جواب: مرثیہ کی تعریف:** مرثیہ کا لفظ "رثا" سے نکلا ہے، اس کا معنی ہے ماتم کرنا۔ اصطلاح میں وہ نظم مرثیہ کہلاتی ہے جو کسی کے موت پرغم کے اظہار کے طور پر لکھی جائے اور اس میں مرحوم کے اوصاف بھی بیان کیے جائیں۔ لیکن اب مرثیہ سے مراد وہ نظم ہے جس میں میدان کربلا کے واقعات، شہیدانِ کربلا کی بہادری اور ان کی شہادت پر غم کا اظہار کیا گیا ہو۔

**"مرثیہ کے ارکان":**

**۱۔چہرہ:** یہ حصہ حمدیہ کلام پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس میں موسم کا بھی ذکر ہوتا ہے اور شاعر اکثر اس حصے میں اپنے کلام پر فخر کرتا ہے۔

**۲۔سراپا:** اس حصے میں حضرت حسینؓ کے جانثار ساتھیوں کا حلیہ بیان کیا جاتا ہے۔

**۳۔رخصت:** اس حصے میں حضرت حسینؓ کے گھر سے رخصت ہونے کا منظر بیان کیا جاتا ہے اور جذباتی انداز میں یہ منظر پیش کیا جاتا ہے۔

**۴۔آمد:** اس حصے میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو میدانِ جنگ میں آتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔

**۵۔رجز:** اس حصے میں حسینی مجاہد یزیدی لشکر کو للکارتا ہے اور فخریہ انداز میں اپنا حسب ونسب بیان کرتا ہے۔

**۶۔رزم:** اس حصے میں لڑائی کے واقعات، تلواروں کی کاٹ اور گھوڑوں کی دوڑ بیان کی جاتی ہے۔

**۷۔شہادت:** اس حصے میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کو پُر درد انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

**۸۔بَین ودعا:** آخری حصے میں شہداء کی شہادت پر ماتم کیا جاتا ہے اور دعا مانگی جاتی ہے۔

**س8۔ کسی ایسے مرثیے کے تین اشعار لکھیں جن کا موضوع واقعہ کربلا ہو؟**

**جواب:** میر انیس کے مرثیے کے تین اشعار درج ذیل ہیں۔

۱۔ جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہُوا　　دشتِ بلا نمونۂ خُلدِ بریں ہُوا

۲۔ سر جھُک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہُوا　　خورشید محوِ حُسنِ حُسینِ حسیں ہُوا

۳۔ پایا فروغ نیّرِ دیں کے ظہور سے　　جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## "اشعار کی تشریح"

**۱۔ شہزادے نے جلوہ جو کیا دامنِ زیں پر　　پھر زین نے آواز کسا مہرِ مبیں پر**

**مرکب نے قدم فخر سے رکھا نہ زمیں پر　　سرعت سے کہا فرش بچھا عرشِ بریں پر**

**پلکوں سے لیا پنجے میں شہبازِ قضا کو**

**بغلوں کے شکنجے میں کیا قید ہوا کو**

**حوالہ:** نظم: تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب　　شاعر: مرزا دبیر

**حلِ لغت:** زین: کاٹھی　مہرِ مبین: روشن سورج　مرکب: گھوڑا　قضا: موت　شکنجہ: گرفت

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (مرکب، زین) (پنجہ، شہباز)　صنعت تضاد: فرش، عرش　مرکب توصیفی: مہرِ مبین، عرشِ بریں

**تشریح:** اس بند میں شہزادے سے مراد حضرت علی اکبر ہیں۔ جو حضرت حسینؓ کے صاحبزادے تھے اور بہت بہادر اور دلیر تھے۔ مرزا دبیر کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ کے شہزادے (علی اکبر) گھوڑے کی زین پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں آئے اور انہوں نے اپنا جلوہ دکھایا، تو زین کی قسمت جاگ اٹھی کہ اس پر آج حضرت حسینؓ کا شہزادہ سوار ہوا ہے۔ تو زین اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے چمکتے سورج سے مخاطب ہوئی کہ دیکھ آج مجھ پر کون بیٹھا ہے۔ آج علی اکبر کی وجہ سے میری عزت اور حیثیت تم سے زیادہ ہوگئی ہے۔ آگے شعر میں مرکب کا ذکر آیا ہے، مرکب سے مراد سواری ہے یعنی وہ گھوڑا جس پر علی اکبر سوار تھے۔ اس گھوڑے نے بھی اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے بڑی جلدی اور تیزی سے کہا کہ آج میں نے فخر کی وجہ سے زمین پر قدم نہیں رکھنا، میرے لئے تو عرش پر جہاں اللہ کا دربار لگا ہوا ہے، وہاں فرش بچھایا جائے۔ کیونکہ علی اکبر کی وجہ سے میرا مقام بھی آج بلند ہو گیا ہے۔ اور آخری شعر میں مرزا دبیر کہتے ہیں کہ علی اکبر نے موت کے شاہین کو اپنی پلکوں کے پنجوں میں لے کر مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔ یہ حضرت علی اکبر کی بہادری کی طرف اشارہ ہے کہ عام طور پر لوگ موت سے ڈرتے ہیں مگر علی اکبر ایسے نڈر انسان ہیں کہ موت کو اپنے قبضے میں لے کر جان دینے کے لئے میدانِ جنگ کی طرف جا رہے ہیں اور انہوں نے ہوا کو بھی اپنی بغلوں کے نیچے قید کر لیا ہے یعنی بڑی تیز رفتاری سے ان کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا میدانِ جنگ کی طرف جا رہا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۲۔ اک عالم حیرت تھا، چہ لاہوت، چہ ناسوت　　سب جرم سے تائب تھے، چہ ہاروت، چہ ماروت**

**سب خوف سے تھے زرد، چہ خورشید، چہ یاقوت　　سکتہ تھا سلاطین کو نے تخت، نہ تابوت**

**بے خود جو کیا روئے درخشاں کی چمک نے**

**بالائے زمین ٹیک دیئے ہاتھ فلک نے**

**حوالہ:** نظم: تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب　　شاعر: مرزا دبیر

**حلِ لغت:** لاہوت: فنا فی اللہ کا مقام　ناسوت: ظاہری دنیا　چہ: کیا　روئے درخشاں: چمکتا چہرہ

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح: ہاروت، ماروت اور لاہوت　صنعت حسنِ تعلیل: فلک کا زمین پر ہاتھ ٹیکنا، خورشید کا خوف سے زرد ہونا

صنعت مراعاۃ النظیر: سلاطین، تخت　صنعتِ تضاد: زمین، فلک　مرکب توصیفی: روئے درخشاں　مرکب اضافی: عالمِ حیرت

**تشریح:** مرزا دبیر کہتے ہیں کہ جب علی اکبر جیسا خوبصورت نوجوان گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ان کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا تو اس منظر کو دیکھ کر پوری دنیا حیرت میں مبتلا ہو گئی تھی اور لاہوت اور ناسوت بھی حیران ہو رہے تھے۔ لاہوت سے مراد وہ اجسام ہیں جو اللہ کی محبت میں فنا ہو

جاتے ہیں اور ناسوت سے ظاہری جسم رکھنے والی ہر چیز مراد ہے۔آگے شاعر نے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کا ذکر کیا کہ اس منظر نے ان دونوں فرشتوں پر اس قدر ہیبت طاری کر دی کہ وہ بھی ڈر کر توبہ استغفار کرنے لگے اور اپنے گناہ کی معافی طلب کرنے لگے۔(ہاروت اور ماروت دو فرشتے ہیں جو لوگوں کو کالا جادو سکھاتے تھے اور اللہ نے انہیں بابل کے کنویں میں الٹا لٹکا دیا) آگے شاعر کہتے ہیں کہ علی اکبر کی بہادری اور دلیری کے سامنے آج ہر اک چیز خوف محسوس کر رہی تھی اور سورج کا رنگ بھی خوف سے پیلا پڑ چکا تھا اور یاقوت جو اپنی سرخ رنگت کی وجہ سے مشہور ہے، آج اس کا رنگ بھی خوف سے زرد ہو چکا تھا۔اور دنیا کے تمام حکمران اور بادشاہ خوف کی وجہ سے سکتے کا شکار تھے یعنی خوف کی وجہ سے بول نہیں سکتے تھے اور اپنے تخت اور تابوت کی فکر بھلا چکے تھے کیونکہ اس وقت انہیں اپنا ہی ہوش نہیں تھا۔آخری شعر میں شاعر حُسنِ تعلیل سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ علی اکبر کے خوبصورت چہرے کی چمک نے آسمان کو ایسا بےخود اور مدہوش کیا کہ اس نے ان کے حُسن سے ہار مانتے ہوئے اپنے ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے۔اصل میں آسمان کو دیکھا جائے تو چاروں طرف دور دور تک اسکے کناروں کا زمین سے ملاپ ہوتا دکھائی دیتا ہے لیکن شاعر حسن تعلیل سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ اس ملاپ کی اصل وجہ یہ ہے کہ آسمان نے علی اکبر کے حُسن سے ہار مان کر اپنے ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۳۔ راہوار کے کاووں سے زمین چرخ میں آئی — پر عرق عرق ہو گیا وہ حق کا فدائی
چہرے پہ عجب آب پسینے نے دکھائی — ان قطروں سے نیساں پہ گھٹا شرم کی چھائی

یہ قدر عرق کی نہ کسی رُو سے بڑھی تھی
شبنم کبھی خورشید کے منہ پر نہ پڑی تھی

**حوالہ:** نظم: تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب — شاعر: مرزا دبیر

**حلِ لغت:** راہوار: گھوڑا — چرخ: گردش — عرق عرق: پسینہ پسینہ — کاووں: گول دائرہ، نشان — نیساں: برسات — آب: چمک

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: عرق، آب، پسینہ، قطروں — مرکب اضافی: حق کا فدائی — استعارہ: پسینے کو شبنم اور علی اکبر کو خورشید کہا ہے

**تشریح:** ان اشعار میں مرزا دبیر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ علی اکبر گھوڑے پر سوار تھے اور یہ گھوڑا بڑی تیزی سے میدانِ جنگ کی طرف جا رہا تھا اور ان کے گھوڑے کی چاپ سے زمین پر لرزہ طاری تھا یعنی جب دوڑتے ہوئے گھوڑے کے قدم زمین پر زور سے پڑتے تھے تو زمین پر تھرتھراہٹ طاری ہو جاتی تھی اور زمین پر اس طاقتور گھوڑے کے قدموں سے نشان بن رہے تھے اور بہادر گھڑ سوار (علی اکبر) جو حق پر جان فدا کرنے کے شوقین تھے، ان کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا اور پسینے کے قطروں سے ان کا چہرہ چمک رہا تھا اور پسینے کے یہ قطرے ان کے چہرے کو اور حسین بنا رہے تھے اور ان کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے تھے۔اور وہ اتنے حسین لگ رہے تھے کہ برسات کی بارش بھی ان سے شرما رہی تھی۔شاعر کہتے ہیں کہ علی اکبر کے چہرے پر پسینے کے قطروں کا منظر کتنا بھلا ہے کہ برسات کی گھٹا کا خوبصورت منظر بھی اس منظر سے شرم محسوس کر رہا ہے۔اور اس بند کے آخری شعر میں شاعر ان کی مزید تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج تک کسی بھی چہرے پر پسینہ آنے سے اس پسینے کی قدر و قیمت میں اضافہ نہیں ہوا لیکن علی اکبر کے چہرے پر پسینے کے قطروں کی قدر بہت زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ ان کا چہرہ آفتاب کی مانند ہے اور آفتاب جیسے اس چہرے پر پسینے کے قطرے شبنم کے قطروں کی مانند لگ رہے ہیں گویا آج پہلی بار آفتاب کے چہرے پر بھی شبنم پڑی ہوئی ہے۔اور اس شبنم یعنی پسینے کے قطروں کی وجہ سے حضرت علی اکبرؓ کا چہرہ سورج کی مانند چمک رہا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۴۔ ماتھے کا عرق پاک کیا انگلی سے بارے — سورج سے کئے دور مہِ نو نے ستارے
حیدر کے لب و لہجے میں لشکر کو پکارے — ہاں غافلو! آگاہ ہو رتبے سے ہمارے

اللہ کے بندے ہیں پہ اللہ نہیں ہیں
بندے مگر اس طرح کے واللہ نہیں ہیں

**حوالہ:** نظم: تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب — شاعر: مرزا دبیر

**حلِ لغت:** عرق: پسینہ — مہِ نو: نیا چاند — لب و لہجہ: انداز — واللہ: اللہ کی قسم

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: سورج، مہ، ستارے — صنعت تضاد: بندے، اللہ — صنعت تکرار: لفظِ اللہ — مرکب عطفی: لب و لہجہ

استعارات: علی اکبر کی پیشانی کو سورج، انگلی کو نیا چاند اور پسینے کے قطروں کو ستارے کہا ہے۔

**تشریح:۔** مرزا دبیر اس بند میں اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ کے صاحبزادے حضرت علی اکبرؓ تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے

میدانِ جنگ میں تشریف لائے تو آپؑ کا چہرہ عرق آلود تھا یعنی گرمی کی شدت کی وجہ سے آپؑ کا خوبصورت چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔شاعر استعارات کا خوبصورتی سے استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حضرت علی اکبرؑ نے اپنی انگلی کو ٹیڑھا کر کے پیشانی مبارک سے پسینہ صاف کیا تو یوں لگ رہا تھا جیسے پہلے دن کے چاند نے سورج سے ستاروں کو دور کیا ہو۔یعنی آپ کی انگلی پہلے دن کے چاند کی مانند لگ رہی تھی اور آپؑ کی پیشانی سورج کی طرح روشن اور چمکدار تھی اور اس پیشانی پر پسینے کے قطرے ستاروں کی مانند جھلملا رہے تھے۔شاعر مزید فرماتے ہیں کہ پیشانی سے پسینہ پونچھ لینے کے بعد حضرت علی اکبرؑ نے اپنے دادا حضرت علیؑ والا بارعب انداز اختیار کیا اور بڑے پر جوش لہجے میں یزیدی لشکر کے سپاہیوں کو للکار کر فرمایا کہ اے غفلت میں ڈوبے ہوئے یزیدی سپاہیو! کیا تم ہمارے مقام اور مرتبے کو نہیں پہچانتے ؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ہماری نسبت کس مقدس ہستی سے ہے؟ ہم تو نبی کریمؐ کی اولاد ہیں لیکن اس عظیم نسبت کے باوجود ہم خود کو خدا کا عاجز و مسکین بندہ سمجھتے ہیں اور تکبر میں آ کر خدائی کا دعوٰی نہیں کرتے۔لیکن یاد رکھو! جو کچھ تم ہمارے بارے میں سوچ رہے ہو، ہم ویسے بھی نہیں ہیں کہ یزیدی ظلم کے خوف سے ہم اس کو خلیفہ مان کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔یہ محض تمہاری خام خیالی ہے، ہم کٹ تو سکتے ہیں لیکن کسی باطل قوت کے سامنے جھک نہیں سکتے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۵۔ **تن پر راہِ معبود میں ہم سر نہیں رکھتے　ہم سر کے کٹا دینے میں ہمسر نہیں رکھتے**
**جُز دستِ گدا اور کہیں زر نہیں رکھتے　تکیہ کرمِ حق پہ ہے، بستر نہیں رکھتے**
**یہ ان پہ کُھلا ہے جو خاصانِ خدا ہیں**
**ہر بندے کے ہم بند کشا عقد کشا ہیں**

**حوالہ:** نظم: تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب　شاعر: مرزا دبیر

**حلِ لغت:** تن:جسم　ہمسر: ثانی، مقابل　جز: سوائے　گدا: فقیر　زر: پیسہ　تکیہ: بھروسہ
خاصان: خاص لوگ　بند کشا/عقد کشا: مشکلیں آسان کرنے والا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (تن، سر)(تکیہ، بستر)　صنعت تضاد: بندہ، خدا　حرف بیان: کہ
مرکب اضافی: راہِ معبود، دستِ گدا، کرمِ حق، خاصانِ خدا　لاحقہ: بند کشا، عقد کشا

**تشریح:** ان اشعار میں شاعر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ نے میدانِ کربلا میں دشمنوں پر رعب ڈالنے کی خاطر اپنے خاندانی جاہ و جلال کا بھی ذکر کیا۔اصل میں عربوں کی عادت تھی کہ وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے دشمن کو مرعوب کرنے کی خاطر اپنی بہادری اور خاندانی شجاعت کے قصے سنایا کرتے تھے۔تو حضرت علی اکبرؑ بھی ان اشعار میں یزیدی لشکر سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ تم لوگ ہماری خاندانی شجاعت اور دلیری سے واقف نہیں ہو۔ہم تو وہ لوگ ہیں جو میدان جہاد میں اپنی جان ہتھیلی پر سجا کر نکلتے ہیں۔ہم لوگ حق کی خاطر اپنا سر جسم پر سجانے کی بجائے کٹا دینے میں زیادہ فخر محسوس کرتے ہیں۔اور اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کے معاملے میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ ہم لوگ دنیاوی مال و اسباب کے بھی پجاری نہیں ہیں بلکہ ہم اپنی دولت کھلے دل سے فقیروں اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ہم صرف خدا کی مہربانی پر بھروسہ کرتے ہیں اور دنیاوی آسائشات کے پیچھے نہیں بھاگتے۔لیکن افسوس! تم لوگوں کو ہماری یہ باتیں سمجھ نہیں آئیں گی۔کیونکہ یہ باتیں صرف اللہ کے نیک اور مقرب بندوں کو سمجھ آتی ہیں اور تم لوگ تو اللہ کے نافرمان اور باغی ہو۔آخر میں فرمایا کہ ہماری ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ ہم لوگ مصیبت زدہ انسانوں کی مدد کرتے ہیں۔اور ان کے مسائل حل کر کے ان کی زندگیوں میں جو پریشانیوں کی گرہیں ہیں، انہیں کھول دیتے ہیں یعنی لوگوں کو مشکلوں اور پریشانیوں سے نجات دلا دیتے ہیں۔اور اپنی اسی خاصیت کی وجہ سے آج ہم میدانِ کربلا میں آئے ہیں تاکہ ساری امت کو یزیدی ظلم و ستم سے نجات دلا سکیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۶۔ احکامِ یزید اور ہیں اور اپنے امور اور　　باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے اور آتشِ طور اور　　زنبور کا غُل اور ہے، الحانِ زبور اور
سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہیں ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے زمین کیا ہے فلک کیا

**حوالہ:** نظم: تختِ فرس پہ علی اکبر کا خطاب　　شاعر: مرزا دبیر

**حلِ لغت:** امور: معاملات　نمود: نمائش　زنبور: بھڑ　غل: شور　الحان: سریلی آواز　ملک: فرشتہ

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: (حق، باطل) (زمین، فلک) (بت، خدا) (بشر، ملک)　صنعت تلمیح: نمرود کی آگ، آتشِ طور، الحانِ زبور
مترادف الفاظ: (آگ، آتش) (نمود، ظہور)　مرکب اضافی: احکامِ یزید، آتشِ طور، الحانِ زبور

**تشریح:** حضرت علی اکبرؓ دشمن سے اپنا خطاب جاری رکھ کر فرماتے ہیں کہ تم لوگ زبردستی ہم سے یزید کے احکامات منوانا چاہتے ہو حالانکہ اس بات سے سب واقف ہیں کہ ہمارے قول و فعل اور یزید کے احکامات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم احکامِ الٰہی کے پابند ہیں جبکہ یزید نفس کا بندہ ہے اور حکومت کا پجاری ہے۔ سب اس بات سے واقف ہیں کہ حق و باطل کے ظاہر ہونے اور اپنا اثر قائم کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یزید باطل بن کر سامنے آیا ہے اور ہم آلِ رسول ہیں جو سچی راہ پر ہیں اور اسلام کی حفاظت کے لئے سامنے آئے ہیں۔ یزید تو نمرود کی جلائی ہوئی آگ کی طرح ہے۔ جس طرح نمرود ابراہیمؑ کو آگ میں جلانا چاہتا تھا اسی طرح یزید بھی ہمیں اپنے غم و غصے کی آگ میں جلا کر ختم کرنا چاہتا ہے مگر ہمارے سینوں میں بھی ایمان کی آتشِ طور روشن ہے (وہ آگ مراد ہے جو طور پہاڑ پر اللہ کے جلوے کی وجہ سے بھڑک اٹھی تھی) اور یزید کی یہ نمرودی آگ ہمارے سینوں میں بھڑکنے والی آتشِ طور کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ آگے مزید فرماتے ہیں کہ یزید کی باطلانہ للکار بھڑوں کی بھدی اور بھونڈی آواز کی طرح ہے اور ہماری حق پر مبنی للکار داودؑ کی خوبصورت آواز کی طرح ہے۔ جس طرح داودؑ کی خوبصورت آواز سب کو متاثر کرتی تھی اسی طرح ہماری حق پر مبنی للکار سے سب متاثر ہوں گے۔ تم ذرا سمجھنے کی کوشش کرو کہ انسان اور فرشتے میں کیا فرق ہے؟ یزید انسان ہو کر بھی انسانیت کے مقام سے گری ہوئی حرکتیں کر رہا ہے اور خاندانِ حسینؓ اپنے عمل اور قربانی کی وجہ سے فرشتوں سے بھی زیادہ پاکیزہ ہو گیا ہے۔ اس لئے تم بت اور خدا اور زمین و آسمان کے فرق کو سمجھو تاکہ تمہیں حق اور باطل کے فرق کا پتہ چلے۔ یعنی جو فرق بت اور خدا میں ہے وہی فرق آج یزید اور حسینؓ میں ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۷۔ ساماں سے کوئی صاحبِ ایماں نہیں ہوتا　　ہر اہلِ عصا موسیٰؑ عمراں نہیں ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہیں ہوتا　　آئینہ گر اسکندرِ دوراں نہیں ہوتا
لاکھ اَوج ہو پشے کا، ہما ہو نہیں جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہیں جاتا

**حوالہ:** نظم: تختِ فرس پہ علی اکبرؓ کا خطاب　　شاعر: مرزا دبیر

**حلِ لغت:** عصا: لاٹھی　آئینہ گر: آئینہ بنانے والا　دوراں: زمانہ　اَوج: بلندی　پشہ: مچھر　ہما: خیالی پرندہ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (موسیٰ، عصا) (انگوٹھی، سلیمانؑ) (بت، سجدہ، کافر)　صنعت تضاد: بت، خدا　صنعت تلمیح: ہما (پرندہ)

**تشریح:** اس آخری بند میں علی اکبر دشمن پر اپنی صداقت ظاہر کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ ایمان والا بننے کے لئے بہت سے دنیاوی سامان اور وسائل اور طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی کہ جو شخص زیادہ طاقت اور دنیاوی وسائل حاصل کر لے وہ زیادہ ایمان والا ہے اور جس کے پاس اسباب و وسائل کم ہوں اس کا ایمان بھی تھوڑا ہے۔ ایسی بات ہرگز نہیں ہے، ہم بغیر اسباب اور دنیاوی سامان کے بھی ایمانی لحاظ سے تم سے زیادہ مضبوط ہیں۔ یاد رکھو کہ حضرت موسیٰؑ کی طرح ہاتھ میں عصا رکھ لینے سے کوئی موسیٰؑ جیسے اوصاف کا مالک نہیں بن جاتا اور اسی طرح سلیمانؑ کی طرح ہاتھ میں انگوٹھی پہن لینے سے کوئی سلیمانؑ والی خصوصیات کا حقدار نہیں بن جاتا۔ بلکہ ان جیسا بننے کے لئے ان جیسا ایمان اور ان جیسی صفات کو اپنانا ضروری ہے۔ اور اسی طرح ہر آئینہ بنانے والا سکندر بادشاہ بھی نہیں بن سکتا، چاہے وہ اپنے لئے شیش محل ہی کیوں نہ تیار کر لے۔ کیونکہ سکندر جیسا بننے کے لئے سکندر جیسی بہادری اور ہمت کا ہونا ضروری ہے۔ اور اے یزیدی لشکر کے سپاہیو! یہ بات بھی یاد رکھو کہ مچھر چاہے کتنی ہی بلند پرواز کر لے لیکن وہ کبھی بھی ہما (خیالی پرندے) جیسی خصوصیات کا مالک نہیں بن سکتا۔ جس طرح مچھر بلند اڑان کے بعد بھی مچھر ہی رہے گا، اسی طرح یزید بادشاہ بن جانے کے بعد بھی عزت نہیں پا سکے گا، دنیا ہمیشہ اسے برے الفاظ میں یاد کرے گی اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ جس طرح کوئی بت کافر کے سجدوں سے خدا نہیں بن سکتا اسی طرح یزید حکومت کی طاقت سے مسلمانوں کا خلیفہ نہیں بن سکتا۔

نظم: **دُرِّ مراد**　شاعر: **میر ببر علی انیسؔ**

صنف: **مرثیہ**　ہئیت: **مسدس**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

<u>ابتدائی حالات:</u> میر ببر علی انیسؔ ۱۸۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ میر خلیقؔ کے فرزند اور میر حسنؔ کے پوتے تھے۔

<u>تعلیم:</u> میر انیسؔ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ گھر کے باہر آپ کے پہلے استاد کا نام میر نجف علی فیض آبادی تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں انیس کو معقولات اور لسانی مسائل سے بے حد دلچسپی تھی۔ آپ کے ذاتی کتب خانے میں دو ہزار کے قریب نسخے تھے۔

<u>فنِ شاعری:</u> انیسؔ نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا۔ آپ کا اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ انسانی جذبات کا بیان جس طرح انیسؔ نے کیا ہے شاید ہی کوئی کر سکے۔

<u>مرثیہ نگاری:</u> انیسؔ کی شہرت کا مدار مرثیہ نگاری پر ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کے مرثیوں کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔ آپ کے مرثیے پانچ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

<u>سلام و رباعیات:</u> میر انیسؔ نے سلام اور رباعیات بھی کہی ہیں۔ ان رباعیات میں آپ کا انداز صوفیانہ ہے۔

<u>وفات:</u> یہ عظیم مرثیہ نگار ۱۸۷۴ء کو تقریباً ۷۴ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

<u>مجموعۂ کلام:</u> کلیاتِ میر انیسؔ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

س۔ **درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | ''درِّ مراد'' ـــــــــ کا مرثیہ ہے۔ | الف۔مرزا خلیق | **ب۔میر انیس** |
| ۲۔ | میر انیسؔ ـــــــــ کے شاگرد تھے۔ | الف۔میر حسن | **ب۔میر نجف** |
| ۳۔ | میر انیسؔ کی شہرت کا مدار ـــــــــ پر ہے۔ | **الف۔مرثیہ نگاری** | ب۔غزل |
| ۴۔ | آپ کے مرثیوں کی تعداد ـــــــــ کے قریب ہے۔ | الف۔تین ہزار | **ب۔دو ہزار** |
| ۵۔ | میر انیسؔ کے زمانے میں مرثیہ خوانی کے لئے تحت اللفظ اور ـــــ کا انداز اپنایا جاتا تھا۔ | الف۔ترنم | **ب۔سوز** |
| ۶۔ | مرثیے کے علاوہ میر انیسؔ نے ـــــ اور رباعیات بھی کہی ہیں۔ | الف۔نعت | **ب۔سلام** |
| ۷۔ | دیکھو تو کیا ـــــ ہے کیا نہر، کیا فضا | **الف۔ترائی** | ب۔منظر |
| ۸۔ | جب ـــــ میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا | الف۔میدان | **ب۔کربلا** |
| ۹۔ | ـــــــ سے ان گلوں کی ہُوا دشت باغ باغ | **الف۔خوشبو** | ب۔مہک |
| ۱۰۔ | یہ خاک ـــــ سے رتبے میں ہے زیاد | الف۔آبِ حیات | **ب۔آبِ خضر** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

س۱۔ **مرثیہ کسے کہتے ہیں؟**

**جواب۔** مرثیہ عربی زبان کے لفظ ''رثا'' سے نکلا ہے۔ جس کا معنی ہے ماتم کرنا۔ وہ نظم جو کسی کی موت پر غم کے اظہار کے طور پر لکھی جائے اور اس میں مرحوم کی صفات بھی بیان کی جائیں، مرثیہ کہلاتی ہے۔ لیکن آج کل مرثیے کی صنف واقعۂ کربلا کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے۔

**س۲۔ شاہِ دیں، کشتیِ امت کا ناخدا، شہنشاہِ سربلند، ان تمام تراکیب سے کون سی ہستی مراد ہے؟**

جواب۔ مندرجہ بالا تمام تراکیب میر انیسؔ کے مرثیے دُرِ مراد میں استعمال ہوئی ہیں۔ یہ تمام تراکیب نواسۂ رسول ﷺ اور فرزند علیؓ یعنی حضرت حسینؓ کے لئے بطورِ استعارہ استعمال ہوئی ہیں۔ جنہوں نے میدانِ کربلا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے قربانی کی ایک نئی مثال رقم کی تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۳۔ ''پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے'' اس مصرعے کی وضاحت کریں۔**

جواب۔ یہ مصرعہ میر انیسؔ کے مرثیے ''دُرِ مراد'' کے تیسرے بند سے لیا گیا ہے۔

<u>مصرعے کی وضاحت:</u> جب حضرت حسینؓ ایک طویل سفر طے کر کے اپنے ساتھیوں سمیت کربلا کے میدان میں پہنچے تو آپؓ نے فرمایا کہ ہم نے بڑی محنت اور مشقت کے بعد آخر کار اپنی مراد کا قیمتی موتی حاصل کر لیا ہے۔ اس مصرعے میں ''دُرِ مراد'' سے مراد کربلا کا میدان ہے کہ یہی میدان ہماری منزل ہے، جہاں ہم نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے شہادت کا رتبہ حاصل کرنا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۴۔ ان الفاظ کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ مفہوم واضح ہو جائے۔**

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| خُلدِ بریں | حضرت حسینؓ نے کربلا کی خاک کو خلدِ بریں سمجھا |
| سعادت نشان | حضور ﷺ کی پیروی کرنا ہمارے لئے سعادت نشان ہے۔ |
| آبِ بقا | آبِ حیات کو آبِ بقا بھی کہا جاتا ہے۔ |
| ناخدا | حضرت حسینؓ کشتیِ امت کے ناخدا تھے۔ |
| عنایت | رب کی عنایت سے ہمیں دینِ اسلام جیسا پیارا مذہب ملا۔ |
| پیادہ پا | دین کی راہ میں پیادہ پا چل کر اپنے قدموں کو گرد آلود کرنا سعادت کی بات ہے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۵۔ مصرعے مکمل کریں۔**

جواب۔
۱۔ پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے　　جواب: جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے
۲۔ بستر لگا ؤ شوق سے ارضِ پاک پر　　جواب: چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا یہاں کی خاک پر
۳۔ اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر　　جواب: عباس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۶۔ کلام میں کسی بات کی کوئی ایسی وجہ بیان کرنا جو درحقیقت اس کی وجہ نہ ہو، لیکن کلام میں حسن پیدا کرتی ہو ''حُسنِ تعلیل'' کہلاتی ہے۔ مثلاً دُرِ مراد کے پہلے بند میں فلک کے سر جھکانے کی وجہ شاہِ دین کے کربلا میں داخل ہونے کو قرار دیا گیا ہے جو فلک کے جھکنے کی اصل وجہ نہیں ہے۔ آپ حسنِ تعلیل کی دو مثالیں دیں۔**

جواب۔ <u>حسنِ تعلیل کی دو مثالیں:</u>

۱۔ **سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں　　خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں**

<u>وضاحت:</u> اس شعر میں شاعر پھولوں کی پیدائش اور افزائش کی حقیقی وجہ کے بجائے یہ وجہ بیان کر رہا ہے کہ خوبصورت لوگ دفن ہونے کے بعد پھولوں کی شکل میں دوبارہ ظاہر ہو رہے ہیں۔

۲۔ **میری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ　　کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے**

<u>وضاحت:</u> چاند اور سورج کی گردش محبوب کی جستجو کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی گردش کی وجہ سائنسی اور اللہ کی قدرت پر مبنی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

۱۔ جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہُوا　دشتِ بلا نمونۂ خُلدِ بریں ہُوا
سر جھک گیا فلک کا، یہ اَوجِ زمیں ہُوا　خورشید محوِ حُسنِ حسینِ حسیں ہُوا
پایا فروغ نیرِ دین کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

**حوالہ:** نظم: دُرِّ مراد　شاعر: میر ببر علی انیسؔ

**حلِ لغت:** دشتِ بلا: مصیبتوں کا صحرا　خُلدِ بریں: اونچی جنت　اَوج: اونچائی　نیرّ: سورج

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: فلک، زمین　صنعت تشبیہ: کربلا کو جنت کا نمونہ قرار دیا ہے　صنعتِ حُسنِ تعلیل: فلک کا سر جھکانا

استعارات: حضرت حسینؓ کو شاہِ دیں اور نیرِّ دیں کہا جب کہ کربلا کے میدان کو دشتِ بلا کہا ہے۔　مترادف الفاظ: خورشید، نیرّ

مرکب اضافی: شاہِ دین، دشتِ بلا، حُسنِ حسین، نیرِ دین

**تشریح:**

نظم کے اس پہلے بند میں شاعر میر انیسؔ نے بڑے خوبصورت انداز میں قافلۂ حسینی کی کربلا آمد کا ذکر کیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ دین کی خاطر سر کٹانے کے لئے دریائے فرات کے کنارے کربلا کی سرزمین پر پہنچے تو اس وقت کربلا کی زمین دشتِ بلا تھی یعنی مصیبتوں کا ایک صحرا تھی۔ شدید گرمی، بے سروسامانی اور یزیدی فوج کا دریائے فرات پر قبضہ کر لینا، ان سب چیزوں کی وجہ سے کربلا کا میدان دشتِ بلا بنا ہوا تھا، مگر جب حضرت حسینؓ اپنے قافلے کے ساتھ اس میدان میں اترے تو یہ میدان جنت کا منظر پیش کرنے لگا۔ اور حضرت حسینؓ کے قدموں کی وجہ سے اس زمین کا رتبہ اتنا بلند ہو گیا کہ آسمان بھی اس کی تعظیم میں جھک گیا اور وہ اپنی تمام تر بلندی کے باوجود اس جگہ کی عظمت کا گرویدہ ہو گیا۔ اور آسمان پر سورج بھی حضرت حسینؓ کے چہرۂ انور کے بے پناہ حُسن کو دیکھ کر دم بخود ہو کر رہ گیا اور ان کے حُسن کے نظارے میں محو ہو گیا۔ اور آگے شاعر نے حضرت حسینؓ کو نیرِ دین کہا ہے یعنی حضرت حسینؓ کو دین کا سورج قرار دیا ہے کہ جب دین کا یہ سورج میدانِ کربلا میں جلوہ گر ہوا تو اس جنگل جیسی ویران جگہ کو بھی چار چاند لگ گئے اور حضرت حسینؓ کے چہرے کے نور سے یہ سارا ویران علاقہ جگمگا اٹھا اور ہر طرف روشنی اور اجالا پھیل گیا۔ شاعر اس پورے بند میں یہ سمجھانا چاہ رہا ہے کہ نسبت کی وجہ سے چیزوں اور جگہوں کا مقام بدل جاتا ہے۔ کربلا جو ایک ویران اور غیر معروف میدان تھا مگر حضرت حسینؓ جب یہاں تشریف لائے اور اپنے قدم مبارک اس میدان میں رکھے تو آپؓ کی آمد کی برکت سے کربلا کی قسمت بدل گئی اور اس میدان کو ایک نمایاں حیثیت اور مقام حاصل ہو گیا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۲۔ خوشبو سے ان گلوں کی ہُوا دشت باغ باغ　غنچے کھلے، ہرے ہوئے، بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ　دریا نے بھی حبابوں کے روشن کئے چراغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذروں نے خاک کے

**حوالہ:** نظم: دُرِّ مراد　شاعر: میر ببر علی انیسؔ

**حلِ لغت:** غنچہ: کلی　دشت: صحرا　داغ: زخم　کوہ: پہاڑ　حباب: بُلبلہ　طبقے: حصّے

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (خوشبو، غُنچے، گُل، باغ) (خورشید، تارے)　صنعتِ حُسنِ تعلیل: آسمان کی بلندی پر پہاڑ کی چوٹی کا پہنچنا

**تشریح:**

اس بند میں شاعر کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ جیسی عظیم ہستی جب کربلا کے میدان میں اتری تو اس میدان کی قسمت ہی بدل گئی اور نصیب جاگ اُٹھے۔ کیونکہ آپؓ گلشنِ نبوت کے ایک حسین و جمیل پھول کی مانند ہیں۔ اس لئے شاعر کہتے ہیں کہ نبوت کے باغ کا یہ پھول جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ کربلا میں آیا تو ان کی مہک اور خوشبو سے اس میدان کی ساری ہوا معطر ہو گئی اور آپ کی آمد سے اس دشت میں خوشی کی کلیاں کھِلنے لگیں اور پورا صحرا ایک خوبصورت باغ کا منظر پیش کرنے لگا اور یہ منظر دیکھ کر بلبل کے دل پر لگے پرانے زخم پھر سے تازہ ہونے لگے۔ اصل میں بلبل پھولوں کی عاشق ہوتی ہے، آج یہاں کی باغ و بہار دیکھ کر اس کے

دل میں وہ پرانے زخم تازہ ہو گئے جو اس نے پھولوں کی محبت میں پہلے کبھی کھائے تھے یعنی اسے پھولوں سے محبت کا کوئی پرانا قصہ یاد آنے لگا۔ شاعر کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی آمد نے پہاڑ پر بھی اثر ڈالا اور پہاڑ کا دماغ فخر سے آسمان پر جا پہنچا۔ یعنی وہ اس بات پر ناز کرنے لگا کہ آج میرے دامن میں کیسی عظیم ہستی ٹھہری ہے۔ اور دریائے فرات بھی حضرت حسینؓ کی آمد کی خوشی میں جشن منانے لگا اور دریا کی سطح پر بننے والے بلبلے چراغوں کی طرح روشن ہو گئے اور سارے علاقے کو اپنی روشنی سے منور کر دیا۔ اور زمین کا ہر طبق، ہر حصہ بھی حضرت حسینؓ کی آمد کی خوشی میں سورج کی طرح چمکنے لگا۔ اور اس پاک زمین کربلا کا ہر ذرہ اس قدر روشن ہو گیا کہ اس کے سامنے آسمان کے ستارے گرد وغبار کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ الغرض آپؓ کی آمد کی برکت سے ہر چیز کا حُسن نکھر گیا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۳۔ بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار ۔۔۔ منزل پہ ہم پہنچ گئے، احسانِ کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے رہوار ۔۔۔ یہ وہ زمین تھی جس کے لئے دل تھا بے قرار
قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا دُرِ مراد بڑی خاک چھان کے

**حوالہ:** نظم: دُرِّ مراد ۔۔۔ شاعر: میر ببر علی انیسؔ

**حلِ لغت:** فرس: گھوڑا ۔۔۔ فلک وقار: عزت والا ۔۔۔ کردگار: پروردگار ۔۔۔ رہوار: گھوڑا ۔۔۔ دُر: موتی

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: (دُر، خاک) (فلک، زمین) ۔۔۔ سابقہ: بے قرار ۔۔۔ مترادف الفاظ: فرس، رہوار
مرکب اضافی: احسانِ کردگار، دُرِ مراد ۔۔۔ اسم اشارہ: یہ، وہ ۔۔۔ لاحقہ: سعادت نشان

**تشریح:**

اس بند میں شاعر میر انیسؔ کہتے ہیں کہ مسلسل اور طویل سفر کر کے جب حسینی لشکر کربلا کے میدان میں پہنچ گیا تو عزت و مرتبے والے بادشاہ حضرت حسینؓ نے ایک جگہ اپنے گھوڑے کو روک دیا اور اپنے جانثار ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا فضل اور احسان ہوا ہے کہ ہم خیر خیریت سے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ آئے ہیں۔ اس لئے اب تم میں سے کوئی اس جگہ سے آگے اپنا گھوڑا نہ بڑھائے۔ کیونکہ یہی وہ زمین اور جگہ ہے جہاں آنے کے لئے میرا دل بے چین اور بے قرار تھا۔ اصل میں حضرت حسینؓ اپنی روحانی بصیرت کی وجہ سے جان گئے تھے کہ یہی میرا مقامِ شہادت ہے، اسی جگہ میں نے اپنے نانا کے دین کی خاطر جان قربان کرنی ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اب ہمارا پڑاؤ اسی مبارک سرزمین پر ہوگا۔ یہ سرزمین اور یہ میدان ہمارے لئے سعادت اور خوش بختی کی علامت ہے۔ اس جگہ پر تو دل و جان سے قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے در در کی خاک چھانی، محنت کی، تلاش کی، تب جا کر ہمیں اس زمین کی صورت میں اپنی مراد کا قیمتی موتی حاصل ہوا ہے۔ حضرت حسینؓ نے کربلا کے میدان کو "دُرِ مراد" کہا ہے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس میدان میں حق و باطل کا معرکہ بپا ہوگا، حسینی فوجیں یزیدی لشکر سے ٹکرائیں گی اور شہادت کے بلند رُتبے پر فائز ہو جائیں گی۔ گویا یہ میدان حضرت حسینؓ اور ان کے جانثاروں کے لئے ایک قیمتی موتی کی مانند تھا جسے بڑے مشکل سفر کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۴۔ اترو مسافرو! کہ سفر ہو چکا تمام ۔۔۔ کُوچ اب نہ ہوگا حشر تلک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے، یہی مشہدِ امام ۔۔۔ اونٹوں سے بار اتار کر برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارض پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

**حوالہ:** نظم: دُرِّ مراد ۔۔۔ شاعر: میر ببر علی انیسؔ

**حلِ لغت:** کُوچ: روانگی ۔۔۔ مقتل: قتل گاہ ۔۔۔ مشہد: جائے شہادت ۔۔۔ بار: بوجھ ۔۔۔ خیام: خیمے

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: سفر، مسافر، کُوچ ۔۔۔ حرفِ بیان: کہ ۔۔۔ مرکب توصیفی: ارضِ پاک ۔۔۔ مرکب اضافی: آبِ بقا

**تشریح:**

میر انیسؔ اس بند میں اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ ایک طویل سفر کے بعد اپنے جانثار ساتھیوں کے ہمراہ کربلا کے میدان میں پہنچے تو آپؓ نے اپنے ساتھیوں سے خطاب فرماتے ہوئے حکم دیا کہ اپنی اپنی سواریوں سے اتر جاؤ کیونکہ کربلا کے میدان میں آکر ہمارا سفر ختم ہو گیا ہے۔

اب ہم نے یہاں ہی قیام کرنا ہے اور قیامت تک یہاں سے روانگی نہ ہوگی۔ کربلا کی یہ زمین، یہ میدان ہماری قتل گاہ اور جائے شہادت بنے گا۔ یعنی کل اسی میدان میں حق و باطل کا خونریز معرکہ ہوگا، یزیدی لشکر اور حسینی مجاہد آپس میں ٹکرائیں گے۔ اسی میدان میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو بے دردی سے شہید کر دیا جائے گا۔ اس لئے اے میرے جانثار ساتھیو! جو سامانِ سفر اونٹوں پر تم اپنے ساتھ لائے ہو، اُسے اونٹوں سے اتار دو اور رہنے کے لئے اس زمین میں خیمے گاڑنے کا بندوبست کرو۔ یہ پاک زمین اور مقدس جگہ ہے لہٰذا اس پاک دھرتی پر بڑے ذوق وشوق اور خوشی کے ساتھ بستر بچھا دو۔ کیونکہ یہ وہ مقدس سرزمین ہے جس پر آبِ بقا یعنی ہمیشہ کی زندگی کا پانی قدرت کی جانب سے چھڑکا گیا ہے۔ یعنی جب اس مٹی پر یزیدی فوج سے لڑتے ہوئے ہماری خون میں لت پت لاشیں گریں گی اور کربلا کی مٹی ہمارے تڑپتے ہوئے جسموں کے ساتھ لگے گی تو ہمیں ہمیشہ کی دائمی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ اس سے مراد شہادت ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جان دے کر شہادت کا رتبہ حاصل کر لیں گے اور خدا ہمیں ابدی زندگی سے سرفراز کر دے گا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۵۔ **توشہ مسافروں کا یہی اور یہی ہے زاد　　یہ خاکِ آبِ خضر سے رتبے میں ہے زیاد**
**طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مردِ خوش نہاد　　لے آئے گی ہوائے موافق دُرِ مراد**
**دیکھے گا یاس میں کرمِ کارساز کو**
**تھامے گا دستِ موج سے دریا جہاز کو**

**حوالہ:** نظم: دُرِّ مراد　　شاعر: میر ببر علی انیسؔ

**حلِ لغت:** زاد: راستے کی خوراک　　زیاد: زیادہ　　خوش نہاد: نیک طبیعت　　موافق: مناسب　　یاس: ناامیدی

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (مسافر، توشہ، زاد) (طوفان، موج، دریا، جہاز)　　صنعت تلمیح: آبِ خضر　　لاحقہ: خوش نہاد، کارساز

**تشریح:**

جب مسافر سفر پر جاتے ہیں تو سامانِ سفر اور ضرورت کی ہر چیز ساتھ رکھتے ہیں اور یہی سامان راستے میں ان کے کام آتا ہے۔ مگر اللہ کے راستے میں جب مجاہد جہاد کے لئے نکلتا ہے تو اس کے پاس سامانِ سفر کچھ نہیں ہوتا بلکہ یہ میدانِ جہاد ہی اس کے سفر کا توشہ اور سفر کا مددگار سامان ہوتا ہے اور یہی زادِ راہ اس کو اپنی منزل (شہادت) تک پہنچنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ کربلا میں آنے والے ان مسافروں کا سب کچھ یہی میدانِ جنگ ہے جو انہیں شہادت کی منزل تک پہنچا دے گا۔ اور کربلا کی یہ مٹی بظاہر ایک معمولی سی مٹی ہے مگر جب یہاں لڑائی ہوگی اور آلِ رسولؐ کے لاشے اس پر تڑپیں گے تو اس مٹی کا رتبہ آبِ خضر سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔ (آبِ خضر سے مراد آبِ حیات ہے جس کو پی کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کی جا سکتی ہے) یعنی یہ مٹی ہمیں بھی ہمیشہ کی زندگی عطا کر دے گی۔ (جہاد میں شہادت کی موت سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے) آگے حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ نیک فطرت والا جو انسان بھی اس کربلا کی خاک کو لڑائی کے طوفان میں ڈالے گا یعنی بہادری سے لڑتے ہوئے اپنے گھوڑے کے قدموں سے یہ خاک اڑائے گا تو کربلا کے میدان میں چلنے والی مددگار اور سازگار ہوائیں اسے شہادت کی آرزو پوری کرنے میں مدد فراہم کریں گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان مایوس کُن حالات میں بھی کام بنانے والا خدا کے کرم و مہربانی سے ناامید نہ ہو کیونکہ جب اللہ اپنا کرم کرنے لگتا ہے تو دریا کی موجوں کو ہی جہاز کی حفاظت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۶۔ **اترا یہ کہہ کے کشتیِ امت کا ناخدا　　جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا**
**حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا　　دیکھو تو کیا ترائی ہے، کیا نہر، کیا فضا**
**اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کے**
**عباس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کے**

**حوالہ:** نظم: دُرِّ مراد　　شاعر: میر ببر علی انیسؔ

**حلِ لغت:** ناخدا: ملّاح　　پیادہ پا: پیدل　　ترائی: گیلی جگہ　　شگفتہ: کِھل جانا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (کشتی، ناخدا) (ترائی، نہر، دریا)　　صنعت تضاد: سوار، پیادہ پا　　استعارہ: حضرت حسینؓ کو ناخدا کہا ہے

**تشریح:**

اس بند میں شاعر میر انیسؔ کہتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں سے خطاب کرنے کے بعد حضرت حسینؓ اپنی سواری سے نیچے اتر آئے۔ شاعر نے حضرت حسینؓ

کو کشتیِ امت کا ناخدا کہا ہے کیونکہ وہ اِس وقت ساری امت کے لیڈر و راہنما تھے۔ اس وقت قوم کی کشتی آپؓ کے حوالے تھی اور اس کشتی کو کنارے لگانے کی ذمہ داری بھی آپؓ ہی کے سپرد تھی۔ آگے شاعر کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا حکم بجالاتے ہوئے آپؓ کے تمام ساتھی اپنی سواریوں سے نیچے اتر آئے اور پیدل کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ نے خوش ہوکر مسکراتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو، یہاں کا نظارہ کتنا پیارا ہے، دریا کے کنارے، تر اور نرم زمین اور کتنی پُر فضا جگہ اللہ نے ہمیں دے دی ہے۔ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اکبر اس صحرا کو اور اس ریتلی جگہ کو دیکھ کر خوش ہوگئے اور ان کی طبیعت کِھل اٹھی۔ اور حضرت عباسؓ جو حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی تھے، وہ بھی اس خوبصورت منظر اور بہتے ہوئے دریا کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھے کہ طویل سفر کے بعد اس گرمی کے موسم میں ہمیں رہنے کے لئے کتنی عمدہ جگہ ملی ہے۔ حالانکہ ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ کل یزیدی لشکر کے ظالم سپاہی اُن پر اس دریا کے پانی کو بند کردیں گے اور شدید پیاس کے عالم میں ان مجاہدین کو اپنی جان دینِ حق کی خاطر قربان کرنی ہوگی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۷۔ بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند — کیوں، یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند؟
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند — بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیر اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضور! ترائی غضب کی ہے

**حوالہ:** نظم: دُرِّ مراد — شاعر: میر ببر علی انیسؔ

**حلِ لغت:** اشک: آنسو — ارجمند: اعلیٰ رتبے والا — عنایت: مہربانی — ترائی: گیلی جگہ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: شہنشاہ، شاہ — استعارہ: حسینی لشکر کو شیر کہا ہے — حرفِ ندا: یا — حرفِ بیان: کہ
مرکبِ توصیفی: شہنشاۂ سربلند، شاہِ ارجمند — مترادف الفاظ: ارجمند، سربلند

**تشریح:**

اس آخری بند میں میر انیسؔ کہتے ہیں کہ جب قافلے والوں کو طویل سفر کے بعد یہ پُر فضا مقام بہت پسند آیا اور وہ خوشی کا اظہار کرنے لگے تو حضرت حسینؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کل یہاں کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ آپؓ نے پُرنم آنکھوں کے ساتھ فرمایا کہ بڑے خوش نظر آرہے ہو، لگتا ہے تم سب کو یہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔ تو سب ساتھیوں نے مسکرا کر خوشی سے کہا کہ اے بلند مرتبے والا بادشاہ! آپ نے ہمارے لئے بہت اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے، یہ اتنی حسین جگہ ہے کہ ہم خوشی سے جھوم رہے ہیں اور اس پُرفضا مقام نے ہم پر ایسی مستی کی کیفیت طاری کردی ہے کہ خمار کی وجہ سے ہماری آنکھیں خود ہی بند ہورہی ہیں۔ آگے شاعر نے ان بہادر سپاہیوں کے لئے شیر کا لفظ بطورِ استعارہ استعمال کیا ہے کہ حسینی لشکر والے شیر ہیں اور رب کی مہربانی سے یہ شیر اب یہیں اپنا پڑاؤ ڈالیں گے کیونکہ یہ جگہ بہت پُرفضا اور ٹھنڈک سے بھرپور ہے۔ یہ ایسا مقام ہے کہ یہاں ہر حال میں ٹھہرنے کو جی کرتا ہے۔ میر انیسؔ کے ان اشعار سے حسینی مجاہدین کے بلند حوصلوں اور بے خوفی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ اُن سب کو معلوم تھا کہ کل اسی میدان میں ہم نے مظلومانہ انداز میں شہید ہونا ہے اور خاک وخون میں تڑپنا ہے لیکن خطرے کے اس احساس کے باوجود وہ بڑی ہمت وحوصلے کے ساتھ اس نئی جگہ اور ماحول سے لطف اندوز ہورہے تھے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نظم: **اُمید**　شاعر: **الطاف حسین حالیؔ**

ہیئت: **مسدس**　ماخوذ: **مسدس مدّو جزرِاسلام**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**پیدائش:** الطاف حسین حالیؔ 1837ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم:** آپ باقاعدہ تعلیم تو حاصل نہ کر سکے لیکن ذاتی کوشش سے عربی و فارسی میں مہارت حاصل کی۔ حالیؔ حصولِ تعلیم کے شوق میں دہلی گئے، جہاں غالبؔ اور شیفتہؔ سے ملاقات ہوئی۔

**عملی زندگی:** حالیؔ کو 1874ء کو لاہور میں ملازمت ملی اور آپ انگریزی سے ترجمہ شدہ کتابوں پر نظرِ ثانی کرتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے اینگلو عربیک کالج دہلی میں تدریس بھی کی۔

**مسدس مدوجزراسلام:** سرسید سے ملاقات کے بعد آپ نے سرسید کی تحریک میں شمولیت اختیار کی اور سرسید کے کہنے پر اپنی مشہور نظم ''مدوجزرِ اسلام'' بھی لکھی۔

**فنِ شاعری:** حالیؔ کا شمار جدید نظم نگار شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ نے غزل کو بھی جدید رنگ میں ڈھالا اور روایت کی بے جا تقلید کے بجائے تازگیِ بیان پر توجہ دی۔ حالیؔ کی غزل میں میرؔ و غالبؔ کا سا تغزل ملتا ہے۔ جب کہ آپ کی نظمیں جذبۂ حُب الوطنی اور اصلاحِ ملّت کا ثبوت ہیں۔

**وفات:** حالیؔ 1914ء کو پانی پت میں فوت ہوئے۔

**تصانیف:** مقدمہ شعروشاعری، حیاتِ جاوید، حیاتِ سعدیؒ وغیرہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | الطاف حسین حالیؔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔ | الف: دہلی | **ب: پانی پت** |
| ۲۔ | حالیؔ کا شمار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ | **الف: جدید شاعری** | ب: قدیم شاعری |
| ۳۔ | نظم ''امید'' کے شاعر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ | **الف: الطاف حسین حالیؔ** | ب: اکبرالہ آبادی |
| ۴۔ | حالیؔ نے مولانا حسین آزادؔ کے ساتھ مل کر لاہور میں ۔۔۔۔۔ کی بنیاد رکھی۔ | الف: مرکز ادب | **ب: انجمن پنجاب** |
| ۵۔ | دل آرام یوسف کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں تُو تھی | **الف: زندان** | ب: ہجراں |
| ۶۔ | ترے دم سے مُردوں میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پڑی ہیں | الف: روحیں | **ب: جانیں** |
| ۷۔ | نوازا بہت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کو تُو نے | **الف: بے نواؤں** | ب: بے سہاروں |
| ۸۔ | کوہِ غم مرکبِ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ | الف: عددی | **ب: اضافی** |
| ۹۔ | دماغوں میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تیری آتی ہے جب تک | **الف: بُو** | ب: یاد |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: جس نظم کے ہر بند میں 6 مصرعے ہوں، اسے مسدس کہتے ہیں۔ آپ کے نصاب میں کون کون سی نظمیں مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں؟**

**جواب:** ہمارے نصاب میں شامل درج ذیل نظمیں مسدس ہیئت کی ہیں۔

۱۔ میر انیس کا مرثیہ ''دُرِّ مراد''　۲۔ مرزا دبیر کا مرثیہ ''تختِ فرس پر علی اکبر کا خطاب''

۳۔ الطاف حسین حالی کی نظم ''امید''

**س2: اس نظم کا خلاصہ لکھیں۔**

**جواب:** الطاف حسین حالؔی کی نظم ''امید'' کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

**خلاصہ:**

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستانی لوگ خاص طور پر مسلمان سخت مایوس اور نا امید ہو چکے تھے۔ان مشکل حالات میں مولانا حالؔی نے قلم اٹھایا اوراس نظم کے ذریعے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔آپ فرماتے ہیں کہ اے امید!تُو آ کر اپنی جھلک دکھا دے تا کہ مایوسی کے گھنے بادل چھٹ سکیں اور نا امید لوگ مایوسی کے اندھیرے میں امید کے چراغ کی روشنی پا سکیں۔شاعر کہتے ہیں کہ اے امید!تُو نے ان لوگوں کو بھی پھر سے تازہ دم کر دیا تھا جو موت کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔اور تُو ہی وہ طاقت ہے جو سوکھے درختوں کو پھر سے سرسبز کر دیتی ہے۔طوفانِ نوح میں جب ساری دنیا تباہ ہوگئی تھی،تب کشتیِ نوح میں تُو ہی تھی جس کے سہارے وہ لوگ زندہ تھے۔اور حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کے خون آلود کُرتے کو دیکھ کر بھی یہ امید رکھتے تھے کہ وہ اپنے بیٹے کو زندہ دیکھ سکیں گے اور حضرت یوسفؑ جیل کی کال کوٹھڑی میں بھی امید کے سہارے آرام وسکون سے رہ رہے تھے۔شاعر کہتے ہیں کہ جب کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو امید ہی سہارا دیتی ہے اور ڈوبنے والے امید کے سہارے ہی کنارے آ لگتے ہیں۔بگڑے ہوئے کام امید کے سہارے ہی سنورتے ہیں،اجڑے اور برباد گھروں کو امید ہی پھر سے آباد کرتی ہے اور اندھیروں کو اجالے میں بدل دیتی ہے۔امید ہی کی وجہ سے ہر بوڑھے اور نوجوان کی ہمت مضبوط رہتی ہے۔امید ہی وہ چیز ہے جس سے دنیا جہاں کا سارا نظام چل رہا ہے۔اگر امید نہ ہو تو انسان خوف کے گھنے جنگل میں کھو جائے۔لاچاروں اور فقیروں کو امید نے ہی تونگر بنایا ہے اور کشتی چلانے والوں کو امید نے ہی بادشاہ بنایا ہے۔سکندر کو ایرانی بادشاہوں والی شان امید ہی نے عطا کی ہے اور کولمبس نے امید ہی کو سہارا بنا کر نئی دنیا دریافت کی ہے۔وہ مسافر جو بالکل خالی ہاتھ کسی بیابان میں چلتے ہیں وہ امید کی بدولت ہی خوشی خوشی اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں اور بیش قیمت خزانے پاتے ہیں۔کسان اندھیرے میں زمین جوتنے کے لئے نکلتا ہے اور امید کے سہارے زمین میں بیج بوتا ہے۔ساری دنیا سوئی ہوتی ہے اور وہ اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے۔وہ امید کے سہارے ہی اتنی محنت کرتا ہے۔یہ مصائب اور مشکلات تو کچھ بھی نہیں اگر اس سے بھی زیادہ غم والم،دکھ درد کے پہاڑوں کا سامنا کرنا پڑے تو تب بھی گھبرانا مت،کیونکہ امید تمہارے دلوں کا حوصلہ بڑھاتی رہے گی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س3: نظم میں جو الفاظ ایک دوسرے کے متضاد استعمال ہوئے ہیں،ان کی نشاندہی کریں۔**

**جواب:** اس نظم میں درج ذیل الفاظ ایک دوسرے کے متضاد استعمال ہوئے ہیں۔

نا امیدی،امید　پست،بالا　اندھیرا،اجالا　تونگر،گدا　پیر،جوان　خرد وکلاں　شب وروز

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س5: تلمیح کی تعریف کریں اور اس نظم میں سے تلمیحات چُن کر ان کی وضاحت کریں۔**

**تلمیح کی تعریف:**

کلام میں کسی ایسے لفظ کا لانا،جس سے قرآنی آیت،حدیث یا تاریخی واقعے کی طرف اشارہ ہو،تلمیح کہلاتا ہے۔

اس نظم میں درج ذیل تلمیحات استعمال ہوئی ہیں۔

۱۔طوفانِ نوح　۲۔حضرت یعقوبؑ　۳۔حضرتِ یوسفؑ　۴۔زلیخا

۵۔سکندر　۶۔کولمبس

**نوٹ:** ان تمام تلمیحات کی وضاحت اشعار کی تشریح میں موجود ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س6۔ مجازِ مرسل کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔**

**جواب:** **مجازِ مرسل کی تعریف:**

مجازِ مرسل علمِ بیان کی وہ قسم ہے جس میں لفظ اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اصلی اور مجازی معنی میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہوتا ہے مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ ''میں نے بازار سے قلم خریدا'' یہ مجازِ مرسل ہے کیونکہ پورا بازار نہیں بلکہ کوئی ایک دکان مراد ہے۔

**نوٹ:** مجازِ مرسل کی مزید تفصیل ''گرامر کے نوٹس'' میں ملاحظہ کریں۔

# ''اشعار کی تشریح''

**بند1۔** بس اے نا اُمیدی نہ یوں دل بجھاتُو　　جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تُو
ذرا نا امیدوں کی ڈھارس بندھاتُو　　فسردہ دلوں کے دل آکر بڑھا تُو
ترے دم سے مُردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تُو نے سر سبز کی ہیں

**حوالہ:** نظم: امید(مسدس)　　شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** ڈھارس بندھانا:تسلی دینا　　فسردہ:پریشان　　ترے دم سے: تیری وجہ سے

**فنی محاسن:** صنعت تضاد:(نا امیدی،امید)(مُردہ،جان)(جلی،سرسبز)　　استعمالِ محاورہ:ڈھارس بندھانا،دل بڑھانا　　حرف ندا:اے

**تشریح:**

1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کے لئے حالات بہت سخت ہو گئے تھے اور ایک خوف و ہراس کی کیفیت تھی اور ہر کوئی مایوسی اور نا امیدی کا شکار تھا تو ایسے میں حالؔی نے مشہور نظم ''مدّ و جزر اسلام'' لکھی جو ''مسدسِ حالؔی'' کے نام سے مشہور ہوئی۔اس نظم میں حالؔی نے نا امیدی کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا کہ اے نا امیدی!تم نے کیوں مسلمانوں کے دلوں میں اپنے ڈیرے ڈال رکھے ہیں،بس کرو ہمارے حوصلے مزید پست مت کرو۔اور اس کے بعد آپ امید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے امید!اب تیری ضرورت ہے،اس لئے تُو آ اور مایوسی کے شکار مسلمانوں کو اپنی جھلک دکھا اور اپنا نظارہ کرا،تا کہ مایوس مسلمانوں کو ذرا تسلی ہو اور مایوسی کے گہرے بادل چھٹ سکیں اور نا امید مسلمان مایوسی کے ان اندھیروں سے نکل کر امید کی روشنی پا سکیں اور ان کے حوصلے بڑھ سکیں۔شاعر امید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے امید!میں جانتا ہوں کہ تُو مایوس اور پریشان دلوں کو پھر سے شاد کر سکتی ہے کیونکہ تُو نے ان لوگوں کو بھی پھر سے تازہ دم کیا ہے جو موت کے کنارے تک پہنچ چکے تھے اور تُو نے ان کھیتوں کو پھر سے سرسبز اور ہرا بھرا کر دیا تھا جو بارش نہ ہونے کی وجہ سے تیز دھوپ میں جل کر تباہ ہونے والے تھے۔اس لئے اے امید تُو ان مسلمانوں کے دل کی ویران اور اجاڑ زمین کو اپنی ہواؤں سے سرسبز و شاداب کر دے اور ان کے پست حوصلوں کو پھر سے بلند کر دے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---

**بند2۔** سفینہ پے نوحِ طوفاں میں تُو تھی　　سکون بخشِ یعقوب کنعاں میں تُو تھی
زلیخا کی غمخوار ہجراں میں تُو تھی　　دلِ آرام یوسفؑ کی زنداں میں تُو تھی
مصائب نے جب آن کے اُن کو گھیرا
سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا

**حوالہ:** نظم: امید(مسدس)　　شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** سفینہ:کشتی　　ہجراں: جدائی　　زنداں: قید خانہ　　غمخوار: ہمدرد

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح:(سفینہ،نوح،طوفان)(یعقوب،کنعان)(زلیخا،ہجراں)(یوسف،زندان)　　صنعت مراعاۃ النظیر :نوح،طوفان،سفینہ
لاحقہ:سکون بخش،دل آرام،غمخوار

**تشریح:**

اس بند میں حالؔی فرماتے ہیں کہ اے امید!تُو ہی سب کا سہارا ہے اور تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ بڑی بڑی شخصیات کو بھی جب کوئی مشکل آن پڑی تو امید ہی ان کے لئے سہارا اور ہمت کا ذریعہ بن گئی۔حضرت نوحؑ اور ان کے ماننے والوں کو جب طوفان کا سامنا کرنا پڑا،اور کشتی کے الٹنے اور ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہوا تو وہاں اے امید!تُو ہی ان کا سہارا بن گئی اور تیری ہی وجہ سے انہوں نے اپنے حواس قائم رکھے۔اور کنعان شہر میں حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کا خون میں لت پت کُرتا دیکھنے کے باوجود کئی برس امید ہی کے سہارے اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے رہے اور اس آس پر زندگی کے دن گزارتے رہے کہ اللہ یوسفؑ کو دوبارہ مجھ سے ملوا دے گا۔اور اُدھر زلیخا جو حضرت یوسفؑ کے حُسن کی وجہ سے ان پر عاشق ہو گئی مگر جب یوسفؑ کو ایک جھوٹے الزام کی وجہ سے جیل جانا پڑا تو زلیخا کو ان کی جدائی کا بہت دکھ تھا مگر اے امید!تُو ہی تھی جس نے زلیخا کے اس دکھ کو کم کیا کہ اُسے توقع تھی کہ ایک نہ ایک دن یوسفؑ جیل سے باہر آ جائیں گے اور میری جدائی کے یہ دن ختم ہو جائیں گے۔اور دوسری طرف یوسفؑ کو جھوٹے الزام کی وجہ سے جیل جانے کا بہت دکھ تھا مگر وہ امید ہی کے سہارے جیل میں آرام و سکون

سے رہ رہے تھے۔ان سب واقعات سے واضح پتہ چلتا ہے کہ ان تمام لوگوں پر جب برے حالات آئے اور پریشانیوں نے انہیں گھیر لیا تو یہ لوگ صرف امید ہی کے سہارے مشکل حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

بند3۔ بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تُو نے　　بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تُو نے
اکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تُو نے　　اجڑتے گھروں کو بسایا ہے تُو نے
بہت تُو نے پستوں کو بالا کیا ہے
اندھیرے میں اکثر اجالا کیا ہے

**حوالہ:** نظم: امید (مسدس)　　شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** اکھڑتے دل: مایوس دل　　پست: نیچا　　بالا: بلند

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: (ڈوبتوں، ترایا) (بگڑتوں، بنایا) (اُجڑتے، بسایا) (پستوں، بالا) (اندھیروں، اجالا)

**تشریح:**

نظم کے اس تیسرے بند میں شاعر الطاف حسین حالؔی امید سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے اُمید! ڈوبتوں کو ہمیشہ تُو نے ہی ترایا ہے۔یعنی جو آدمی گہرے پانی میں ڈوب رہا ہو اور موت کے منہ میں جا رہا ہو، وہ امید ہی کے سہارے ہاتھ پاؤں مار کر کسی نہ کسی طرح بچ جاتا ہے۔اور یہاں ڈوبنے سے مراد کاروبار، روزگار یا کسی اور معاملے میں نقصان اٹھانا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ جن کا کاروبار روز بروز نقصان کی طرف جا رہا ہوتا ہے اور حالات سخت خراب ہو چکے ہوتے ہیں مگر ایسے مایوس کُن حالات میں بھی امید ہی انہیں سہارا دیتی ہے اور دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کا حوصلہ دیتی ہے۔کاروبار میں فائدے کی آس دلاتی ہے اور ان کے دل میں حالات کی بہتری کی توقع پیدا کرتی ہے۔اور وہ لوگ جن کے حالات میں روز بروز بگاڑ آ رہا ہوتا ہے ان کو امید ہی بناتی اور سنوارتی ہے اور حالات میں بہتری لانے کا حوصلہ دیتی ہے۔اور برے حالات میں جب دل اکھڑ جاتے ہیں یعنی حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور ارادے کمزور ہو جاتے ہیں تو ایسے میں امید ہی دل میں حوصلہ، ہمت اور نئے ارادے پیدا کرتی ہے اور انسان کو پھر سے مضبوط بناتی ہے۔اور حالات کی خرابی کے باعث جب بستے گھر اجڑنے لگتے ہیں اور بستیاں ویران ہونے لگتی ہیں تو ایسے میں صرف امید ہی ہوتی ہے جو گھروں کو پھر سے بساتی ہے اور بستیوں کو آباد کرتی ہے۔امید نے بہت بار گرے پڑے کمزور لوگوں کو بلند کیا ہے اور انہیں ترقی دلوائی ہے۔اور برے حالات جب اندھیرا بن کر لوگوں کی زندگیوں میں تاریکی اور مایوسی پھیلا دیتے ہیں تو امید ہی اس تاریکی کو اجالے میں بدلتی ہے اور نور کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

بند4۔ قوی تجھ سے ہمت ہے پیر و جواں کی　　بندھی تجھ سے ڈھارس ہے خُرد و کلاں کی
تجھی پر ہے بنیاد نظمِ جہاں کی　　نہ ہو تُو تو رونق نہ ہو اس دکاں کی
تگاپو ہے ہر مرحلے میں تجھی سے
رواروی ہے ہر قافلے میں تجھی سے

**حوالہ:** نظم: امید (مسدس)　　شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** پیر: بوڑھا　　ڈھارس: ہمت　　خُرد و کلاں: چھوٹا بڑا　　تگاپو: دوڑ دھوپ　　رواروی: ہلچل

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: (پیر، جوان) (خرد، کلاں)　　مترادف الفاظ: تگاپو، رواروی　　مرکب اضافی: نظمِ جہاں
مرکب عطفی: پیر و جواں، خرد و کلاں　　استعارہ: دنیا کو دکان کہا ہے

**تشریح:** شاعر اس بند میں امید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے امید! دنیا میں جتنے بھی بوڑھے اور نوجوان لوگ موجود ہیں، ان تمام لوگوں کی ہمت حوصلہ اور عزم اگر مضبوط اور جاندار ہے تو صرف تیری ہی وجہ سے ہے۔کیونکہ ہر بوڑھا اور جوان امید کو سہارا بنائے مصروفِ عمل ہے۔اور اے امید! دنیا کے تمام چھوٹے بڑے لوگوں کی ہمت اور قوت بھی تیری ہی وجہ سے برقرار ہے۔شاعر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے امید! کائنات کا نظم و ضبط، ترتیب اور حُسن تیری ہی وجہ سے قائم ہے۔دن رات کا نظام، سورج کا طلوع و غروب ہونا اور ہر کام کا اپنے وقت پر ہونا، یہ کائنات کا نظم ہے اور شاعر کے مطابق یہ نظم و ضبط امید ہی کی وجہ سے قائم ہے۔آگے شاعر کہتے ہیں کہ دنیا ایک دکان کی مانند ہے اور اس دکان میں جو رش لگا ہوا ہے اور جو رونق لگی ہوئی ہے، وہ صرف اور صرف امید ہی کی وجہ سے ہے۔اور

زندگی کے ہر مرحلے اور موڑ پر ہم جتنے بھی آسان اور مشکل کاموں کو سرانجام دینے کے لئے دوڑ دھوپ اور کوشش کر رہے ہیں، وہ سب امید ہی کی بنیاد پر کر رہے ہیں۔ اور زندگی ایک قافلہ ہے جب کہ انسان اس قافلے کا مسافر ہے اور منزل تک پہنچنے کے لئے اس قافلے میں رواں دواں ہے اور اس سفر میں جو تیزی، شدت اور ہلچل ہے وہ بھی امید ہی کے بل بُوتے پر ہے۔ یعنی ہر ایک کو توقع ہے کہ وہ اس قافلے میں سفر کرتے کرتے آخرکار اپنی منزل تک پہنچ ہی جائے گا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

بند5۔ نوازا بہت بےنواؤں کو تُو نے تونگر بنایا گداؤں کو تُو نے
دیا دسترس نارساؤں کو تُو نے کیا بادشہ ناخداؤں کو تُو نے
سکندر کو شانِ کئی تُو نے بخشی
کلمبس کو دنیا نئی تُو نے بخشی

**حوالہ:** نظم: امید (مسدس) شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** بےنوا: بےسہارا، محتاج تونگر: دولت مند دسترس: اختیار نارسا: ناکام ناخدا: ملاح

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: تونگر، گدا صنعت تلمیح: سکندر، شانِ کئی، کلمبس سابقہ: بےنوا، نارسا، ناخدا

**تشریح:** اس بند میں بھی شاعر امید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے امید! تُو نے بہت سے بےسہارا اور محتاج لوگوں کو جن کے پاس کچھ نہ تھا، تُو نے انہیں تونگری اور خوشحالی عطا کر دی اور انہیں خوشیوں اور نعمتوں سے سرفراز کر دیا اور فقیر لوگ جو پائی پائی کے محتاج تھے، ان کو بھی تُو نے ہی مالدار بنایا، اور اس کے علاوہ کمزور اور بےبس لوگوں کو بھی اختیار اور طاقت تُو نے ہی عطا کی ہے۔ اور کشتیاں چلانے والے معمولی ملاحوں کو تُو نے ہی حکومت اور بادشاہت عطا کی اور تاج وتخت کا مالک بنا دیا۔ اور اے امید تُو ہی تھی جس نے سکندر بادشاہ کو یونان سے نکال کر ایران کی عظیم سلطنت سونپ ڈالی اور اسے ایرانی بادشاہوں کے لقب ''کئی'' سے نوازا۔ اور کولمبس جو ایک نئی دنیا دریافت کرنے کی غرض سے نکلا تھا، اے امید تُو نے ہی اسے آس دلائی اور تیرے ہی بل بُوتے پر اس نے امریکا دریافت کر لیا۔ وہ مسلسل گھومتا اور پھرتا رہا کیونکہ اسے امید تھی کہ وہ ایک نئی دنیا ضرور دریافت کر لے گا اور اسی امید کی وجہ سے وہ کامیاب ہوا۔ اس بند کے آخری دو مصرعے علامہ اقبال کو اتنے پسند آئے کہ انہوں نے ان دونوں مصرعوں کو معمولی ردوبدل کے ساتھ اپنی نظم ''جوابِ شکوہ'' میں یوں استعمال کیا۔

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

بند6۔ وہ رہرو نہیں رکھتے جو کوئی ساماں خورزاد سے خالی ہے جن کا داماں
نہ ساتھی کوئی جس سے منزل ہو آساں نہ محرم کوئی جو سنے دردِ پنہاں
ترے بَل پر خوش خوش ہیں اس طرح جاتے
کہ جا کر خزانے ہیں اب کوئی پاتے

**حوالہ:** نظم: امید (مسدس) شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** رہرو: مسافر خورزاد: توشہ، سامانِ سفر محرم: قریبی دوست پنہاں: پوشیدہ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: رہرو، سامان، خورزاد، منزل صنعت تکرار: خوش خوش حرف بیان: کہ مرکب توصیفی: دردِ پنہاں

**تشریح:** رہرو سے مراد مسافر ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ وہ مسافر جن کے پاس سفر کا سامان اور زادِراہ بھی نہیں ہوتا اور کوئی دوست، ساتھی بھی ساتھ نہیں ہوتا جو آسانی سے منزل تک پہنچا سکے اور نہ ایسا کوئی قریبی ہمدرد انسان ساتھ ہوتا ہے جو اس مسافر کے دردوغم سنے اور اس کی تکلیفوں کو جان سکے۔ مگر امید کے بل بُوتے پر یہ خالی ہاتھ مسافر انجانے رستوں پر یوں خوشی خوشی چل رہا ہوتا ہے جیسے منزل پر پہنچ کر اس کو بیش بہا خزانے ملیں گے۔ اور دیکھا جائے تو دنیا میں ہر شخص ہی مسافر ہے کوئی طالب علم ہے تو وہ تعلیم کے سفر میں ہے۔ کوئی گھر کا سربراہ ہے تو وہ تلاشِ معاش کے سفر میں ہے اور دنیا کے اس سفر میں اکثر لوگوں کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور راستے میں آسانیوں کا سامان ہر ایک کو دستیاب نہیں ہوتا اور نہ ہی زندگی کے اس سفر میں کوئی ایسا مخلص دوست ساتھ ہوتا ہے جو سفر کی مشکلات آسان بنا کر منزل کا حصول ممکن بنا دے اور زندگی کے اس سفر میں دشواریوں کی وجہ سے دل میں جو بےچینی اور درد پیدا ہوتا ہے، اس درد کو سمجھنے والا کوئی رازداں بھی ساتھ نہیں ہوتا مگر اس کے باوجود لوگ مسکراتے چہرے کے ساتھ امید کے بَل پر زندگی کا یہ سفر اطمینان سے جاری رکھے ہوتے ہیں گویا انہیں سفر کے اختتام پر منزل تک پہنچ کر بہت سے خزانے اور دولت ملنے والی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اس دنیا میں ہر انسان امید ہی کے سہارے اپنی زندگی کا سفر طے کر رہا ہے۔

بند 7۔ زمین جوتنے کو جب اٹھتا ہے جُوتا — سمیں کا گماں تک نہیں جب کہ ہوتا
شب و روز محنت میں ہے جان کھوتا — مہینوں نہیں پاؤں پھیلا کے سوتا
اگر موجزن اس کے دل میں نہ تُو ہو
تو دنیا میں غُل بھوک کا چار سُو ہو

**حوالہ:** نظم: امید (مسدس) شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** جوتنا: کاشت کرنا جُوتا: کسان سمیں: روشنی کھوتا: کھپاتا غُل: شور

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: زمین، جوتنا، جُوتا صنعت تضاد: شب، روز محاورہ: پاؤں پھیلا کر سونا
مرکب عطفی: شب و روز مرکب عددی: چار سُو

**تشریح:**

اس بند میں حالؔی امید کے کرشمے کو ایک کسان کی مثال دے کر سمجھا رہے ہیں کہ وہ کسان جو زمین میں بیج بوتا ہے، ہل چلاتا ہے اور محنت کرتا ہے، صبح سویرے کھیتوں میں آکر کام کرتا ہے تو تب اسے روشنی اور اجالے کا گماں تک نہیں ہوتا، یعنی کوئی روشنی کوئی اجالا فصل کی صورت میں اسے دکھائی نہیں دیتا۔ اور اسے نہیں پتہ ہوتا کہ میری محنت اور ہل چلانے کے بعد غلّہ اُگے گا بھی یا نہیں، کھیت سرسبز ہوگا بھی یا نہیں، مگر اس کے باوجود وہ امید کے سہارے محنت کرتا رہتا ہے اور دن رات جان تھکاتا ہے۔ اسے آرام اور قرار نہیں ہوتا اور وہ کئی کئی مہینے پاؤں پھیلا کر چین کی نیند نہیں سوتا اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر کھیتوں کو پانی دینے جاتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اگر کسان کے دل میں اپنی محنت کا پھل ملنے کی امید نہ ابھرتی تو دنیا میں ہر سمت، ہر طرف بھوک، افلاس اور غذا کی قلت ہو جاتی اور کھانے پینے کی چیزوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے ہر طرف شور اور ہنگامے برپا ہو جاتے اور نظامِ زندگی درہم برہم ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کسان اچھی فصل ہونے اور منافع ملنے کی امید لگا کر کھیتوں میں محنت کر کے لوگوں کو غذائی کمی کا شکار نہیں ہونے دیتا۔ لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ مصیبتوں سے ہرگز نہ گھبرائے اور حوصلے کے ساتھ مشکل حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے اور حالات کے اچھے ہونے کی امید دل میں رکھ کر کوشش کرتا رہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

بند 8۔ بنے اس سے بھی گر سوا اپنے دم پر — بلاؤں کا ہو سامنا ہر قدم پر
پہاڑ اک فزوں اور ہو کوہِ غم پر — گزرنی ہے جو کچھ گزر جائے ہم پر
نہیں فکر تُو دل بڑھاتی ہے جب تک
دماغوں میں بُو تیری آتی ہے جب تک

**حوالہ:** نظم: امید (مسدس) شاعر: الطاف حسین حالؔی

**حلِ لغت:** سوا: زیادہ بلا: مصیبت فزوں: زیادتی، کثرت بُو: مہک دم: جان

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: (دل، دماغ، فکر) (بلاؤں، غم) مترادف الفاظ: پہاڑ، کوہ مرکب اضافی: کوہِ غم

**تشریح:**

اس آخری بند میں حالؔی فرماتے ہیں کہ یہ مشکلات و مصائب تو کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر ہمارے جیون پر اس سے بھی زیادہ درد و الم اور برے حالات آجائیں اور ہمیں زندگی کے ہر قدم پر مزید بلاؤں، تکلیفوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور ہمیں تو پہلے ہی سے غموں کے ایک پہاڑ کا سامنا ہے لیکن اگر اس پہاڑ پر ایک اور غم کا پہاڑ فزوں ہو جائے، بڑھ جائے، زیادہ ہو جائے تو تب بھی ہمیں کوئی فکر اور پریشانی نہیں ہے اور ہمارے حوصلے پست نہیں ہوں گے اور ہم قطعاً نہیں گھبرائیں گے بلکہ ہر طرح کے مشکل حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس امید کی دولت موجود ہے جو ہمارے حوصلے اور ہمت میں اضافہ کرتی ہے اور غم کے اس طوفان میں اب ہمیں امید کی کشتی کا سہارا ہے کہ ہم ہر طرح کے مشکل حالات سے اللہ کے فضل کے ذریعے بخوبی نکل آئیں گے۔ اب ہمارے ذہنوں سے مایوسی کے بادل چھٹ رہے ہیں اور ہم اپنے دماغوں میں حوصلے کو بڑھا دینے والی امید کی مہک محسوس کر رہے ہیں۔ اصل میں اس آخری بند میں شاعر نے پریشان حال مسلمانوں کو یہ پیغام اور درس دیا ہے کہ ہر طرح کے مایوس کن حالات میں امید کی شمع اپنے دلوں میں جلائے رکھو۔ جب تک امید کی خوشبو ہمارے دل و دماغ کو معطر رکھے گی تو کوئی مشکل اور پریشانی ہمیں شکست نہیں دے سکتی۔ کیونکہ امید ایک ایسی بہار کا نام ہے جسے خزاں کا بالکل ڈر نہیں ہوتا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نظم: **نصیحتِ اخلاقی**　شاعر:**اکبرؔ الہ آبادی**

ماخوذ: **کلیاتِ اکبر حصہ اول**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** اصل نام سید اکبر حسین اور اکبرؔ ہی تخلص تھا۔آپ 1845 کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم:** آپ کی رسمی تعلیم بہت کم تھی، ذاتی کوششوں سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔

**عملی زندگی:** اکبر 1880ء میں جوڈیشل سروس کے لیے منتخب ہوئے، اور ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے عہدے تک پہنچے۔

**فن شاعری:** اکبرؔ کا شمار اردو کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔آپ نے شاعری کا آغاز سنجیدہ کلام سے کیا مگر آپ کی مقبولیت کا دارومدار طنزیہ ومزاحیہ شاعری پر ہے۔آپ کے انداز اور اسلوب نے ایسی شہرت اختیار کی کہ آج بھی لوگ آپ کو ''لسان العصر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

**وفات:** اکبر نے 1921ء کو تقریباً 76 برس کی عمر میں الہ آباد میں وفات پائی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | اکبر الہ آبادی کا اصل نام کیا تھا؟ | الف۔سید اکبر | **ب۔سید اکبر حسین** |
| ۲۔ | آپ کی مقبولیت کا دارومدار طنزیہ اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شاعری پر ہے۔ | **الف۔ظریفانہ** | ب۔سنجیدہ |
| ۳۔ | لوگوں نے اکبرؔ کو۔۔۔۔۔۔کا لقب دیا۔ | الف۔عوامی شاعر | **ب۔لسان العصر** |
| ۴۔ | مائل ہے نیکیوں پہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔سے دور ہے | الف گناہ | **ب۔برائی** |
| ۵۔ | سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی۔۔۔۔۔۔کو | **الف۔پند** | ب۔بات |
| ۶۔ | رکھتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی عزت کا وہ خیال | الف۔قوم | **ب۔خاندان** |
| ۷۔ | راضی ہے اس پہ باپ کی جو کچھ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ | **الف۔مصلحت** | ب۔مرضی |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س۱۔ اس نظم میں اکبر الہ آبادی نے ہونہار بیٹے کی کیا خصوصیات بتائی ہیں؟**

**جواب:** اکبر الہ آبادی نے اس نظم ''نصیحتِ اخلاقی'' میں ہونہار بیٹے کی درج ذیل خصوصیات بتائی ہیں۔

**ہونہار بیٹے کی خصوصیات:**

اکبر کے نزدیک ہونہار بیٹا شریف اور صالح ہوتا ہے۔ماں باپ کا فرمانبردار ہوتا ہے اور بزرگوں کی نصیحتوں کو توجہ سے سنتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے۔ بڑوں سے بہت ادب سے بات کرتا ہے۔ہونہار بیٹا نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور بری صحبت سے ہمیشہ دور رہتا ہے۔خاندان کی عزت کا خیال رکھتا ہے، سمجھدار اور غیرت مند ہوتا ہے، حلال کمائی کی فکر میں لگا رہتا ہے اور علم وہنر کا دلدادہ ہوتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۲۔ نظم ''نصیحتِ اخلاقی'' کا خلاصہ لکھیں۔**

**جواب:** اکبر الہ آبادی کی نظم ''نصیحتِ اخلاقی'' کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

**خلاصہ:**

اس نظم میں اکبر بیٹے کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں لوگ بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔اس لیے ماں باپ کو بیٹے پر بڑا ناز ہوتا ہے اور بیٹے کی ہر خواہش پوری کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔شاعر بھی اس بات سے اتفاق کرتا ہے مگر وہ اس شرط کا قائل ہے کہ بیٹے کو لائق اور ہونہار ہونا چاہیے۔جو برائیوں سے اجتناب کرے اور نیکیوں کی طرف راغب ہو۔اور بیٹا بزرگوں کی نصیحتوں کو دھیان سے سنے اور ان پر عمل کرے۔جب وہ اپنے سے بڑے سے بات کرے تو ادب کے ساتھ بات کرے۔نیک بیٹا وہ ہوتا ہے جو کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔اس کی سوچ والدین کی سوچ کے تابع ہوتی ہے۔وہ ہر جگہ صبر و تحمل سے کام لیتا ہے لیکن جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں غیرت کا اظہار بھی کرتا ہے۔وہ خاندان کی عزت کا خیال رکھتا ہے،نیک لوگوں سے دوستی کرتا ہے اور بری صحبت سے دور رہتا ہے۔آخر میں شاعر نے کہا کہ صرف ایسی صفات کا حامل بیٹا قابلِ فخر ہے اور اگر کسی بیٹے میں یہ صفات نہیں ہیں تو والدین کی خوشی صرف خوش فہمی ہی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۳۔ درج ذیل الفاظ و محاورات کے معنی لکھ کر جملوں میں استعمال کریں۔**

| الفاظ | معنی | جملے |
|---|---|---|
| **نازاں** | فخر کرنے والا | بہادر افواجِ پاکستان پر پوری قوم نازاں ہے۔ |
| **ظہور** | ظاہر ہونا | حضورؐ کی آمد سے دنیا میں علم و حکمت کا ظہور ہوا۔ |
| **مکروزُور** | دھوکا، جھوٹ | چالاک لوگ اپنا کام مکروزُور سے نکال لیتے ہیں۔ |
| **کسبِ کمال** | مہارت حاصل ہونا | میر انیسؔ کو مرثیہ گوئی میں کسبِ کمال حاصل تھا۔ |
| **اہلِ شعور** | عقل والے لوگ | قومیں اہلِ شعور لوگوں کی وجہ سے ترقی کرتی ہیں۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۴۔ اس نظم کا مرکزی خیال تحریر کریں۔**

**جواب:** اکبر الہ آبادی کی نظم ''نصیحتِ اخلاقی'' کا مرکزی خیال درج ذیل ہے۔

**مرکزی خیال:**

اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ بیٹا ماں باپ کی آنکھوں کی روشنی اور ٹھنڈک ہوتا ہے لیکن اسے ماں باپ اور بزرگوں کا فرمانبردار ہونا چاہیے۔اسے اپنے خاندان کی عزت کا پاس ہونا چاہیے اور اس کے دل میں علم و ہنر کا شوق ہونا چاہیے۔اگر کسی بیٹے میں یہ صفات نہ ہوں تو والدین کو ایسی اولاد سے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔اس لئے والدین کو چاہیے کہ وہ بیٹے کی اچھی تربیت کریں اور اسے معاشرے کا ایک مفید فرد بنائیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۵۔ اس نظم کے قوافی لکھیں۔**

**جواب:** **قوافی:** نور، سرور، غرور، ظہور، ضرور، دور، حضور، شعور، غیور، نفور، قصور

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س۶۔ طنز و مزاح کی تعریف کریں۔اور دونوں کا فرق بیان کریں۔**

**جواب:** **طنز کی تعریف:**

طنز لغت میں طعنہ کو کہتے ہیں۔رسالہ ادب لطیف میں طنز کی تعریف یوں کی گی ہے۔طنز ایک شدید،تیز اور بے دردانہ قسم کی تنقید کا نام ہے۔جس میں کسی چیز کے برے پہلو کو اس قدر نمایاں کر دیا جاتا ہے کہ اس چیز کے اچھے پہلو خود بخود نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

**مزاح کی تعریف:**

ادبی لحاظ سے مزاح سے مراد ایسی بات ہے جو تفریحی انداز میں ہنسنے ہنسانے کے لیے کہی جائے،مزاح کہلاتی ہے۔بعض اوقات مزاح سے مقصود صرف ہنسنا ہنسانا نہیں ہوتا بلکہ مزاحیہ انداز میں اصلاح پیشِ نظر ہوتی ہے۔

**دونوں میں فرق:**

ا۔ مزاح سے اکثر دوسرے کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔جبکہ طنز میں اصلاح سے زیادہ دوسرے کو تنقید کا نشانہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔

۲۔ وہ ہنسی مذاق جس کا مقصد صرف معاشرے کی اصلاح ہو، مزاح کہلاتا ہے۔لیکن جب معاشرہ حد سے زیادہ بگڑ جائے اور مزاح نگار کا یہ احساس شدت اختیار کر جائے کہ اب معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں رہی تو اس وقت وہ معاشرے اور انسانیت سے متنفر ہو کر شدید تنقید کرتا ہے، جسے طنز کہتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

ا۔ بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے — ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی — نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے

**حوالہ:** نظم: نصیحتِ اخلاقی — شاعر: اکبرالہ آبادی

**حلِ لغت:** سرور: خوشی — سمت: طرف — نازاں: فخر کرنے والا

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: باپ، بیٹا — مترادف الفاظ: (نور، روشنی) (لطف، سرور)

**تشریح:**

ان اشعار میں اکبر الہ آبادی بیٹے کے اس تصور کے بارے میں بتا رہے ہیں جو ہمارے معاشرے میں پایا جاتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں بیٹی سے زیادہ بیٹے کو اہمیت دی جاتی ہے اور بیٹے کو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور کہہ کر پکارا جاتا ہے۔کیونکہ بیٹیاں ماں باپ کے گھر مہمان ہوتی ہیں اور بڑی ہو کر کسی اور گھر کی ہو جاتی ہیں جبکہ بیٹا ماں باپ کے ساتھ رہتا ہے اور ان کے بڑھاپے کا سہارا بھی ہوتا ہے۔اسی وجہ سے ہمارے معاشرے میں نرینہ اولاد کی بہت اہمیت ہوتی ہے اور بیٹے کی پیدائش پر بہت خوشیاں منائی جاتی ہیں۔بیٹا گھر میں روشنی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے باپ دادا کی نسل کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنتا ہے اور خاندان کا اصلی وارث ہونے کی وجہ سے باپ اس پر فخر کرتا ہے اور ماں بھی اس پر مغرور و مسرور ہوتی ہے کہ اب وہ ایک بیٹے کی ماں بن چکی ہے۔الغرض ماں اور باپ دونوں کو ہی اپنے بیٹے پر بڑا ناز اور مان ہوتا ہے۔بہرحال ہمارے معاشرے میں بیٹے کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور اسی کے دم سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

۲: خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں — کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق — اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے

**حوالہ:** نظم: نصیحتِ اخلاقی — شاعر: اکبرالہ آبادی

**حلِ لغت:** کرم: مہربانی — ظہور: ظاہر ہونا — قول: بات

**فنی محاسن:** سابقہ: خوش قسمتی — حرف بیان: کہ — اسمِ اشارہ: یہ

**تشریح:**

اکبر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی گھر میں بیٹے کی پیدائش کو والدین اور خاندان کے لئے خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔کیوں کہ بیٹا خاندان کے نام کو آگے بڑھاتا ہے اور مستقبل میں سارے گھر کی ذمہ داری بھی اٹھاتا ہے۔اسی وجہ سے بیٹے کی پیدائش پر بھرپور انداز میں خوشی منائی جاتی ہے اور مٹھائیاں بھی تقسیم کی جاتی ہیں اور والدین جب کسی کو بتاتے ہیں کہ ہمارے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے تو ساتھ یہ بھی ضرور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کرم اور مہربانی فرمائی کہ ہمیں چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ماں اور باپ دونوں بیٹے کو خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کرتے ہیں۔اکبر کہتے ہیں کہ معاشرے میں بیٹے کے متعلق جو خیالات پائے جاتے ہیں، میں ان سے انکار ہرگز نہیں کرتا۔میرا بھی یہ ماننا ہے کہ بیٹے کے متعلق معاشرے میں پائے جانے والے یہ خیالات بالکل درست ہیں کہ بیٹا گھر کی روشنی اور خاندان کے لئے مسرت و خوشی کا باعث ہوتا ہے۔یہ خدا تعالیٰ کا عظیم انعام ہے جو وہ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

۳: البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار مائل ہے نیکیوں پہ، برائی سے دور ہے
سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو وقتِ کلام لب پہ جناب وحضور ہے

**حوالہ:** نظم: نصیحتِ اخلاقی شاعر: اکبرالہ آبادی

**حلِ لغت:** ہونہار: لائق، قابل مائل: راغب پند: نصیحت

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: نیکی، برائی مرکب اضافی: وقتِ کلام مرکب عطفی: جناب وحضور حرف بیان: کہ

**تشریح:**

شاعر کہتے ہیں کہ واقعی بیٹا خاندان کی عزت وناموس کا وارث ہونے کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کی عظیم نعمت بھی ہے لیکن میں ایک شرط کا قائل ہوں اور وہ شرط یہ ہے کہ بیٹا قابل، لائق اور ہونہار ہونا چاہیئے تا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی عزت اور نیک نامی میں اضافہ کر سکے۔ اور اس کے علاوہ اس کے اندر نیکی اور بدی کو پہچاننے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے تا کہ وہ نیکی کے راستے کو اپنائے اور نیکیوں کا شوق اس کے دل میں پیدا ہو اور برے اعمال اور گناہ کے راستے سے پرہیز کرے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ بیٹا بزرگوں کی نصیحتوں کو توجہ سے سننے والا اور ان پر عمل کرنے والا ہونا چاہیے کیونکہ بزرگوں کی باتیں اور نصیحتیں ان کی ساری عمر کے تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ اور بیٹا بزرگوں سے گفتگو کرتے وقت اُن کے احترام کا پورا خیال رکھے اور بڑے ادب کے ساتھ جناب اور حضور کہہ کر ان کو مخاطب کرے اور کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نہ ادا ہو جو بزرگوں کے احترام اور شان کے خلاف ہو یعنی بیٹا گستاخ اور بے ادب نہ ہو، تب ہی وہ خاندان کے لیے باعثِ عزت ہوگا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

۴۔ برتاؤ اس کا صدق ومحبت سے ہے بھرا اس میں نہ ہے فریب نہ ہی مکروزُور ہے
افکارِ والدین میں ہے دل سے وہ شریک ہمدرد ہے، معین ہے، اہلِ شعور ہے

**حوالہ:** نظم: نصیحتِ اخلاقی شاعر: اکبرالہ آبادی

**حلِ لغت:** صدق: سچائی مکر: دھوکہ زُور: جھوٹ معین: مددگار

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: صدق، زُور مترادف الفاظ: فریب، مکر مرکب عطفی: مکروزُور، صدق ومحبت مرکبِ اضافی: افکارِ والدین

**تشریح:**

ان اشعار میں اکبرالہ آبادی ہونہار بیٹے کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہونہار بیٹا سب کے ساتھ محبت اور خلوص سے پیش آتا ہے اور اس کا ہر ایک کے ساتھ تعلق ہمدردی اور سچائی پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ کسی کو دھوکا اور فریب نہیں دیتا۔ جھوٹ اور دغا بازی سے کوسوں دور بھاگتا ہے، نیک نیتی اور سچائی اس کا شعار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کے والدین کسی بات پر پریشان ہیں یا ان کو کوئی مسئلہ درپیش ہے، جس کا حل ان کے بس سے باہر ہے تو وہ انہیں تسلی دیتا ہے اور ان کی دلجوئی کرتا ہے۔ والدین کی فکر اس کی فکر ہوتی ہے اور وہ اپنے خیالات اور سوچ کو والدین کی سوچ کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ اور ہونہار بیٹا اپنے والدین اور باقی لوگوں کے لیے اپنے دل میں ہم دردی کے جذبات رکھتا ہے۔ مشکل میں اوروں کے کام آتا ہے، دوسروں کی مدد کرتا ہے اور عقل مندی اور دانائی والے کام کر کے خود کو ایک باشعور اور سمجھدار انسان ثابت کرتا ہے۔ ایسی اولاد خود بھی نیک نام ہوتی ہے اور والدین کی بھی نیک نامی کا باعث بنتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

۵۔ راضی ہے اس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت صابر ہے، باادب ہے، عقیل وغیور ہے
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال نیکوں کا دوست، صحبتِ بد سے نفور ہے

**حوالہ:** نظم: نصیحتِ اخلاقی شاعر: اکبرالہ آبادی

**حلِ لغت:** مصلحت: صلاح ومشورہ عقیل: عقلمند غیور: غیرت مند نفور: بیزار

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: (نیکوں، بد) (راضی، نفور) مرکب عطفی: عقیل وغیور مرکب توصیفی: صحبتِ بد

**تشریح:**

اکبر ہونہار اور نیک صفات والے بیٹے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کا نافرمان نہیں ہوتا اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس سے اس کے والدین کو دکھ پہنچے۔ باپ جو چیز اس کے لئے پسند کرتا ہے وہ اسے باپ کی مصلحت خیال کر کے دل سے اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ والدین کی رضامندی اور خوشنودی کا ہر پل خیال رکھتا ہے۔ چونکہ والدین کی رضا میں خدا کی رضا بھی شامل ہوتی ہے، اس لیے وہ ان کا ہر حکم مانتا ہے۔ اگر چہ وہ حکم اس کی مرضی کے خلاف

ہی کیوں نہ ہو تب بھی وہ انتہائی صبر و شکر کے ساتھ ان کے حکم کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے۔ اکبر کہتے ہیں کہ ہونہار بیٹا ہر جگہ صبر و تحمل سے کام لیتا ہے اور ہمیشہ ادب و آداب کے دائرے میں رہتا ہے لیکن جہاں غیرت کا معاملہ آتا ہے تو وہ عقل سے کام لیتا ہوئے فیصلے کرتا ہے، اور اپنے غیرت مند ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ وہ زندگی میں جو بھی قدم اٹھاتا ہے نہایت سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس سے اس کے خاندان کی عزت پر کوئی حرف آئے۔ اس لیے وہ نیک اور اچھے لوگوں کو دوست بناتا ہے اور بری صحبت کو سخت ناپسند کرتا ہے، اور برے لوگوں سے ہمیشہ دور رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

۶۔ **کسبِ کمال کی ہے شب و روز اس کو دُھن — علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے**
**لیکن جو ان صفات کا مطلق نہیں پتا — اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے**

**حوالہ:** نظم: نصیحتِ اخلاقی — شاعر: اکبر الٰہ آبادی

**حلِ لغت:** کسب: حصول — دُھن: شوق — وفور: زیادتی — مطلق: بالکل

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: شب، روز — مرکب اضافی: کسبِ کمال — مرکب عطفی: شب و روز، علم و ہنر — صنعت تکرار: خوشی

**تشریح:**

ان اشعار میں اکبر کہتے ہیں کہ اچھا بیٹا وہی ہوتا ہے جسے علم حاصل کرنے اور خود کو ہنر مند ثابت کرنے کی سچی لگن ہو۔ ہونہار بیٹا علم و ہنر کا شوقین ہوتا ہے۔ کیونکہ اُسے اِس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ دنیا میں وہی آدمی ترقی کرتا ہے جو علم و ہنر کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ اس لیے وہ علم و ہنر سیکھنے میں مگن رہتا ہے اور علم و ہنر کے حوالے سے دن رات محنت کر کے درجۂ کمال تک جا پہنچتا ہے۔ اور نظم کے آخری شعر میں اکبر کہتے ہیں کہ اگر ان ساری صفات میں سے کوئی بھی صفت کسی کے بیٹے میں نہ پائی جائے تو پھر ایسے بیٹے سے آدمی کا بے اولاد رہنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ وہ اولاد جو ان سب صفات کی حامل نہ ہو تو وہ بے فائدہ ہے، ماں باپ کو اس سے کوئی نفع نہیں ملتا۔ اور اگر کسی کے بیٹے میں یہ سب صفات نہ ہونے کے باوجود اگر ماں باپ خوش ہیں تو یہ خوشی وقتی ہے کیونکہ اچھی صفات کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے ایسا بیٹا آگے جا کر ماں باپ کو دکھ ہی دے گا۔ اور بڑھاپے میں ان کا سہارا بننے کے بجائے ان کی پریشانیوں میں اضافہ کریگا۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ بیٹے کی پیدائش پر خوشیاں منانے کے ساتھ ساتھ اُس کی اچھی تعلیم و تربیت بھی کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نظم: **جلوۂ سحر** شاعر: **حفیظ جالندھری**

ماخوذ: **سرمایۂ اردو**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** حفیظ ۱۹۰۰ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد حفیظ اور حفیظ ہی تخلص تھا اور والد کا نام حافظ شمس الدین تھا۔

**تعلیم:** ابتدائی تعلیم جالندھر سے حاصل کی مگر گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ کر سکے۔

**وجۂ شہرت:** حفیظ نے پاکستان کا قومی ترانہ لکھا اور اسلام کی منظوم تاریخ ''شاہنامۂ اسلام'' کے نام سے رقم کی۔ ان دونوں تخلیقات نے آپ کو زندہ و جاوید کر دیا۔

**فنِ شاعری:** حفیظ بنیادی طور پر گیت نگار ہیں اور آپ کے گیت جذبات اور لطافت سے بھرپور ہیں۔ آپ کی شاعری کی خصوصیت ترنم اور شگفتگی ہے۔ سادگی، مقصدیت، تغزل، منظر کشی اور متنوع بحروں کا استعمال آپ کے کلام کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

**وفات:** حفیظ جالندھری ۱۹۸۲ء کو تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

**شعری مجموعے:** سوز و ساز، تصویرِ کشمیر، بہار کے پھول، چیونٹی نامہ، حفیظ کے گیت، حفیظ کی نظمیں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | نظم ''جلوۂ سحر'' کے شاعر ------- ہیں۔ | الف۔ علامہ اقبال | **ب۔ حفیظ جالندھری** |
| ۲۔ | حفیظ جالندھری ------- میں پیدا ہوئے۔ | **الف۔ جالندھر** | ب۔ لاہور |
| ۳۔ | پاکستان کا قومی ------- حفیظ جالندھری نے لکھا۔ | **الف۔ ترانہ** | ب۔ گیت |
| ۴۔ | آپ نے ''شاہنامہ اسلام'' کے عنوان سے ------- تاریخ لکھی۔ | الف۔ مشہور | **ب۔ منظوم** |
| ۵۔ | حفیظ بنیادی طور پر ------- ہیں۔ | **الف۔ گیت نگار** | ب۔ نامہ نگار |
| ۶۔ | آپ کی شاعری کی خصوصیت ------- اور شگفتگی ہے۔ | الف۔ اندازِ بیان | **ب۔ غنائیت** |
| ۷۔ | ستارے زرد ہو چکے، چراغ ------- ہو چکے | الف۔ گرم | **ب۔ سرد** |
| ۸۔ | یکایک ایک نور کا ------- شرق سے اٹھا | **الف۔ غبار** | ب۔ ستارہ |
| ۹۔ | عبادتوں کے در کھلے ------- کے در کھلے | **الف۔ سعادتوں** | ب۔ رحمتوں |
| ۱۰۔ | یہ سرد ------- ہوا، یہ صحت آفریں سماں | الف۔ ٹھنڈی | **ب۔ شبنمی** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س ۱: ''جلوۂ سحر'' میں پیش کیا گیا صبح کا منظر اپنے الفاظ میں بیان کریں؟**

**جواب:** حفیظ جالندھری نے ''جلوۂ سحر'' میں صبح کا منظر کچھ یوں بیان کیا ہے۔

**صبح کا منظر:** رات کے آخری پہر صبح کا ستارہ بلند ہوا اور صبح کے خوبصورت سماں کا اعلان کر کے چل دیا۔ جس کے بعد زمین پر ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ تمام رات چمکنے والے ستارے اب آرام کرنے کی خاطر تھک کر سو گئے۔ مشرق کی جانب روشنی ایک غبار سا اٹھا اور تمام کائنات پر چھا گیا۔ مسلمان، ہندو اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنی اپنی عبادت گاہوں کی طرف چل پڑے اور اپنے مالکِ حقیقی کی حمد و ثناء بیان کرنے لگے۔ کسان بھی اپنے مویشیوں کو لے کر کھیتوں کی طرف چل

دیےاور سہانے موسم سے لطف اندوز ہوکر گیت گانے لگے۔صبح کے وقت کائنات کی ہر چیز نکھری ہوئی نظر آرہی ہے۔گرتی آبشاریں اور بہتی ندیاں صبح کے اس خوبصورت وقت کوخوش آمدید کہہ رہی ہیں اور ہوائیں سریلے ساز بجابجا کراپنی خوشی کا اظہار کررہی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۲: اس نظم میں صبح کا منظر بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔آپ شام کے منظر کواپنے الفاظ میں بیان کریں۔**

جواب: شام کا منظر:

سورج تمام دن محوِ سفر رہنے کے بعد تھکا ہارا مغرب کی طرف رواں دواں ہے،سورج کی کرنوں میں وہ آب وتاب اور حدّت باقی نہیں رہی،آسمان کے کناروں پر تاریکی اپنے ڈیرے ڈال رہی ہے اور رات کی چادر پوری کائنات پر پھیلتی جارہی ہے۔کھیتوں میں کام کرنے والے کسان تھکے ہارے اپنے مویشیوں سمیت گھروں کولوٹ رہے ہیں۔اور پرندے بھی اب اپنے اپنے گھونسلوں کی جانب رواں دواں ہیں۔آسمان پر سورج کی روشنی مدھم ہورہی ہے اور ستاروں نے ٹمٹمانا شروع کردیا ہے۔ہرطرف سکوت کا عالم ہے،شہر کی رونقیں ماند پڑرہی ہیں،ملازمت پیشہ لوگ گھروں کولوٹ چکے ہیں اور دکاندار بھی دکانیں بند کرکے گھروں کولوٹنے والے ہیں۔ہرطرف اندھیرے کا راج ہے اور فطرت کا سارا حُسن رات کی کالی چادر اوڑھ کرسوگیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۳: آخری بند میں شاعر نے صبح کو حسینۂ سحر کے ایک کردار کی صورت میں پیش کرتے ہوئے اسکے استقبال کوکن لفظوں میں بیان کیا ہے۔**

جواب: حفیظ جالندھری نے ''جلوہ ٔسحر'' کے آخری بند میں حسینۂ سحر کے استقبال کا منظر کچھ یوں بیان کیا ہے۔

حسینۂ سحر کا استقبال:

حفیظؔ جالندھری صبح کے خوبصورت وقت کوایک حسینہ سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نے سنہری تاج اپنے سر پرسجار کھا ہے اور خوبصورت سفید نورانی لباس پہن رکھا ہے۔اس حسینہ کے استقبال اورخوش آمدید کہنے کے لیے جہاں ہوائیں خوبصورت ساز بجارہی ہیں،وہیں یہ بہتی ندیاں اور گرتی آبشاریں بھی استقبالیہ راگ الاپ رہی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۴: جملے بنائیں۔**

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| یکا یک | آسمان صاف تھا کہ یکا یک کالے بادل آئے اور بارش ہوگئی۔ |
| سعادت | خدمتِ خلق میں مشغول ہونا بڑی سعادت کی بات ہے۔ |
| صحت آفرین | مری اور نتھیا گلی بہت صحت آفرین مقام ہیں۔ |
| جلوہ گاہ | سوات کے حسین مناظر دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے یہ حُسن کی دیوی کی جلوہ گاہ ہے۔ |
| جوئبار | جوئبار کے کنارے تروتازہ سبزے کی اپنی ایک الگ ہی بہار ہوتی ہے۔ |
| آبشار | بہتے چشمے،گرتی آبشاریں اللہ کی قدرت کا نمونہ ہیں۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س۵: کنائے کی تعریف کریں اور مثالوں سے واضح کریں۔**

جواب: کنایہ کی تعریف:

کنایہ کے لغوی معنی اشارہ اور چھپا کر بات کرنے کے ہیں۔جب کوئی لفظ مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہوں تو اسے کنایہ کہتے ہیں۔مثلاً بال سفید ہوگئے لیکن عادتیں نہ بدلیں۔یہاں اگر مجازی معنی مراد لیں تو بال سفید ہونے سے مراد بڑھاپا ہے۔لیکن حقیقی معنوں میں بال سفید ہونا مراد لیں تو تب بھی درست ہے۔

نوٹ: کنایہ کی مزید تفصیل حصہ گرائمر میں ملاحظہ کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

بند نمبر۱:
چلا ستارۂ سحر سنا کے صبح کی خبر
زمین پہ نور چھا گیا فلک پہ رنگ آ گیا
تمام زادگانِ شب چمک چمک کے سو گئے
شرارِ آسمانِ شب دمک دمک کے سو گئے
ستارے زرد ہو چکے چراغ سرد ہو چکے
وہ ٹمٹما کے رہ گئے یہ جھلملا کے رہ گئے
چلا ستارۂ سحر سنا کے صبح کی خبر

تشریح:

حفیظؔ جالندھری اس بند میں خوبصورت تشبیہات کے ذریعے صبح کے وقت کی منظر کشی کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صبح کا ستارہ دنیا کے باسیوں کو ایک نئی اور روشن صبح کی خوشخبری سنا کر چلا گیا ہے۔ صبح کے ستارے سے مراد وہ ستارہ ہے جو رات کو سب سے پہلے نمودار ہوتا ہے اور صبح کے وقت سب سے آخر میں غائب ہوتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اس خبر کے ساتھ ہی زمین پر ہر طرف روشنی سی پھیل رہی ہے اور آسمان پر مشرق کی جانب سورج کی کرنیں اپنا نور بکھیر رہی ہیں۔ اور آسمان کے چاند اور ستارے جو رات کے وقت ظاہر ہوئے تھے اور ساری رات آسمان پر چمکتے رہے تھے، اب اپنی آب و تاب دکھا کر سو رہے ہیں۔ آگے شاعر تمام رات چمکنے والے ستاروں کو چنگاریوں سے تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ یہ چنگاریاں بھی اپنی چمک دمک دکھا کر اب بجھ گئی ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ ان ستاروں کا رنگ اب پیلا پڑ چکا ہے اور ان کی حالت اُس چراغ کی مانند ہو گئی ہے جو ساری رات جلا ہو اور اب اس میں تیل ختم ہو رہا ہو تو اسکی روشنی زرد ہو جاتی ہے اور وہ ٹمٹمانے لگتا ہے اس طرح یہ ستارے بھی صبح کے وقت ٹمٹما اور جھلملا رہے ہیں اور ان کا رنگ زرد پڑ چکا ہے۔ جو اس بات کی نشانی ہے کہ اب ان کے غائب ہونے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ اور چاروں طرف صبح کا نور پھیل رہا ہے اور صبح کا ستارہ نئی صبح کے طلوع ہونے کی خوشخبری سنا کر جا رہا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

بند نمبر۲:
یکایک ایک نور کا غبار شرق سے اٹھا
وہ رفتہ رفتہ بڑھ چلا اور آسماں پہ چھا گیا
حسینۂ نمود نے سیہ نقاب اٹھا لیا
فسوں گرِ شہود نے طلسمِ شب مٹا دیا
یکایک ایک تازگی یکایک ایک روشنی
نگاہِ جاں میں آ گئی حیات میں سما گئی
یکایک ایک نور کا غبار شرق سے اٹھا

تشریح:

اس بند میں شاعر ستاروں کے روپوش ہونے کے بعد سورج کے طلوع ہونے کے منظر کو بیان کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ اچانک مشرق کی جانب سے روشنی کا ایک غبار نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے تمام آسمان پر چھا گیا اور ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیلا دی۔ یہاں شاعر نے صبح کے نمودار ہونے اور اندھیروں کے چھٹنے کو بڑی خوبصورت تشبیہ سے بیان کیا اور کہا کہ وہ حسینہ جو اپنے حُسن کی نمائش چاہتی ہے، اس نے اپنا سیاہ نقاب اتار دیا ہے اور اپنے حُسن کو دنیا کے سامنے ظاہر کر کے اپنے حُسن کی داد چاہ رہی ہے۔ اور دن کو شاعر نے اس جادوگر سے تشبیہ دی ہے جو پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرنے میں مہارت رکھتا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اس دن کے جادوگر نے اپنے جادو سے رات کے اندھیرے کو ختم کر کے کائنات کے حسین نظاروں کو ظاہر کر دیا ہے، جس کی بدولت دُنیا کے حُسن و جمال میں ایک نئی فرحت اور تازگی آ گئی ہے اور ہر طرف روشنی پھیل گئی ہے۔ اور یہ روشنی ہر جاندار کے اندر سما گئی ہے۔ صبح کے وقت مشرق سے روشنی اتنی تیزی سے پھیلی ہے کہ اس نے پوری دنیا کو اپنے نور کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ گویا صبح کا خوبصورت وقت سارے جہاں کے حسن و جمال کو ظاہر کر رہا ہے۔ اور ہماری نگاہوں کو ان خوبصورت نظاروں کی وجہ سے ایک فرحت بخش تازگی مل رہی ہے، جس سے جان میں جان آ جاتی ہے۔

بندنمبر۳: عبادتوں کے دَر کھلے سعادتوں کے دَر کھلے
درِ قبول وا ہوئے دعا کا وقت آ گیا
اذان کی صدا اٹھی جگا دیا نماز کو
چلی ہے اٹھ کے بندگی لیے ہوئے نیاز کو
صنم کدہ بھی کھل گیا اٹھا ہے شور سنکھ کا
چلو نمازیو! چلو اٹھو پجاریو! اٹھو
عبادتوں کے در کھلے سعادتوں کے در کھلے

تشریح:

اس بند میں شاعر حفیظؔ جالندھری صبح کے وقت کو دعاؤں کی قبولیت کا وقت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صبح کے وقت تمام چرند پرند کی طرح انسان بھی اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں کیونکہ صبح کے آغاز کے ساتھ ہی رحمتوں کے نزول کا بھی آغاز ہو جاتا ہے اور خدا کی نعمتیں اور سعادتیں برسنے لگتی ہیں۔ یہ وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور اس میں جو بھی دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں نیک بندے اپنے گرم بستروں کو چھوڑ کر مالک کی خوشنودی کے لیے نیند کو قربان کر کے اٹھ جاتے ہیں۔ مساجد سے صبح کی اذان کی آواز بلند ہوتی ہے اور مؤذن لوگوں کو نماز اور کامیابی کی طرف بلاتا ہے تو نیک لوگ اللہ کے اہم حکم نماز کو بجا لانے کے لیے مسجدوں کی طرف چل پڑتے ہیں اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور سر سجدے میں رکھ کر اپنی نیازمندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ صبح کے وقت صرف مساجد ہی نہیں، ہر مذہب کے ماننے والوں کی عبادت گاہ کھل جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کے بت خانے اور مندر بھی صبح کے وقت کھل جاتے ہیں اور مندر کی گھنٹیاں اور ناقوس بجا کر ہندومت کے ماننے والوں کو دعوتِ عبادت دی جاتی ہے۔ اس طرح صبح کے مبارک وقت میں مسلمان اپنی مساجد کی طرف اور ہندو اپنے مندروں کی طرف چل پڑتے ہیں اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق خدا کو یاد کرتے ہیں۔ کیونکہ صبح کے وقت ہر طرف یہی آواز لگتی ہے کہ اے نمازیو اور اے پجاریو! اٹھو اور اپنی اپنی عبادت کا آغاز کرو کیونکہ خدا کی طرف سے سعادتوں کے دروازے کھل چکے ہیں اور نعمتیں تقسیم ہونے لگی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

بندنمبر۴: کسان اٹھ کھڑے ہوئے مویشیوں کو لے چلے
کہیں مزے میں آ گئے تو کوئی تان اڑا گئے
یہ سرد شبنمی ہوا یہ صحت آفریں سماں
یہ فرش سبز گھاس کا یہ دل فریب آسماں
بسے ہوئے پریت میں ہیں محو ان کے گیت میں
کہاں ہیں شہر کے مکیں وہ بے نصیب اٹھے نہیں
کسان اٹھ کھڑے ہوئے مویشیوں کو لے چلے

تشریح:

اس بند میں حفیظؔ جالندھری کہتے ہیں کہ صبح کے اس سہانے وقت سے دیہاتی لوگ صحیح طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دیہات کے کسان صبح سویرے جاگ اٹھتے ہیں اور نماز و عبادات سے فارغ ہو کر اپنے مویشیوں کو کھول کر کھیتوں کی طرف نکل پڑتے ہیں تاکہ صبح کے اس سہانے وقت میں اپنے کھیتوں میں ہل چلائیں اور گوڈی کر کے انکی زرخیزی کو بڑھائیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ صبح کا حسین منظر اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ان کسانوں کی طبیعت پر خوشگوار اثر ڈالتی ہے اور وہ مستی میں آ کر کوئی دلفریب گیت گنگنانے لگتے ہیں اور فطرت کی اس دلکشی کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں کیونکہ صبح کا منظر بڑا دلفریب ہوتا ہے۔ نمی سے بھرپور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوتی ہے، زمین پر ہری ہری گھاس اور نیلا شفاف آسمان دل پر ایک سحر سا طاری کر دیتا ہے۔ گیت گانے والے فطرت کی اس خوبصورتی کو دیکھ کر جھوم رہے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھی یہ گیت سن کر لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو شہروں میں زندگی گزارتے ہیں وہ صبح کے اس حسین منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ رات دیر تک کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے صبح سویرے جاگ نہیں سکتے اور ایسے سہانے وقت کو کھو دیتے ہیں۔ جبکہ کسان مویشیوں کو ساتھ لے کر صبح سویرے نکل پڑتے ہیں اور صبح کے حسین مناظر سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہوتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

بندنمبر۵۔ اٹھی حسینۂ سحر　پہن کے سر پہ تاجِ زر
لباسِ نور زیب بر　چڑھی فرازِ کوہ پر
وہ خندۂ نگاہ سے　پہاڑ طور بن گئے
وہ عکسِ جلوہ گاہ سے　سحاب نور بن گئے
نوائے جوئبار اٹھی　صدائے آبشار اٹھی
ہواؤں کے رباب اٹھے　خوش آمدید کے لیے
اٹھی حسینۂ سحر　پہن کے سر پہ تاجِ زر

تشریح:

اس آخری بند میں شاعر خوبصورت تشبیہات اور تلمیحات کا استعمال کرتے ہوئے صبح کے سہانے وقت کو اُس حسینۂ عالم سے تشبیہ دے رہے ہیں جس نے اپنے سر پر نور کا سنہری تاج پہن رکھا ہے۔ شاعر نے صبح کو حسینۂ عالم اور سورج کو اس کا تاج قرار دیا ہے۔ شاعر مزید کہتے ہیں کہ اس کا لباس انتہائی روشن اور خوبصورت ہے اور وہ پہاڑوں کی بلندی کی طرف رواں دواں ہے اور اس حسینہ کی مسکراتی آنکھوں کے جادو سے اردگرد کے تمام پہاڑ طُور کی طرح روشن ہو گئے ہیں جس طرح اللہ کی تجلی نے کوہِ طُور کو روشن کر دیا تھا بالکل اسی طرح صبح کے خوبصورت جلوے سے تمام پہاڑ روشن اور سنہری ہو گئے ہیں اور صبح کی اس حسینہ کا جلوہ اور عکس جب آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں پر پڑا تو کالے بادل بھی نورانی اور روشن ہو گئے ہیں۔ اور زمین پر بہنے والی ندیوں اور آبشاروں کا گرتا پانی اس حسینہ کے حُسن میں ڈوب کر پیار و محبت کے راگ الاپنے لگا۔ اور ہواؤں نے بھی جھوم جھوم کر موسیقی کے آلات بجانے شروع کر دیئے اور یہ سب کچھ حسینۂ سحر کی آمد کی خوشی میں کیا جا رہا ہے۔ گویا حسینۂ سحر کو خوش آمدید کہا جا رہا ہے اور خوشی کے ترانے بجا بجا کر اس کا استقبال کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ صبح کے حسن کی یہ دیوی روزانہ اپنے سر پر سورج کا سنہری تاج پہن کر اسی طرح نمودار ہوتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نظم: **پرانا کوٹ** شاعر: **سید محمد جعفری**

ماخوذ: **شوخیٔ تحریر**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**پیدائش:** سید محمد جعفری 1905ء کو پیدا ہوئے۔

**تعلیم:** ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ایس سی آنرز کی سند حاصل کی۔ پھر فارسی اور انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا۔ ممتاز مزاح نگار پطرس بخاری آپ کے استاد تھے۔

**عملی زندگی:** آپ کچھ عرصہ محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہے۔ پھر وزارتِ اطلاعات ونشریات سے منسلک ہوئے اور اسی محکمے سے ریٹائر ہوئے۔

**مزاح نگاری:** آپ کا شمار ایسے طنز یہ ومزاحیہ شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے ظرافت اور طنز کو سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ ان کا طنز کاری ضرور ہے مگر اس قدر شگفتہ ہے کہ قاری کو نہ صرف لطف اندوز کرتا ہے بلکہ غور وفکر اور اصلاح کی بھی دعوت دیتا ہے۔

**وفات:** سید محمد جعفری 1976ء کو تقریباً 71 برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

**مجموعہ کلام:** شوخیٔ تحریر

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | نظم ''پرانا کوٹ'' کے شاعر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ | الف: ضمیر جعفری | **ب: سید محمد جعفری** |
| ۲۔ | سید محمد جعفری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے شاگرد تھے۔ | **الف: پطرس بخاری** | ب: ضمیر جعفری |
| ۳۔ | آپ کا مجموعہ کلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے نام سے شائع ہوا۔ | **الف: شوخیٔ تحریر** | ب: دشتِ وفا |
| ۴۔ | کسی مرے ہوئے گورے کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے یہ | الف: نشانی | **ب: یادگار** |
| ۵۔ | پہن چکے ہیں اسے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ایرانی | **الف: تُرک** | ب: جاپانی |
| ۶۔ | میاں بزرگوں کا سایہ بڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے | **الف: غنیمت** | ب: انعام |
| ۷۔ | نئی طرح کی یہ صنعت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے | الف: کاریگری | **ب: دستکاری** |
| ۸۔ | گزشتہ صدیوں کی تاریخ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے کوٹ | الف: صفحہ | **ب: ورق** |
| ۹۔ | ہم آواز الفاظ کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتے ہیں۔ | **الف: قافیہ** | ب: مترادف |
| ۱۰۔ | وہ کوٹ کوٹوں کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے اس کی جے بولو | الف: نمائندہ | **ب: لیڈر** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س1: شاعر نے پرانے کوٹ کی خامیوں کو کیسے خوبیاں بنا کر پیش کیا ہے؟**

**جواب:** شاعر نے کمال مہارت کے ساتھ طنز ومزاح کے پردے میں کوٹ کی خامیوں کو خوبیاں بنا کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

۱۔ شاعر نے کوٹ پر کیڑے کے سوراخوں کو نئی طرح کی دستکاری کہا۔

۲۔ کوٹ پر موجود سرخ اور کالے داغوں کو استاد سے جا ملایا۔ ۳۔ چکنائی کے دھبوں کو حلوائی کی نشانی کہا۔

۴۔ کوٹ کو پرانے پن کی وجہ سے واسکوڈے گاما کی ملکیت قرار دیا اور اس پرانے کوٹ کو کوٹوں کا باوا آدم کہہ کر اس کی تاریخی اہمیت کو ظاہر کیا ہے۔

**س2: تشبیہ اور استعارے سے کیا مراد ہے؟ اس نظم میں شاعر نے پرانے کوٹ کے لئے کون کون سی تشبیہات اور استعارات استعمال کئے ہیں؟**

**جواب:** نظم ''پرانا کوٹ'' میں شاعر سید محمد جعفری نے پرانے کوٹ کے لئے درج ذیل تشبیہات و استعارات استعمال کئے ہیں۔

**تشبیہات کا استعمال:**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ا۔ | جگہ جگہ وہ پھرا مثلِ مارکو پولو | ۲۔ | دہانِ زخم کی مانند ہنس رہے ہیں کاج |

**استعارات کا استعمال:**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ا۔ | بڑا بزرگ ہے یہ آزمودہ کار ہے یہ | ۲۔ | یہ کوٹ کوٹوں کی دنیا کا باوا آدم ہے |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3: شعر کی وضاحت کریں۔**

جو قدر دان ہیں وہ جانتے ہیں قیمت کو　　　کہ آفتاب چرالے گیا ہے رنگت کو

**جواب:** اشعار کی تشریح ملاحظہ کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س4: قافیہ، ہم آواز الفاظ کو کہتے ہیں، جیسے کوٹ اور نوٹ، سامانی اور ایرانی، اس نظم میں اور کون کون سے قافیے استعمال ہوئے ہیں۔**

**جواب:** اس نظم میں درج ذیل قافیے استعمال ہوئے ہیں۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ا۔ | دکان، نکتہ داں | ۲۔ | آزمودہ کار، یادگار | ۳۔ | قیمت، غنیمت |
| ۴۔ | سامانی، ایرانی | ۵۔ | ضرب کاری، دستکاری | ۶۔ | چکنائی، حلوائی |
| ۷۔ | کوٹ، نوٹ | ۸۔ | کاج، خراج | ۹۔ | جامہ، گاما |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س5: جب کوئی شاعر اپنی نظم یا غزل میں ایک مصرع کسی دوسرے شاعر کا استعمال کرتا ہے تو اسے صنعتِ تضمین کہتے ہیں مثلاً**

بنا ہے کوٹ یہ نیلام کی دکان کے لئے　　　''صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے''

ایسے تین اشعار تحریر کریں جن میں صنعتِ تضمین کا استعمال ہو۔

**جواب:** صنعتِ تضمین کے تین اشعار درج ذیل ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ا۔ | یہ کام آئیں نہ آئیں ہم انہی سے کام لیتے ہیں | ''گلوں سے خار بہتر ہیں، جو دامن تھام لیتے ہیں'' |
| ۲۔ | ہر شخص مجھ کو آنکھ دکھاتا ہے کس لئے | ''یا رب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے'' |
| ۳۔ | ہم نے جس مس پہ نظر ڈالی اس کو مسز کر دیا | ''نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں'' |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س6: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیں۔**

**جواب:** نظم ''پرانا کوٹ'' کا مرکزی خیال درج ذیل ہے:

**مرکزی خیال:**

سید محمد جعفری مزاحیہ انداز میں پرانا کوٹ خریدنے کے بعد اس کی تعریف اس طرح سے کر رہے ہیں کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ پرانا کوٹ ہے۔ اور یہ حقیقت اجاگر کر رہے ہیں کہ ہم لوگ مادی چیزوں کو پانے کے لئے پیسہ خرچ کرتے ہیں اور پھر ان کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کچھ تو یہیں رہ جائے گا اور ہم دنیا سے چلے جائیں گے۔ جس طرح اس پرانے کوٹ کو بہت سے لوگوں نے استعمال کیا مگر اب وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اسی طرح ہم بھی ایک دن اس دنیا کو چھوڑ جائیں گے، اس لئے ہمیں اس پرانے کوٹ سے عبرت پکڑ کر دنیا سے دل لگانے کے بجائے آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

**1۔ خریدا جاڑوں میں نیلام سے پرانا کوٹ ۔۔۔ جو پھٹ کے چل نہ سکے، یہ نہیں ہے ایسا نوٹ**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ ۔۔۔ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** جاڑوں: سردی

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: جاڑوں، کوٹ ۔۔۔ مرکب توصیفی: پرانا کوٹ ۔۔۔ اسم اشارہ: یہ

**تشریح:**

ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ موسم سرما میں لوگ لنڈے بازار کا رخ کرتے ہیں اور وہاں سے کپڑے، کوٹ اور سویٹر وغیرہ سستے داموں خرید کر استعمال کرتے ہیں اور یہ کپڑے وغیرہ عام طور پر یورپی ممالک کے خوشحال لوگوں کی اُترن ہوتے ہیں۔ تو کچھ اسی قسم کا معاملہ شاعر کے ساتھ بھی پیش آیا کہ موسمِ سرما میں سردی کی شدت سے بچاؤ کے لئے شاعر نے لنڈے بازار میں واقع کسی نیلام کی دکان سے ایک پھٹا پرانا کوٹ خریدا ہے۔ اب شاعر اس کوٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوٹ اپنے پرانے پن کے باوجود بڑا کارآمد اور فائدہ مند ہے۔ یعنی یہ کوٹ پھٹا پرانا ہونے کے باوجود قابلِ استعمال ہے اور اپنے پہننے والے کو سردی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ آگے شاعر کہتے ہیں کہ یہ کوٹ اُس پرانے نوٹ کی مانند نہیں ہے جو پرانا ہو کر پھٹ جائے تو دکاندار اسے قبول کرنے سے انکار کر دے بلکہ یہ کوٹ پھٹا پرانا ہونے کے باوجود اب بھی قابلِ استعمال ہے اور اس کی افادیت بھی برقرار ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**2۔ بنا ہے کوٹ یہ نیلام کی دکان کے لئے ۔۔۔ ''صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے''**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ ۔۔۔ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** صلائے عام: عام دعوت، عام اعلان ۔۔۔ نکتہ داں: باریک بات جاننے والا، سمجھدار

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: نیلام، دکان، کوٹ ۔۔۔ صنعت تضمین: اس شعر کا دوسرا مصرعہ مرزا غالبؔ کا ہے۔

مرکب توصیفی: صلائے عام، یارانِ نکتہ داں ۔۔۔ لاحقہ: نکتہ داں

**تشریح:** اپنی مزاحیہ نظم کے دوسرے شعر میں شاعر نے صنعت تضمین کا بڑی ہنرمندی سے استعمال کیا ہے اور اپنے مصرعے کے ساتھ دوسرا مصرعہ مرزا غالبؔ کا لگا کر شعر مکمل کیا ہے۔ اور ان دونوں مصرعوں کے ملاپ سے شعر کا مفہوم کچھ یوں بنتا ہے کہ اس کوٹ کی خستہ حالی اور پرانے پن کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ کوٹ خاص طور پر نیلام کی دکان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ نیلام کی دکان پر اگرچہ پرانی چیزیں فروخت کے لئے رکھی جاتی ہیں مگر کبھی کبھی ان پرانی چیزوں میں کوئی خاص اور نایاب چیز بھی نکل آتی ہے اور یہ کوٹ بھی بڑا خاص اور نایاب قسم کا تھا۔ چنانچہ میں اسے وہاں سے خرید لایا ہوں اور اسے استعمال کرنے کے بعد میں اس کی کارکردگی اور معیار سے مطمئن ہوں۔ لہٰذا اب میری طرف سے تمام سمجھدار دوستوں کو یہ اعلان اور اطلاع ہے کہ وہ آکر پہلے اس کوٹ کا اچھی طرح جائزہ لیں اور خوب پرکھنے کے بعد اس جیسا کوٹ خرید لیں اور سردیوں میں اسے استعمال کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**3۔ بڑا بزرگ ہے یہ، آزمودہ کار ہے یہ ۔۔۔ کسی مرے ہوئے گورے کی یادگار ہے یہ**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ ۔۔۔ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** آزمودہ: آزمایا ہوا ۔۔۔ کار: کام ۔۔۔ گورا: انگریز

**فنی محاسن:** استعارہ: کوٹ کو بزرگ کہا ہے ۔۔۔ لاحقہ: آزمودہ کار، یادگار ۔۔۔ اسم اشارہ: یہ

**تشریح:** اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں شاعر نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوٹ کوئی معمولی اور عام سا کوٹ نہیں ہے بلکہ یہ بہت بزرگ ہے کیوں کہ اس نے طویل عمر پائی ہے لہٰذا یہ بہت تجربہ کار اور آزمایا ہوا کوٹ ہے۔ یعنی مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے اسے کئی بار سردیوں میں پہنا ہے اور اس کوٹ نے ہمیشہ اپنے پہننے والوں کو سردی سے بچایا ہے اور ان کے جسم کو حرارت پہنچائی ہے۔ اور پھر مختلف لوگوں کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا آخر کار یہ برطانیہ کے کسی انگریز کی ملکیت میں بھی رہا ہے جو مرتے دم تک اس کوٹ کو پہنتا رہا ہے۔ اب وہ انگریز تو اس دنیا سے کُوچ کر چکا ہے مگر اس کا یہ کوٹ اُس کی نشانی کے طور پر اب بھی دنیا میں موجود ہے۔

4۔ پرانی وضع کا بے حد عجیب جامہ ہے پہن چکا اسے خود "واسکوڈی گاما" ہے

حوالہ: نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

حلِ لغت: وضع: طرز، بناوٹ جامہ: لباس

فنی محاسن: صنعت تلمیح: واسکوڈی گاما (مشہور سیاح) مرکب توصیفی: عجیب جامہ سابقہ: بے حد

تشریح:

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کی خوبیاں اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر چہ یہ کوٹ اپنے ظاہری حلیے اور بناوٹ کے لحاظ سے بے حد پرانا اور عجیب وغریب لگتا ہے اور اس جدید دَور کے اعتبار سے یہ کوٹ آؤٹ آف فیشن ہو چکا ہے لیکن پھر بھی اس کی قدر و قیمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ اپنے پرانے پن کی وجہ سے اسے ایک خاص تاریخی حیثیت حاصل ہو چکی ہے اور اس کوٹ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پرانے وقتوں میں یہ کوٹ مشہور سیاح واسکوڈی گاما کے زیرِ استعمال بھی رہا ہے۔ واسکوڈی گاما پُرتگال کا ایک مشہور سیاح گزرا ہے جس نے ہندوستان تک پہنچنے کا بحری راستہ دریافت کیا تھا۔ تو شاعر مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ واسکوڈی گاما ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کر کے خود تو چلا گیا مگر اپنا یہ کوٹ یہاں ہی چھوڑ گیا جو اب خوش قسمتی سے میرے استعمال میں ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

5۔ نہ دیکھ کہنیوں پر اس کی خستہ سامانی پہن چکے ہیں اسے تُرک اور ایرانی

حوالہ: نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

حلِ لغت: خستہ سامانی: خراب حالت تُرک: ترکی کے لوگ

فنی محاسن: صنعت تلمیح: تُرک اور ایرانی کہہ کر خاص قوموں کی طرف اشارہ کیا ہے لاحقہ: خستہ سامانی

تشریح:

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کے پرانے پن کو بڑی خوبصورتی سے واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کوٹ کی خراب حالت کو دیکھ کر اسے حقیر اور معمولی مت سمجھو۔ اگر چہ یہ کوٹ کثرتِ استعمال کی وجہ سے جگہ جگہ سے اُدھڑا ہوا ہے اور کہنیوں سے پھٹا ہوا بھی ہے۔ مگر اس کی عظمت و وقعت کے لئے اتنا کافی ہے کہ اسے کسی زمانے میں تُرکی اور ایران کے باشندوں نے بھی استعمال کیا ہوا ہے۔ پہلے اس کوٹ کو تُرکوں نے پہنا اور خوب استعمال کر لینے کے بعد ایران بھیج دیا۔ پھر ایران میں بھی اسے خوب پہنا گیا اور جب وہ ایرانیوں کے کسی کام کا نہ رہا تو انہوں نے اسے ہمارے ملک بھیج دیا۔ گویا اس کوٹ نے تُرکوں اور ایرانیوں کی تہذیب کا بھی بخوبی مشاہدہ کیا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی قدر پہچانو اور اسے حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

6۔ جگہ جگہ وہ پھرا مثلِ "مارکو پولو" وہ کوٹ کوٹوں کا لیڈر ہے اُس کی جے بولو

حوالہ: نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

حلِ لغت: مثل: طرح، جیسے جے بولو: زندہ باد کہو

فنی محاسن: صنعت مراعاۃ النظیر: لیڈر، جے صنعت تشبیہ: کوٹ کو مارکو پولو کی مانند قرار دیا ہے صنعت تکرار: جگہ جگہ

صنعت تلمیح: مارکو پولو (مشہور سیاح) اسم اشارہ: وہ

تشریح:

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا خریدا ہوا یہ کوٹ کوئی عام کوٹ نہیں ہے۔ اس کوٹ نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا ہے اور دنیا کے مختلف ممالک کے عوام کے زیرِ استعمال رہا ہے۔ جس طرح مارکو پولو نگری نگری گھومتا رہا ہے اسی طرح یہ کوٹ بھی جگہ جگہ کی سیر کرتا رہا ہے۔ مارکو پولو اٹلی کا رہنے والا ایک مشہور سیاح گزرا ہے جس نے اپنے باپ اور چچا کے ہمراہ چین کا سفر کیا تھا۔ تو شاعر کہتے ہیں کہ چونکہ اس کوٹ نے مارکو پولو کی طرح دنیا کا کونہ کونہ دیکھ رکھا ہے اور کئی ممالک کی خاک چھانی ہوئی ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ کوٹ باقی کوٹوں کا لیڈر اور رہنما ہے۔ اور جس طرح سیاسی لیڈروں کے حق میں نعرے لگائے جاتے ہیں اسی طرح اس کوٹ کے حق میں بھی زندہ باد کے نعرے لگاؤ اور اسے داد دو کہ اس نے اتنی لمبی عمر پائی ہے۔

7۔ بڑا بزرگ ہے گو وہ قلیل قیمت ہے میاں! بزرگوں کا سایہ بڑا غنیمت ہے

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** گو: اگرچہ قلیل: تھوڑا، کم غنیمت: بہتر، مناسب، شکر کا مقام

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: بڑا، قلیل اسم اشارہ: وہ مرکب توصیفی: قلیل قیمت استعارہ: کوٹ کو بزرگ کہا ہے

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کوٹ کی قیمت بہت تھوڑی ہے اور اسے میں نے انتہائی سستے داموں خرید کر لایا ہے۔ لیکن اس کی قیمت کم ہونے کی وجہ سے اسے حقیر اور معمولی مت سمجھو کہ یہ نہایت گھٹیا اور عام سا کوٹ ہے۔ کیونکہ یہ کوٹ بہت زیادہ پرانا ہو جانے کی وجہ سے اب بزرگوں کی صف میں شامل ہو چکا ہے اور اس کا مقام و مرتبہ بہت بڑھ چکا ہے۔ اور یہ بات آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس زمانے میں چھوٹوں کے سر پر بزرگوں کا سایہ سلامت رہنا باعثِ رحمت اور باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے اور یہ کوٹ بھی چونکہ اپنی بڑی عمر کی وجہ سے باقی کوٹوں کے مقابلے میں بزرگ کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کوٹ کا وجود بھی اپنے خریدار کے لئے خیر و برکت کا باعث ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت کو پہچانو اور اس کی قدر کرو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

8۔ ہیں اس پہ دھبے جو سرخی کے اور سیاہی کے نشان ہیں کسی ٹیچر کی بادشاہی کے

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** دھبے: داغ ٹیچر: استاد

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: دھبے، سرخی، سیاہی مترادف الفاظ: دھبے، نشان

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کو مدرسے کے کسی استاد کی ملکیت ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں نے اس کوٹ کو خریدا تو اس پر جگہ جگہ سرخ اور سیاہ روشنائی کے داغ پڑے ہوئے تھے اور کوٹ پر روشنائی کے ان داغوں کی موجودگی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کسی زمانے میں اس کوٹ کو کوئی استاد بھی بڑی بے دردی سے استعمال کر چکا ہے۔ کیونکہ استادوں کے پاس اپنی پیشہ ورانہ ضرورت کے تحت مختلف روشنائیوں سے بھرے ہوئے قلم ہوتے ہیں اور کام کے دوران کبھی کبھی یہ روشنائی کپڑوں وغیرہ پر بھی گر جاتی ہے۔ لیکن یہ کوٹ جس استاد کے زیرِ استعمال رہا ہے وہ شاید کچھ بے پرواہ طبیعت کا مالک تھا کہ اس استاد نے روشنائی کے ان داغوں کو نہ تو خود دھونے کی زحمت گوارا کی اور نہ ہی کسی دھوبی سے ان داغوں کو دھلوایا اور آخر کار یہ کوٹ ان داغ دھبوں سمیت ہی بکتا ہوا میری ملکیت میں آ گیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

9۔ جگہ جگہ جو یہ کیڑوں کی ضربِ کاری ہے نئی طرح کی یہ صنعت ہے دستکاری ہے

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** ضربِ کاری: مؤثر چوٹ صنعت: ہنرمندی دستکاری: ہاتھ کا کام

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: جگہ جگہ صنعت مراعاۃ النظیر: صنعت، دستکاری مرکب توصیفی: ضربِ کاری

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کی خامیوں کو بڑی عمدگی سے خوبیوں میں بدلتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ صرف یہ کوٹ پرانا اور پھٹا ہوا ہے بلکہ اس کوٹ کو جگہ جگہ سے کیڑے اور دیمک بھی چاٹ چکے ہیں اور کیڑوں نے اس میں چھوٹے بڑے سوراخ کر دیئے ہیں۔ لیکن اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کیڑے بھی اس کوٹ کی قدر و قیمت اچھی طرح جانتے تھے، اس لئے انہوں نے اس کوٹ میں کچھ اس مہارت سے سوراخ کئے ہیں کہ کوٹ پر بڑے بڑے دیدہ زیب اور دلکش نقش و نگار بن گئے ہیں۔ اور ان سوراخوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے ہاتھ سے کام کرنے والے ہنرمندوں نے کمال کاریگری سے ایک نئے طرز کی دستکاری کا نمونہ تیار کر دیا ہے۔ جس سے اس کوٹ کی شان و شوکت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**10۔ جو قدر دان ہیں وہ جانتے ہیں قیمت کو کہ آفتاب چرا لے گیا ہے رنگت کو**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** قدر دان: قدر پہچاننے والا آفتاب: سورج

**فنی محاسن:** لاحقہ: قدر دان اسم اشارہ: وہ حرف بیان: کہ

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کے پرانے پن کو اجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوٹ پرانا ہونے کے باوجود بہت نایاب اور تاریخی حیثیت کا حامل ہے لیکن اس کی وقعت اور عظمت کو ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو پرانی چیزوں کی اہمیت کو سمجھتے ہوں اور ان کی قدر کرتے ہوں اور یہ کوٹ بھی اُنہی نایاب چیزوں میں سے ایک ہے۔ اگر چہ اس کی رنگت اور چمک دھوپ کی شدت اور موسم کی سختی کے باعث اُڑ چکی ہے مگر اس اُڑی ہوئی رنگت اور پھیکے پن نے اس کی وقعت اور ساکھ میں کمی کرنے کے بجائے مزید اضافہ کر دیا ہے کیونکہ اب اس کوٹ کا شمار آثارِ قدیمہ کی تاریخی چیزوں میں ہونے لگا ہے۔ جس کے باعث نایاب چیزیں جمع کرنے والوں کے ہاں اس کی مانگ اور بھی بڑھ گئی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**11۔ یہ کوٹ کوٹوں کی دنیا کا باوا آدم ہے اگر چہ ہے وہ نگہ، جو نگاہ سے کم ہے**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** نگہ: نظر باوا آدم: حضرت آدمؑ

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: نگاہ، نگہ صنعت تلمیح: باوا آدم استعارہ: کوٹ کو باوا آدم کہا ہے۔ اسم اشارہ: یہ، وہ

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کی عزت و وقعت مزید بڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر چہ آج کے زمانے کے لوگ اس کوٹ کو لنڈے کا سمجھ کر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن ہر آدمی اس کوٹ کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ اس کوٹ کے معیار کو سمجھنے اور پرکھنے کے لئے خاص نظر چاہیے جو ہر کسی کے پاس نہیں ہے۔ اگر اس کوٹ کی اہمیت کو سمجھنا ہے تو اس زاویے سے سمجھو کہ جس طرح اس دنیا میں حضرت آدمؑ سب انسانوں کے باپ ہیں اسی طرح کوٹوں کی دنیا میں یہ کوٹ باقی سب کوٹوں کا باوا آدم ہے یعنی یہ کوٹ دنیا میں سلنے والا پہلا کوٹ ہے۔ لہٰذا اس کا اسی طرح احترام کرنا چاہیے جس طرح حضرت آدمؑ کا احترام کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس اب یہ کوٹ اتنا پرانا ہو چکا ہے کہ پہلی نظر میں کسی کو متاثر ہی نہیں کر پاتا۔ مگر یاد رکھو کہ اگر چہ یہ دیکھنے میں کمتر اور معمولی نظر آتا ہے لیکن اس کا مقام و مرتبہ نہایت بلند ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**12۔ دہانِ زخم کی مانند ہنس رہے ہیں کاج وصول کرتے ہیں چینی کی انکھڑیوں سے خراج**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** دہان: منہ کاج: کپڑے میں بٹن پھنسانے کا سوراخ خراج: محصول، ٹیکس

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح: چینی کی انکھڑی صنعت تشبیہ: کوٹ کے کاجوں کو دہانِ زخم کی مانند قرار دیا ہے مرکب اضافی: دہانِ زخم

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کی حالتِ زار کو منفرد انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوٹ کثرتِ استعمال کی وجہ سے اتنا پرانا اور خراب ہو چکا ہے کہ اس کوٹ میں بٹن پھنسانے کے لئے جو کاج بنائے گئے تھے وہ کاج بھی مسلسل استعمال کی وجہ سے پھٹ کر خراب ہو چکے ہیں اور کسی زخم کے منہ کی طرح کھلے ہوئے ہیں۔ یعنی جب زخم خراب ہو کر بگڑ جائے تو ٹھیک نہیں ہوتا اسی طرح اس کوٹ کے کاج اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ اب ان کا ٹھیک ہونا محال نظر آتا ہے۔ پھر شاعر نے کوٹ کے کاجوں کو چین کے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے جا ملایا ہے کہ جس طرح چین کے باشندوں کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور گول گول ہوتی ہیں، اسی طرح اس کوٹ کے کاج بھی ہیں۔ یہ پھٹے ہوئے کاج چینی لوگوں کی گول گول آنکھوں کی طرح لگ رہے ہیں۔ اور یہ کاج چین کے لوگوں سے داد کے طلب گار ہیں کہ ہم نے دنیا والوں کو تمہاری آنکھیں یاد دلا دی ہیں اس لئے ہمیں خراجِ تحسین پیش کرو اور دل کھول کر داد دو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**13۔** **جگہ جگہ جو یہ دھبے ہیں اور چکنائی — پہن چکا ہے کبھی اس کو کوئی حلوائی**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** دھبہ: داغ چکنائی: تیل، گھی حلوائی: مٹھائی بنانے والا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: حلوائی، دھبہ، چکنائی صنعت تکرار: جگہ جگہ

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے اس شعر میں نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کے بارے میں مزید بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کوٹ پر چکنائی یعنی تیل اور گھی کے بھی بے شمار نشانات اور داغ موجود ہیں۔ چکنائی کے یہ داغ دھبے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ کوٹ کسی زمانے میں حلوائی یعنی مٹھائی بنانے والے کے زیرِ استعمال بھی رہا ہے جس نے اس کوٹ کو بے دریغ استعمال کیا ہے اور کام کے دوران بھی پہنتا رہا ہے۔ اور حلوائی کی دکان پر چونکہ گھی، تیل اور چکنائی کی کثرت ہوتی ہے، اسی لئے اس کوٹ پر چکنائی کے اَن مِٹ داغ دھبے موجود ہیں۔ اور ان داغوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حلوائی اپنے چکنائی والے ہاتھوں کو کسی کپڑے سے پونچھنے کے بجائے اسی کوٹ سے صاف کرتا رہا ہے جس کی وجہ سے اس تاریخی کوٹ کا حال مزید خراب ہو چکا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**14۔** **گزشتہ صدیوں کی تاریخ کا ورق ہے کوٹ — خریدو اس کو کہ عبرت کا سبق ہے کوٹ**

**حوالہ:** نظم: پرانا کوٹ شاعر: سید محمد جعفری

**حلِ لغت:** گزشتہ: گزری ہوئی صدی: سو سال کا عرصہ ورق: صفحہ عبرت: نصیحت

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: تاریخ، صدی، ورق، عبرت، سبق حرف بیان: کہ

**تشریح:**

شاعر اپنی مزاحیہ نظم کے آخری شعر میں نیلام کی دکان سے خریدے ہوئے پرانے کوٹ کے بارے میں اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوٹ اپنی ظاہری حالت سے کئی سو سال پرانا معلوم ہوتا ہے اور صدیوں پرانی چیز تاریخ کا ایک حصہ ہوتی ہے اس لئے یہ کوٹ بھی ایک نایاب اور تاریخی کوٹ ہے۔ اس میں پرانے زمانے کی کئی قوموں کی تاریخ چھپی ہوئی ہے۔ یہ محض ایک عام سا کوٹ نہیں ہے بلکہ تاریخ کی اُس کتاب کی مانند ہے جس میں پرانی قوموں کے عروج و زوال کی داستان رقم ہوتی ہے۔ اور یہ کوٹ اپنی تاریخی حیثیت کے علاوہ نشانِ عبرت کا درجہ بھی رکھتا ہے اور ہمیں ایک سبق بھی دے رہا ہے کہ کتنے ہی لوگوں نے اسے خریدا اور استعمال کیا۔ مگر آج وہ سب مر چکے ہیں، قدرت نے ان کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا ہے۔ لہٰذا اس کوٹ میں عبرت کا یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ ایک دن ہم نے بھی اس دنیا کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ جانا ہے اس لئے آخرت کی تیاری بھی کرنی چاہیے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نہم، دہم اور سیکنڈ ایئر کے بھی "جواہر اردو" نوٹس دستیاب ہیں۔ رابطہ: 0314-4470007

نظم: **یہ سڑکیں**　شاعر: **سید ضمیر جعفری**

ہیئت: **مخمس**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**پیدائش:** سید ضمیر حسین جعفری یکم جنوری 1916ء کو جہلم کے ایک گاؤں چک عبدالخالق میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم:** ابتدائی تعلیم گاؤں سے حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج اٹک سے ایف اے کیا اور پھر بی اے کی ڈگری اسلامیہ کالج لاہور سے حاصل کی

**عملی زندگی:** تعلیم مکمل کرنے کے بعد صحافت کا پیشہ اختیار کیا اور مولانا چراغ حسن حسرتؔ کے اخبار ''شیرازہ'' میں بطورِ معاون مدیر کام کرتے رہے۔ پھر فوج میں ملازم ہوئے اور میجر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

**فنِ شاعری:** آپ نے مزاحیہ شاعری کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ آپ نے معاشرتی برائیوں کو مزاحیہ انداز میں بیان کر کے ان کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

**وفات:** سید ضمیر جعفری 12 مئی 1999ء کو تقریباً 83 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

**تصانیف:** قریۂ جان، مافی الضمیر، مسدس بدحالی، کتابی چہرے، من میلہ وغیرہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | نظم ''یہ سڑکیں'' کے شاعر ---------- ہیں۔ | **الف: سید ضمیر جعفری** | ب: ابنِ انشاء |
| ۲۔ | ضمیر جعفری کی وجہِ شہرت ---------- شاعری ہے۔ | الف: سنجیدہ | **ب: مزاحیہ** |
| ۳۔ | بظاہر صید، لیکن اصل میں ---------- یہ سڑکیں | الف: خراب | **ب: صیاد** |
| ۴۔ | گلوں سے ---------- بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں | **الف: خار** | ب: کلیاں |
| ۵۔ | یہ نظم ---------- ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ | الف: رباعی | **ب: مخمس** |
| ۶۔ | ہم ان سے مطمئن ہیں اور ہم سے ---------- یہ سڑکیں | **الف: شاد** | ب: خوش |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: نظم میں شہر کی سڑکوں کا نقشہ کس طرح کھینچا گیا ہے؟**

**جواب:** نظم ''یہ سڑکیں'' میں ضمیر جعفری نے شہر کی سڑکوں کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے۔

**سڑکوں کا نقشہ:**

اس نظم میں سید ضمیر جعفری نے بڑے خوبصورت انداز سے شہر کی سڑکوں کا احوال بیان کیا ہے کہ شہر کی سڑکیں بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہیں۔ سڑکوں پر پڑے ہوئے گڑھے فنِ مصوری کا شاہکار محسوس ہوتے ہیں۔ بارش ہوتی ہے تو ان میں پانی کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ سڑکیں تالاب کا منظر پیش کرنے لگتی ہیں۔ اور یہ سڑکیں اتنی خراب ہو چکی ہیں کہ انہیں دیکھ کر پرانے وقتوں کا شہر بغداد یاد آنے لگتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 2: اس نظم کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہیں، ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں؟**

**جواب:** مخمس عربی زبان کا لفظ ہے جو لفظِ خُمس سے نکلا ہے اور خُمس عربی میں پانچ کو کہتے ہیں۔ جس نظم کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں وہ ''مخمس'' کہلاتی ہے

**س3: اس نظم میں شاعر نے جو تلمیحات بیان کی ہیں،ان کی وضاحت کریں۔**

**جواب:** شاعر نے درج ذیل تلمیحات بیان کی ہیں۔

۱۔ **بغداد کی اولاد یہ سڑکیں:**

شاعر نے شہر کی سڑکوں کی بدحالی کو بغداد شہر کی بربادی سے جا ملایا ہے۔یہ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے اسے نیست و نابود کر دیا تھا۔

۲۔ **رستم و سہراب ہو جانا:**

یہ دونوں ایرانی پہلوان باپ بیٹا تھے اور آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے۔شاعر نے ان دونوں کا ذکر کر کے نالیوں کے پانی اور بارش کے بعد ٹوٹی سڑکوں کے پانی کا آپس میں ٹکراؤ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ **مانی و چغتائی و بہزاد:**

مانی اور بہزاد ایرانی مصور ہیں اور عبدالرحمٰن چغتائی پاکستانی مصور ہیں۔شاعر نے ان تینوں کا تذکرہ کر کے کہا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ان تینوں مصوّروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی ایسے راستے کو پینٹ کیا ہے جہاں گڑھوں،ٹیلوں اور کھائیوں کی بھرمار ہے۔



**س4: درج ذیل کے چار چار ہم قافیہ لکھیں۔**

**ایجاد:** صیاد　برباد　آزاد　افتاد

**گرداب:** شاداب　سیلاب　بےتاب　نایاب

**نگر:** ڈگر　مگر　اگر　شرر

**قلم:** علم　نرم　کرم　قسم

**خار:** مار　پار　کار　تار



**س5۔ ''گلوں سے خار بہتر ہیں، جو دامن تھام لیتے ہیں''۔شاعر نے یہ مصرعہ واوین میں کیوں لکھا ہے؟ وضاحت کریں۔**

**جواب:** اردو شاعری کی روایت ہے کہ جب شاعر کسی دوسرے شاعر کے مصرعے کو اپنی شاعری میں لاتا ہے تو اسے واوین میں لکھتا ہے تا کہ قاری کو علم ہو سکے کہ یہ مصرعہ کسی اور شاعر کا ہے۔ایسا کرنے کو ''تضمین'' کہتے ہیں۔اور یہ مصرعہ چونکہ داغؔ دہلوی کے ایک شعر سے لیا گیا ہے اس لئے شاعر نے اسے واوین میں لکھا ہے۔



## ''اشعار کی تشریح''

**بند1۔ زمین پر آدمی کی اولین ایجاد یہ سڑکیں　　پرانے وقت کے بغداد کی اولاد یہ سڑکیں**
**مرمت کی حدوں سے زائد المیعاد یہ سڑکیں　　ہمارے شہر کی مادر پدر آزاد یہ سڑکیں**
**بظاہر صید لیکن اصل میں صیاد یہ سڑکیں**

**حوالہ:** نظم: یہ سڑکیں　شاعر: سید ضمیر جعفری

**حلِ لغت:** اوّلین: پہلی　زائد المیعاد: جس کی مُدت گزر چکی ہو　صید: شکار　صیاد: شکاری　مادر: ماں　پدر: باپ

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح: بغداد کی اولاد　صنعت مراعاۃ النظیر: صید، صیاد　مرکب عددی: اولین ایجاد

**تشریح:**

اس پہلے بند میں ضمیر جعفری نے بڑے مزاحیہ انداز میں شہر کی سڑکوں کا نقشہ کھینچا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہمارے شہر کی سڑکیں اتنی پرانی اور خراب ہو چکی ہیں کہ ان کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ زمین پر آ کر انسان نے سب سے پہلے جو سڑکیں بنائی تھیں وہ یہی سڑکیں ہیں۔ٹوٹی پھوٹی اور گڑھوں والی سڑکوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان نے پرانے زمانے میں سب سے پہلے جو پختہ سڑک تعمیر کی تھی، وہ یہی تھی جو اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہے۔ان سڑکوں کو دیکھ کر بغداد کے اُس

زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ ان سڑکوں کی حالت دیکھ کر لگتا ہے کہ اب تو یہ سڑکیں مزید مرمت کے قابل بھی نہیں رہیں۔ کیونکہ کسی چیز کو استعمال کرنے کی جو مدت مقرر ہوتی ہے، اس مدت کو گزرے بھی کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ یہ سڑکیں اب ایسی نا قابل مرمت حالت کو پہنچ چکی ہیں کہ نئی سڑک بنانا تو آسان ہے لیکن ان پرانی سڑکوں کی مرمت کر کے انہیں قابلِ استعمال بنانا مشکل کام ہے۔ ان سڑکوں کے کھڈوں اور گڑھوں پر جو ٹریفک کا ہجوم رواں دواں ہے، وہ ہر قسم کے قانون اور ضابطے سے بے نیاز ہے۔ کیونکہ ان سڑکوں کی حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ اب ان پر ٹریفک اصولوں کی پابندی کرنا ناممکن سی بات لگتی ہے۔ یہ سڑکیں حقیقت میں ایک ایسے شکاری کی مانند ہیں جو ہر قدم پر گڑھوں کا جال بچھائے بیٹھی ہیں، جن سے شکار (مسافر) کا بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے، وہ ان گڑھوں کے جال میں پھنس کر بے حال ہو جاتا ہے۔ یہ سڑکیں بظاہر تو قیدی لگتی ہیں لیکن اصل میں یہ مسافر کو قید کرنے والی شکاری ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

بند2۔ دمِ بارانِ رحمت گرد کا گرداب ہو جانا گڑھوں کا پھیل کر تالاب در تالاب ہو جانا

بپھر کر نالیوں کا رستم و سہراب ہو جانا محلے کے گلی کوچوں کا زہرہ آب ہو جانا

مہینوں تک برنگِ ہر چہ بادا باد یہ سڑکیں

**حوالہ:** نظم: یہ سڑکیں شاعر: سید ضمیر جعفری

**حلِ لغت:** دمِ بارانِ رحمت: رحمت کی بارش کی وجہ سے گرداب: بھنور، پانی کا گول چکر

بپھر کر: غصے میں آ کر زہرہ آب: پانی پانی ہونا ہر چہ بادا باد: جو ہو، سو ہو

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح: رستم و سہراب صنعت مراعاۃ النظیر: تالاب، آب، باران

مرکب اضافی: دمِ بارانِ رحمت مرکب عطفی: رستم و سہراب استعمالِ فارسی ترکیب: ہر چہ بادا باد

**تشریح:**

شاعر اس بند میں بھی شہر کی سڑکوں کی حالتِ زار کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سڑکیں اتنی خراب اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہیں کہ جگہ جگہ گڑھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان گڑھوں میں دُھول مٹی جمع رہتی ہے اور اوپر سے اگر بارش ہو جائے تو یہ بارش رحمت کے بجائے زحمت بن جاتی ہے۔ کیونکہ گڑھوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے اور پانی، دھول اور مٹی سے مل کر گرداب یعنی گول چکر کھاتے ہوئے کیچڑ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر یہ گڑھے آہستہ آہستہ پھیل کر تالاب بن جاتے ہیں اور سڑکوں پر بنے ہوئے ان تالابوں سے مسافروں اور گاڑیوں کا گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور سڑکوں کے اردگرد پانی کی نالیاں جب پانی سے لبریز ہو کر سڑک کے پانی سے ٹکراتی ہیں تو ایرانی پہلوان رستم اور اس کے بیٹے سہراب کی لڑائی کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب ان پانیوں کے درمیان بھی اُن باپ، بیٹے کی لڑائی کا رنگ جمنے والا ہے۔ نالیوں سے نکلنے والا گند، سڑک پر بہنے والا پانی اور کیچڑ محلے کے گلی کوچوں کی حالت بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ محلے کی گلیاں زیرِ آب آ جاتی ہیں اور لوگوں کا چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے اور ایک دن کی بارش سے لوگ ہفتوں، مہینوں تک پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔ بدبودار کیچڑ اور سڑکوں پر بنے ہوئے تالابوں کا گندا پانی لوگوں کی مشکلات میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ سڑکیں جوہڑ بن جاتی ہیں اور نکاسئ آب کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پانی سڑکوں پر کھڑا رہتا ہے اور لوگ بڑی مشکل سے ان سڑکوں پر نقل و حرکت کرتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

بند3۔ بہر گامے سڑک کھا جانے والی کھائیاں دیکھو چٹختے راستوں کی ٹوٹتی انگڑائیاں دیکھو

کھڑی اونچائیوں کے پیٹ میں گہرائیاں دیکھو گڑھوں کی جا بجا بہزادیاں چغتائیاں دیکھو

نقوشِ مانی و چغتائی و بہزاد یہ سڑکیں

**حوالہ:** نظم: یہ سڑکیں شاعر: سید ضمیر جعفری

**حلِ لغت:** بہر گامے: ہر قدم پر کھائی: گہری جگہ چٹختے: ٹوٹے پھوٹے انگڑائی: بدن کا کھنچاؤ نقوش: نشانات

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح: مانی، چغتائی، بہزاد صنعت مراعاۃ النظیر: (سڑکیں، راستوں) (گڑھوں، گہرائیاں)

مرکب عطفی: مانی و چغتائی و بہزاد مرکب اضافی: نقوشِ مانی

**تشریح:**

اس بند میں شاعر ضمیر جعفری شہر کی سڑکوں کی بری حالت کو بڑے انوکھے انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سڑکوں پر ہر قدم کے بعد بڑے

بڑے گڑھے موجود ہیں اور یہ گڑھے گہری گہری کھائیوں کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ گہری کھائیاں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ان سڑکوں کو نگل گئی ہیں۔ اور ان کھائیوں کے درمیان کہیں کہیں بچی ہوئی سڑک یوں بل کھا کر گزر رہی ہے جیسے کوئی نیند سے بیدار ہو کر اپنا جسم کو ٹیڑھا میڑھا کر کے انگڑائیاں لے رہا ہو۔ اور یہ ٹوٹا پھوٹا راستہ جو کبھی سڑک ہوا کرتا تھا اب ایسا منظر پیش کر رہا ہے کہ کہیں تو گہرے کھڈے ہیں اور کہیں پہ اونچے اونچے ٹیلے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی فن کار نے کوئی خوبصورت فن پارہ تخلیق کر دیا ہو۔ یہ مانی اور بہزاد (ایرانی مصور) اور عبدالرحمٰن چغتائی (پاکستانی مصور) کی بنائی ہوئی تصاویر معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں ضمیر جعفری ان ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کو ان مشہور مصوّرین کی مصوری سے اس لئے ملا رہے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ ٹوٹ پھوٹ حقیقی زندگی میں ہونی تو ناممکن ہے، تصوراتی اور تخیلاتی طور پر ہی اس ٹوٹ پھوٹ کا منظر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے شاعر نے سڑکوں کی بری حالت کو بیان کرنے کے لئے ان عظیم مصوروں کی مصوری کا سہارا لیا ہے۔ کیونکہ یہ تینوں مصور اپنے فن کے استاد مانے جاتے ہیں اور مانی اور بہزاد کی تصویروں پر تو حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ اور عبدالرحمٰن چغتائی نے مغلیہ طرزِ تعمیر کو اپنی تصاویر کے ذریعے بڑی خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے۔ شاعر بتانا یہ چاہتے ہیں کہ شہر کی سڑکوں کی حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ وہ سڑکیں کم اور ان عظیم مصوّرین کے فنِ مصوری کا شاہکار زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**بند 4۔**

**ہم ان سے حلم و صبرو شکر کا پیغام لیتے ہیں — کہ جب چلتے ہیں کم از کم خدا کا نام لیتے ہیں**

**یہ کام آئیں نہ آئیں ہم انہی سے کام لیتے ہیں — "گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں"**

**ہم ان سے مطمئن ہیں اور ہم سے شاد یہ سڑکیں**

**حوالہ:** نظم: یہ سڑکیں — شاعر: سید ضمیر جعفری

**حلِ لغت:** حِلم: تحمل، بُردباری — گُل: پھول — خار: کانٹا — شاد: خوش

**فنی محاسن:** صنعت تضمین: اس بند کا چوتھا مصرعہ داغ دہلوی کا ہے۔

صنعت تضاد: (گُل، خار) (آئیں، نہ آئیں) — مرکب عطفی: حلم و صبرو شکر

**تشریح:**

شاعر ضمیر جعفری طنزیہ انداز میں ان خستہ حال سڑکوں کا مثبت پہلو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سڑکیں جیسی بھی ہیں لیکن ان میں ایک خوبی ضرور ہے کہ یہ سڑکیں ہمیں بُردباری اور صبر و شکر کا درس دیتی ہیں۔ ہم ایسی قوم ہیں جو مصیبت کے وقت بھی اللہ کو یاد نہیں کرتے لیکن یہ سڑکیں چلتے پھرتے ہمیں اللہ کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔ ان سڑکوں پر سفر کر کے ہم میں صبر اور بُردباری پیدا ہو چکی ہے۔ اور ہم اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اگر یہ خراب سڑکیں بھی نہ ہوتیں تو پھر ہم کیا کرتے۔ اور بڑے سے بڑا گناہگار بھی ان خراب سڑکوں پر سفر کر کے بے ساختہ خدا کو یاد کرنے لگتا ہے اور اس کی زبان پر کلمہ طیبہ کا وِرد جاری ہو جاتا ہے کہ اس سڑک پر مجھے کوئی حادثہ پیش نہ آجائے۔ آگے شاعر نے داغ دہلوی کا ایک مصرعہ بطورِ تضمین لایا ہے کہ پھول جتنا بھی خوبصورت ہو، کانٹا پھر بھی اس پھول سے بہتر ہوتا ہے کیونکہ کانٹا دامن کو تھام لیتا ہے۔ یعنی نئی اور عمدہ سڑکوں سے یہ پرانی ٹوٹی پھوٹی سڑکیں پھر بھی اچھی ہیں کہ ایک تو ہم ان پر کسی نہ کسی طرح سفر کر لیتے ہیں اور دوسرے یہ سڑکیں ہمیں خدا کی یاد بھی دلاتی رہتی ہے۔ لہٰذا ہم ان سڑکوں سے کافی مطمئن ہیں، اب ہم ایسی سڑکوں پر سفر کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اور یہ سڑکیں بھی ہم سے بہت خوش ہیں کیونکہ ہم ان سڑکوں کے بہت وفادار ہیں کہ اتنی تکلیف اٹھانے کے باوجود ہم ان سڑکوں پر سفر کرنا نہیں چھوڑتے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نظم: **قطعات**　شاعر: **مرزا محمود سرحدی**

ماخوذ: **اندیشۂ شہر**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**پیدائش:** مرزا محمود سرحدی 1914ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔

**عملی زندگی:** مالی حالات خراب ہونے کے باعث آپ شروع ہی سے غمِ روزگار کے چکر میں پڑ گئے اور اس سلسلے میں آپ کو فوجی نوکری سے لے کر اسکول میں مدرسی تک اور کلرکی سے مزدوری تک کئی مراحل سے گزرنا پڑا۔

**فنِ شاعری:** مرزا محمود سرحدی نے اکبرالہ آبادی کے طنزیہ و مزاحیہ انداز کی تقلید کی اور اسی وجہ سے آپ کو ''اکبرِ سرحد'' بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی لیکن آپ کا اصل میدان قطعات ہے، آپ نے چھوٹے چھوٹے معاشرتی مسائل کو بڑی خوبصورتی سے قطعات میں سمویا ہے۔

**بیماری:** مرزا محمود سرحدی نے ساری عمر شادی نہیں کی اور زندگی کے آخری ایام میں دمے کے مرض کی وجہ سے علیل رہنے لگے۔

**وفات:** مرزا محمود سرحدی 1968ء کو پشاور میں تقریباً 54 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

**مجموعہ ہائے کلام:** سنگینے، اندیشۂ شہر

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | قطعات کے شاعر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ | الف: ضمیر جعفری | **ب۔ مرزا محمود سرحدی** |
| ۲۔ | مرزا محمود سرحدی نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے مزاحیہ انداز کی تقلید کی ہے۔ | **الف: اکبرالہ آبادی** | ب: سید محمد جعفری |
| ۳۔ | مرزا محمود سرحدی کو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہا جاتا ہے۔ | **الف: اکبرِ سرحد** | ب: شاعرِ سرحد |
| ۴۔ | آج پانی میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہوتا ہے | الف: مکھن | **ب: دودھ** |
| ۵۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جس سڑک پر جا بجا بکھری دیکھو | الف: گندگی | **ب: غلاظت** |
| ۶۔ | کالے چشمے بھی ایک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں | **الف: نعمت** | ب: زحمت |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: شاعر کو نوجوان نسل سے کیا شکایت ہے؟**

**جواب:** شاعر مرزا محمود سرحدی کو نوجوان نسل سے یہ شکایت ہے کہ وہ لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگھار کرنے لگے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے اندر جواں مردی ختم ہو چکی ہے اور وہ مرد کم، خواتین زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ اور جیسے ہی کوئی مشکل پڑتی ہے تو یہ لڑکیوں کی طرح روپوش ہو جاتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 2: ان قطعات میں کن معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے؟**

**جواب:** ان قطعات میں درج ذیل معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۱۔ نوجوان نسل کا زنانہ فیشن اپنانا۔　۲۔ ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کی غیر موجودگی۔

۳۔ محکمہ صفائی کی ناقص کارکردگی۔　۴۔ ملاوٹ کی برائی۔　۵۔ جھوٹے وعدے اور منافقت۔

**س3:** **مصرعے مکمل کریں۔**

**جواب:** ا۔انتظام ایسا کہ بس دل کی کلی کھل جائے ہے

۲۔اگر کوچوں میں بھنگی رات کو جاروب کش پاؤ

۳۔کالے چشمے بھی ایک نعمت ہیں

۴۔آج پانی میں دودھ ہوتا ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س4۔**

| **الفاظ** | **جملے** |
|---|---|
| **دل کی کلی کھلنا** | سخت حبس کے بعد بارش ہوئی تو سب کے دل کی کلی کھل اٹھی۔ |
| **نعمت** | اللہ کی ہر نعمت کا شکر واجب ہے۔ |
| **نگاہیں ملانا** | وعدہ خلاف کسی سے نگاہیں نہیں ملا سکتا۔ |
| **محتسب** | شاعر معاشرے کی اصلاح کرتا ہے لیکن محتسب کی طرح ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہیں لیتا۔ |
| **مانند** | سورج مکھی کا پھول سورج کی مانند ہوتا ہے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س5۔** **قطعہ کسے کہتے ہیں؟ کسی اور شاعر کا قطعہ لکھیں۔**

**جواب:** **قطعہ کی تعریف:**

قطعہ لغت میں ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں ان اشعار کو قطعہ کہا جاتا ہے جن میں ایک خیال یا ایک مضمون مسلسل بیان کیا گیا ہو۔ قطعہ عام طور پر چار مصروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

**مثال:** ؎ آ ساتھ میرے اور دیکھ ذرا جس دنیا میں تُو رہتا ہے
یہ دنیا ایک تماشا ہے اور سب انسان مداری ہیں
کیا کہتے ہیں، کیا کرتے ہیں اور کیا کیا کھیل دکھاتے ہیں
یہ لیڈر ووٹر، پیر مرید، شاگرد استاد مداری ہیں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ”قطعات کی تشریح“

**قطعہ 1۔**
**کبھی تو ان کی حسینوں سے شکل ملتی ہے　　کبھی پناہ گزینوں سے شکل ملتی ہے**
**خدا کی شان، وہ ہیں مرے وطن کے جوان　　کہ جن کی پردہ نشینوں سے شکل ملتی ہے**

**حوالہ:** نظم: قطعات　　شاعر: مرزا محمود سرحدی

**حلِ لغت:** پناہ گزین: پناہ حاصل کرنے والا　　پردہ نشین: باپردہ عورت

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: کبھی، شکل　　لاحقہ: پناہ گزین، پردہ نشین　　حرف بیان: کہ
مرکب اضافی: خدا کی شان، وطن کے جوان

**تشریح:**

اس قطعے میں مرزا محمود سرحدی موجودہ زمانے کی نوجوان نسل پر چوٹ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ لوگ فیشن اور میک اپ کے اتنے دلدادہ ہو گئے ہو کہ لڑکے کم اور لڑکیاں زیادہ دکھائی دیتے ہو۔ آپ لوگ محنت اور عمل کے بجائے بناؤ سنگھار پر زیادہ توجہ دیتے ہو۔ آپ کی ظاہری شکل و صورت نت نئے فیشنوں کی وجہ سے ان لوگوں کی طرح ہو گئی ہے جو کسی دوسرے ملک کے رہنے والے ہوں اور پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہوں۔ جدید فیشن کے شوقین بالوں کو بڑھا کر پونیاں بناتے ہیں تو مجھے اس نوجوان نسل پر ترس آتا ہے کہ اب تو ان کی شکل ایسی ہو گئی ہے کہ انہیں عورتوں کی طرح پردے میں بیٹھنا چاہیے۔ اصل میں شاعر نوجوان

نسل کی اس فیشن زدہ حالت سے مطمئن نہیں ہیں کہ یہ جو فیشن کر رہے ہیں وہ لڑکوں کو نہیں بلکہ لڑکیوں کو زیب دیتا ہے۔نوجوان نسل کو اپنی ذاتی چمک دمک سے ہی فرصت نہیں ہے تو یہ قوم کی امیدوں پر کیا خاک پورا اتریں گے۔اس لئے نوجوان نسل کو چاہیے کہ وہ ان فضول فیشنوں کو چھوڑے اور ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**قطعہ 2۔ کیا بتائیں آپ کو کیا ہے ہمارا ہسپتال　انتظام ایسا کہ بس دل کی کلی کھل جائے ہے**
**حادثاتِ اتفاقی کا بھی ہے اک ڈاکٹر　اتفاقی طور پر مل جائے تو مل جائے ہے**

**حوالہ:** نظم: قطعات　شاعر: مرزا محمود سرحدی

**حلِ لغت:** دل کی کلی کِھل جانا: بہت زیادہ خوش ہونا　حادثاتِ اتفاقی: ایمرجنسی وارڈ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: ہسپتال، حادثاتِ اتفاقی، ڈاکٹر　مرکب توصیفی: حادثاتِ اتفاقی　محاورہ: دل کی کھلی کِھل جانا

**تشریح:**

مرزا محمود سرحدی اس قطعہ میں ہمارے ایک قومی المیے کو بڑی خوبصورتی سے طنزیہ انداز میں بیان کر رہے ہیں کہ ہم لوگ اپنی کوتاہی سے اپنے ہی ہاتھوں فلاحی اداروں کو بھی برباد کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ویسے تو کسی بھی سرکاری شعبے کو دیکھ لیں،لوگ یہاں صرف حاضری لگانے، باتیں کرنے اور وقت گزارنے کے لئے آتے ہیں، کام کرنے کی زحمت تو کوئی بھی گوارا نہیں کرتا۔اور اب یہ بیماری اتنی عام ہوگئی ہے کہ ہسپتال جیسے فلاحی اداروں میں بھی ڈاکٹر ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ ہسپتال میں ایک شعبہ ہے،جس کا نام حادثاتِ اتفاقی کا شعبہ ہے،اس شعبہ میں کسی بھی وقت مریض آ سکتا ہے جسے فوری طبی امداد کی اشد ضرورت ہوتی ہے تا کہ اس کی جان بچائی جا سکے۔مگر بدقسمتی سے یہاں جو ڈاکٹر تعینات کئے جاتے ہیں ان کا ملنا ہی محال ہوتا ہے، یہ اکثر اپنی ڈیوٹی سے غائب ہوتے ہیں۔اور اتفاقی طور پر کبھی مل جائیں تو غنیمت ہیں، ورنہ عام طور پر تو ان کا ملنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ وہ سرکاری ہسپتالوں کے ان معاملات کو درست کرے اور ہسپتال کے ملازمین کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ڈیوٹی ذمے داری سے ادا کریں اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**قطعہ 3۔ اگر کُوچوں میں بھنگی رات کو جاروب کش پاؤ　تو جانو یہ بھی ہے اک شانِ بیداری کمیٹی کی**
**غلاظت جس سڑک پر جا بجا بکھری دیکھو　تو سمجھو اس طرف سے گزری ہے لاری کمیٹی کی**

**حوالہ:** نظم: قطعات　شاعر: مرزا محمود سرحدی

**حلِ لغت:** کُوچہ: گلی　بھنگی: صفائی کرنے والا　جاروب کش: جھاڑو دیتا ہوا　غلاظت: گندگی

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: کُوچوں، بھنگی، جاروب کش، کمیٹی، غلاظت　لاحقہ: جاروب کش　مرکب اضافی: شانِ بیداری

**تشریح:**

محمود سرحدی اس قطعہ میں بھی ہمارے معاشرے کی ایک برائی کو طنزیہ انداز میں اجاگر کر رہے ہیں کہ ہم لوگ اپنا فرضِ منصبی ادا کرنا قوم پر احسان سمجھتے ہیں اور ہر کوئی سرکاری ڈیوٹی سے غفلت ہی برتتا ہے۔محلے،گلیوں اور سڑکوں کی صفائی ستھرائی کے لئے میونسپل کمیٹی، بلدیہ جیسے ادارے قائم ہیں لیکن ان اداروں کے ملازمین بھی اپنا کام ذمہ داری سے نہیں کرتے اور گھر بیٹھ کر مفت کی کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔لیکن کبھی اتفاق سے اگر آپ کو یہ منظر دکھائی دے کہ رات کے کسی پہر کوئی خاکروب کسی گلی میں صفائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے تو آپ سمجھ جاؤ کہ میونسپل کمیٹی میں کوئی نیا افسر آیا ہے جو اپنی افسری کا رعب جمانے کے لئے رات کو بھی خاکروب سے صفائی کروا رہا ہے۔اور ہماری میونسپل کمیٹی کی گاڑیاں بھی ایک عجوبہ ہی ہیں کہ جہاں سے گزرتی ہیں ایک داستان چھوڑ جاتی ہیں۔وہ کوڑا کرکٹ اٹھاتی کم اور گراتی زیادہ ہیں،اسی لئے جہاں سے بھی یہ گاڑی گزر جائے تو سڑک پر ہر جگہ گندگی ہی گندگی دکھائی دیتی ہے۔اس لئے میونسپل کمیٹی والوں کو چاہیے کہ وہ اپنی کارکردگی کو بہتر بنائیں اور اپنی خراب گاڑیوں کی مرمت کروائیں تا کہ گندگی اور کُوڑے کرکٹ کے ان مسائل میں کمی واقع ہو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**قطعہ 4:** کالے چشمے بھی ایک نعمت ہیں　　دھوپ میں خوب کام دیتے ہیں
جو نگاہیں ملا نہیں سکتے　　رات دن ان سے کام لیتے ہیں

**حوالہ:** نظم: قطعات　　شاعر: مرزا محمود سرحدی

**حلِ لغت:** چشمہ: عینک　　نعمت: عطیہ، تحفہ

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: رات، دن　　صنعت مراعاۃ النظیر: کالے چشمے، دھوپ، دن　　مرکب توصیفی: کالے چشمے

**تشریح:**

اس قطعہ میں شاعر محمود سرحدی کالے چشموں کا ذکر کر رہے ہیں کہ کالے چشمے ہمیں اکثر لوگوں کے چہروں پر نظر آتے ہیں۔ عام طور پر ان کو بطورِ فیشن لوگ پہنتے ہیں یا دھوپ سے بچنے کے لئے ان چشموں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن شاعر کے خیال میں کالے چشموں کا ایک فائدہ اور بھی ہے کہ وہ لوگ جو دوسروں سے نظریں نہیں ملا پاتے، وہ ان کا استعمال دن اور رات دونوں اوقات میں کرتے ہیں۔ وہ یہ چشمے پہن کر اُن لوگوں سے نظریں چرا کر نکل جاتے ہیں جن سے نظر ملانے کی وہ ہمت نہیں کر سکتے۔ اور نظریں ملانے کی ہمت ان لوگوں میں نہیں ہوتی جو وعدے کر کے ان کو پورا نہیں کرتے۔ جیسا کہ آج کل کے ہمارے سیاست دان جو الیکشن کے موقع پر عوام سے خوب جھوٹے وعدے کرتے ہیں مگر جیت جانے کے بعد ان وعدوں کو بھلا دیتے ہیں اور چار پانچ سال غائب رہنے کے بعد جب دوبارہ عوام کے پاس آتے ہیں تو کالے چشمے پہن کر آتے ہیں کیونکہ ان میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وعدے پورے نہ کرنے کے بعد عوام سے اپنی نگاہیں ملا سکیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**قطعہ 5۔** محتسب سے کہوں تو کیا جا کر　　میری مانند وہ بھی روتا ہے
پہلے ہوتا تھا دودھ میں پانی　　آج پانی میں دودھ ہوتا ہے

**حوالہ:** نظم: قطعات　　شاعر: مرزا محمود سرحدی

**حلِ لغت:** محتسب: کوتوال　　مانند: طرح

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: دودھ، پانی　　صنعت تفریق: پہلے کے زمانے اور آج کے زمانے کا فرق بیان کیا ہے

**تشریح:**

اس آخری قطعہ میں محمود سرحدی جس معاشرتی برائی کا مزاحیہ انداز میں ذکر کر رہے ہیں اس کا نام ''ملاوٹ'' ہے۔ ہمارے معاشرے میں ملاوٹ کی برائی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر جگہ ملاوٹ کا دَور دَورہ ہے اور ڈھونڈنے سے بھی کوئی خالص چیز نہیں ملتی۔ شاعر کہتے ہیں کہ میں اس ملاوٹ کی برائی سے بہت تنگ آ چکا ہوں اور سوچتا ہوں کہ میں اس کی شکایت لے کر کہاں جاؤں، کس سے اس برائی کا احتساب کرواؤں؟ کیونکہ محتسب تو خود اس ملاوٹ کی وجہ سے پریشان بیٹھا ہے۔ ملاوٹ کو ختم کرنا اس کے بس میں بھی نہیں ہے۔ ملاوٹ اس قدر بڑھ گئی ہے کہ پہلے تو ہم یہ سنتے تھے کہ دودھ والا دودھ میں پانی ملاتا ہے لیکن اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ دودھ کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے دودھ میں پانی نہیں بلکہ پانی میں دودھ ملا دیا گیا ہو۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ دودھ اور لڑائی کو جتنا بھی بڑھاتے جاؤ وہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ ملاوٹ کرنے والے یہ لوگ نہ تو خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی قانون ان کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

نظم: **اخلاص**　شاعر: **رحمٰن بابا**

مترجم: **طٰہٰ خان**　ماخوذ: **متاعِ فقیر**

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** رحمٰن بابا کا پورا نام عبدالرحمٰن خان تھا۔ پشاور کے قریب ایک گاؤں بہادر کلے میں 1653ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق مومند قبیلے سے تھا۔

**فنِ شاعری:** رحمٰن بابا پشتو زبان کے عظیم صوفی شاعر گزرے ہیں۔ آپ کی شاعری پر فطرت اور حقیقت کا رنگ غالب تھا۔ آپ کے اشعار میں ماضی کی تاریخ، حال کا تذکرہ اور مستقبل کا پیغام جھلکتا ہے۔ قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح آپ کی شاعری کا خاصہ ہے۔ آپ کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے دیوان کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

**وفات:** رحمٰن بابا تقریباً 58 برس کی عمر پا کر 1711ء کو فوت ہوئے اور پشاور میں ہزار خوانی کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

**مجموعہ کلام:** دیوانِ عبدالرحمٰن بابا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ شاعرِ انسانیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو کہا جاتا ہے۔ | الف: علامہ اقبال | **ب۔رحمٰن بابا** |
| ۲۔ رحمٰن بابا کی شاعری پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور حقیقت کا رنگ غالب ہے۔ | **الف: فطرت** | ب: محبت |
| ۳۔ رحمٰن بابا کی نظم اخلاص کا ترجمہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے کیا۔ | الف: طلحہ خان | **ب: طٰہٰ خان** |
| ۴۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے پابندیٔ اخلاص کا نام | **الف: اسلام** | ب: مذہب |
| ۵۔ صیاد کو ممکن ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہاتھ لگے | الف: شکار | **ب: ہما** |
| ۶۔ حاجت نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی کچھ بعدِ فنا | **الف: اخلاص** | ب: نیکی |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: اس نظم میں اخلاص کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، انہیں مختصر لکھیں۔**

**جواب:** اس نظم میں اخلاص کی درج ذیل صفات بیان کی گئی ہیں۔

**اخلاص کی صفات:** رحمٰن بابا اخلاص کو دنیا کی سب سے اہم صفت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ لوگ مقامِ ثریا کے برابر عزت واحترام پاتے ہیں جو اخلاص کی اہمیت کو پہچان جاتے ہیں۔ اخلاص کی راہ پر چلنے والا کسی کا غلام نہیں رہتا۔ اخلاص کو دینِ اسلام کا دوسرا نام قرار دیا گیا ہے۔ اخلاص سے ہر چیز کو حاصل کر لینا ممکن ہے خواہ وہ خیالی پرندہ ''ہُما'' ہی کیوں نہ ہو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 2: ''ہما'' پرندے کی کیا خصوصیت بیان کی جاتی ہے؟**

**جواب:** شاعر نے اس نظم میں ہما نامی ایک پرندے کا بھی ذکر کیا ہے۔

**ہما کی خصوصیت:**

''ہما'' دراصل ایک خیالی پرندہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ جس کے سر پر بیٹھ جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے، چاہے وہ کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

**س3: اخلاص کی وجہ سے کون سا سفر آسان ہو جاتا ہے؟**

**جواب:** فرش سے عرش تک کا سفر اخلاص کی وجہ سے آسان ہو جاتا ہے اور اخلاص کی وجہ سے آخرت کا سفر بھی آسان ہو جاتا ہے۔یعنی اخلاص والوں کو نہ صرف دنیا میں خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے بلکہ مرنے کے بعد آخرت کے تمام مراحل بھی آسان ہو جاتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س4۔ اس نظم کا مرکزی خیال لکھیں۔**

**جواب:** نظم ''اخلاص'' کا مرکزی خیال درج ذیل ہے۔

**مرکزی خیال:**

اس نظم کا مرکزی خیال اخلاص ہے کہ جو شخص اخلاص کو اپناتا ہے وہ ہمیشہ بلند مقام پاتا ہے۔اور دنیا آخرت کی کامیابی اخلاص والی خوبی کو اپنانے سے ہی ممکن ہے۔اسلام بھی اخلاص کا تقاضا کرتا ہے بلکہ اسلام کا دوسرا نام ہی اخلاص ہے۔اور اعمال کی قبولیت کا دارومدار بھی اخلاص ہی پر ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س5۔ صنعتِ تضاد کی تعریف کریں اور تین مثالیں بھی دیں۔**

**جواب:** صنعت تضاد کی تعریف درج ذیل ہے۔

**صنعت تضاد کی تعریف:**

جب کوئی شاعر اپنے کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرے جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں تو اسے صنعت تضاد کہتے ہیں۔

**مثال۱:** سوال کر کے میں خود ہی بہت پشیمان ہوں　　جواب دے کے مجھے اور شرمسار نہ کر

**مثال۲:** فلک میں آگ لگ جاتی جو دونوں روبرو ہوتے　　غروبِ شمس لازم تھا طلوعِ چاند سے پہلے

**مثال۳:** ایک سب آگ ایک سب پانی　　دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

**وضاحت:**

پہلے شعر میں سوال اور جواب، دوسرے شعر میں طلوع اور غروب اور تیسرے شعر میں آگ اور پانی تضاد کے طور پر آئے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

**شعر 1۔ ہمدوشِ ثریا ہے مقامِ اخلاص　　جو ملتا ہے ملتا ہے غلامِ اخلاص**

**حوالہ:** نظم: اخلاص　شاعر: رحمٰن بابا　مترجم: طٰہٰ خان

**حلِ لغت:** ہمدوش: برابر کا　ثریا: بلند ستارہ　اخلاص: خالص

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح: ثُریا ستارہ　مرکبات اضافی: ہمدوشِ ثریا، مقامِ اخلاص، غلامِ اخلاص

**تشریح:**

رحمٰن بابا جو ایک صوفی شاعر ہیں وہ اپنے اس شعر میں خلوص و اخلاص کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں وہی لوگ عزت کی بلندیوں کو چھوتے ہیں جو ہر کام کو اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں۔اخلاص ایک نہایت اعلیٰ مرتبے کی چیز ہے اگر آدمی کی نیت میں اخلاص ہو تو اللہ اسے ثریا جیسے بلند ستارے سے بھی اونچا مقام عطا فرماتے ہیں اور جو لوگ خلوص کی دولت سے خالی ہوتے ہیں، ان کو دنیا میں سوائے ذلت اور پستی کے اور کچھ نہیں ملتا۔اس لئے اگر ہمیں بحیثیتِ فرد یا قوم عزت و احترام کو حاصل کرنا ہے تو ہمیں اخلاص کی غلامی کرنی ہوگی۔یعنی ہر کام کو خلوصِ نیت کے ساتھ کرنا ہوگا کیونکہ نیت صاف ہو اور دل میں اخلاص ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے اور بلند مقام اسی شخص کے حصے میں آتا ہے جو تمام عمر ہر کام سچی اور خالص نیت کے ساتھ کرتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 2۔ گو فرش سے تا عرش سفر ہے دشوار طے کرتی ہے بہ یک جنبش گام اخلاص**

**حوالہ:** نظم: اخلاص شاعر: رحمٰن بابا مترجم: طٰہٰ خان

**حلِ لغت:** گو: اگرچہ جنبش: حرکت گام: قدم

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: فرش، عرش استعمالِ فارسی ترکیب: بہ یک جنبش مرکب اضافی: گامِ اخلاص

**تشریح:**

رحمٰن بابا اس شعر میں اخلاص کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمین سے آسمان اور عرشِ الٰہی تک کا سفر طے کرنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن کام ہے۔کوئی بھی شخص زمین اور آسمان کے درمیانی فاصلے کو طے نہیں کرسکتا کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان کا فاصلہ ایک لا انتہا فاصلہ ہے۔مگر یاد رکھو کہ اخلاص کے ذریعے اس ناممکن کو بھی ممکن بنایا جاسکتا ہے۔اگر کوئی انسان صدقِ دل سے اللہ کی عبادت کرے اور اس کی عبادت میں اعلیٰ درجے کا اخلاص موجود ہو تو وہ اس لا انتہا فاصلے کو ایک قدم اٹھاتے ہی طے کرسکتا ہے یعنی اس کی زمین پر کی جانے والی پُرخلوص عبادت فوراً عرش تک پہنچ جاتی ہے اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول بن جاتی ہے۔ شاعر سمجھانا یہ چاہ رہے ہیں کہ اخلاص جیسی صفت کو اپنانے والے انسان کے لئے دنیا میں کوئی بھی چیز ناممکن نہیں رہتی اور اس کا مقام و مرتبہ عرش جتنا بلند ہوجاتا ہے۔

**بقول شاعر:** اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں ؎ عشق کی ایک جست نے طے کردیا قصہ تمام

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 3۔ فانی ہے ہر اک چیز، ہر اک رسم و رواج باقی ہے مگر ایک دوامِ اخلاص**

**حوالہ:** نظم: اخلاص شاعر: رحمٰن بابا مترجم: طٰہٰ خان

**حلِ لغت:** فانی: ختم ہونے والی دوام: ہمیشگی

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: فانی، باقی مرکب عطفی: رسم و رواج مرکب اضافی: دوامِ اخلاص

**تشریح:**

رحمٰن بابا اس شعر میں ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان کررہے ہیں کہ یہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز نے فنا ہوجانا ہے۔دنیا کی رسمیں، دنیا کے رواج سب کچھ ختم ہو جائیں گے،لیکن ایک چیز ایسی ہے جو لافانی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور وہ ہے اخلاص، اخلاص جس عمل کا بھی حصہ بن جاتا ہے اس کو لافانی بنا دیتا ہے۔ کیونکہ انسان جو عمل دکھلاوے اور ریاکاری کے لئے کرتا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔مرنے کے بعد اور آخرت میں تو وہی عمل نجات کا ذریعہ بنے گا جو اخلاص والا ہوگا۔اور دنیا کے لحاظ سے بھی اگر ہم دیکھیں تو کتنے ہی لوگ آئے اور چلے گئے مگر اُن لوگوں کا نام مرنے کے بعد آج بھی زندہ ہے جو اخلاص کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے۔جنہوں نے دکھلاوے،شہرت کو بالائے طاق رکھا اور خلوصِ نیت کے ساتھ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 4۔ اسلام ہے پابندیِ اخلاص کا نام اور نام ہے اسلام کا نامِ اخلاص**

**حوالہ:** نظم: اخلاص شاعر: رحمٰن بابا مترجم: طٰہٰ خان

**حلِ لغت:** اسلام: مسلمانوں کا مذہب

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: اسلام، اخلاص، نام مرکب اضافی: پابندیِ اخلاص، نامِ اخلاص

**تشریح:**

رحمٰن بابا اس شعر میں اسلام کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام دراصل وہ مذہب ہے جس کی بنیاد ہی اخلاص اور خلوص نیت پر ہے۔جو لوگ اسلام کے سچے پیروکار ہوتے ہیں وہی لوگ اصل میں مجسّم اخلاص ہوتے ہیں کیونکہ اسلام کا دوسرا نام اخلاص ہے اگر نیت میں کھوٹ آجائے تو پھر اسلامی تعلیمات پر پوری طرح عمل نہیں کیا جاسکتا اور اللہ بھی اسی عمل کو قبول کرتا ہے جس میں اخلاص ہو، اسی لئے حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ یعنی نیت خالص ہوگی تو عمل قبول ہوگا۔اسی لئے شاعر نے اس شعر میں اسلام اور اخلاص کو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔اور حضور ﷺ سے کسی صحابی نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ''اخلاص''، یعنی اصل ایمان والا اور حقیقی مسلمان وہی ہے جو اخلاص والی خوبی اپنے اندر پیدا کرلے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**شعر 5۔ صیّاد کو ممکن ہے ہُما ہاتھ لگے　　پھیلائے محبت سے جو دامِ اخلاص**

**حوالہ:** نظم: اخلاص　شاعر: رحمٰن بابا　مترجم: طٰہٰ خان

**حلِ لغت:** صیاد: شکاری　ہما: خیالی پرندہ　دام: جال

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: صیاد، دام　صنعت تلمیح: ہُما پرندہ　مرکب اضافی: دامِ اخلاص

**تشریح:**

شاعر رحمٰن بابا اس شعر میں ہما نامی پرندے کا ذکر کر کے ہمیں یہ حقیقت سمجھا رہے ہیں کہ اگر آپ کے پاس اخلاص کی طاقت موجود ہے تو پھر آپ ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہما ایک خیالی پرندہ ہے جس کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ جس کے سر پر بیٹھ جائے، وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ ہما وہ پرندہ ہے جسے آج تک کسی نے نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کی بدولت کسی کو بادشاہت ملی ہے مگر آپ کی نیت میں خلوص ہو اور آپ صدقِ دل سے محنت کر رہے ہوں تو پھر یہ ممکن ہے کہ محبت اور خلوص سے بچھائے ہوئے جال میں ''ہما'' خیالی پرندہ بھی پھنس جائے اور آپ وقت کے حکمران ہو جائیں۔ شاعر سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ جب آپ کی نیت صاف ہو تو آپ وہ کچھ بھی حاصل کر لیتے ہیں جس کا آپ نے تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ اس لئے کسی بھی مشکل سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اللہ پر بھروسہ کر کے اخلاص کے ساتھ ہر کام کرنا چاہیے۔ **بقول شاعر:**

؎ ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پہ ہو　　تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**شعر 6۔ حاجت نہیں اخلاص کی کچھ بعدِ فنا　　قائم کرو ہستی میں نظامِ اخلاص**

**حوالہ:** نظم: اخلاص　شاعر: رحمٰن بابا　مترجم: طٰہٰ خان

**حلِ لغت:** حاجت: ضرورت　ہستی: ذات، زندگی　بعدِ فنا: مرنے کے بعد

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: ہستی، فنا　صنعت تکرار: اخلاص　مرکب اضافی: بعدِ فنا، نظامِ اخلاص

**تشریح:**

رحمٰن بابا اس شعر میں ہمیں اس بات کی تلقین کر رہے ہیں کہ آپ جو کچھ اس دنیا میں کرو گے، اُسی پر آپ کی آخرت کی زندگی کا دارومدار ہوگا۔ اگر آپ نے اس دنیا میں اخلاص کو اپنا شیوہ نہ بنایا تو آخرت میں آپ کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو بوؤ گے وہی وہاں کاٹو گے۔ اس لئے اس دنیا میں آپ اخلاص و صداقت کے پیکر بن جاؤ تا کہ آخرت میں کامیاب ہو سکو۔ آپ کی زندگی کا یہ اخلاص مرنے کے بعد آپ کے کام ضرور آئے گا۔ جب تک سانس ہے تب تک اللہ کی طرف سے مہلت ہے کہ مخلص ہو کر اللہ کی عبادت بجا لاؤ۔ رحمٰن بابا اسی وجہ سے دنیا کی زندگی میں اخلاص کی صفت کو اپنانے پر زور دے رہے ہیں کیونکہ موت کے بعد یہ موقع نہیں ملے گا۔ اس لئے اس دنیا میں رہ کر اپنے کل کی فکر کر لو اور اخلاص کو اپنا کر اپنی آخرت اچھی بنا لو۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**شعر 7۔ شیرینیٔ گفتار پہ حیرت کیسی　　ہے گفتۂ رحمٰن کلامِ اخلاص**

**حوالہ:** نظم: اخلاص　شاعر: رحمٰن بابا　مترجم: طٰہٰ خان

**حلِ لغت:** شیرینی: مٹھاس　گفتار: بات چیت　گفتہ: کہا ہوا

**فنی محاسن:** مترادف الفاظ: گفتار، کلام　مرکب اضافی: شیرینیٔ گفتار، گفتۂ رحمٰن، کلامِ اخلاص

**تشریح:**

رحمٰن بابا اس آخری شعر میں اپنی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری شاعری کی مٹھاس اور شیرینی پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں ہر بات اخلاص سے کہتا ہوں اور سیانے کہتے ہیں کہ جو بات دل سے نکلتی ہے وہ ضرور اثر رکھتی ہے اور میں نے بھی جو کچھ کہا ہے، خلوصِ نیت اور دل کی گہرائیوں سے کہا ہے، اسی لئے ہر سننے والا میری باتوں میں مٹھاس اور شیرینی محسوس کرتا ہے یعنی میرا کلام اُس کو بھلا لگتا ہے۔ لوگ میری شاعری پڑھ کر اس سے سبق حاصل کرتے ہیں اور اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لاتے ہیں۔ اور لوگ میرے کلام کو وہ مقام اور عزت دے رہے ہیں جیسے یہ کسی ولی اللہ کا کلام ہے، تو میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری شاعری میں اخلاص کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ اخلاص سے نکلی ہوئی بات سے ہر آدمی متاثر ہوتا ہے۔ **بقول شاعر:**

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

# حصہ غزل

مرتب کنندہ: مولانا جنید مسعود
لیکچرار اردو

0314-4470007

# غزلیات: میر تقی میرؔ　ماخوذ: انتخاب کلامِ میر

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** میر تقی میرؔ 1721ء کو اکبر آباد آگرہ میں پیدا ہوئے۔

**فنِ شاعری:** میرؔ اردو کے عظیم شاعروں میں شمار ہوتے ہیں اور آپ کو ''خدائے سخن'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میرؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف آپ کے معاصرین کے علاوہ بعد میں آنے والے ہر شاعر نے کیا ہے۔ غالبؔ جیسے یگانہ روزگار شاعر نے برملا یہ کہا:

ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالبؔ　کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

میرؔ کا اسلوبِ بیان سادہ اور سلیس ہے اور آپ کے کلام میں روزمرہ اور محاورے کا التزام بھی بخوبی موجود ہے۔ اگرچہ آپ کی شاعری پر غم اور مایوسی کی چھاپ نمایاں ہے۔ مگر آپ مایوسیوں کے اندھیرے میں گم ہونے کے بجائے امید کی کرن دل میں جلائے رہتے ہیں۔

**وفات:** اردو کے یہ عظیم شاعر 1810ء کو تقریباً 89 سال کی عمر میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔

**تصانیف:** چھے دیوان (اردو) دیوانِ میرؔ (فارسی) ذکرِ میر، نکات الشعراء

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | میر تقی میرؔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔ | **الف: آگرہ** | ب: دہلی |
| ۲۔ | میرؔ کو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہا جاتا ہے۔ | الف: بابائے غزل | **ب: خدائے سخن** |
| ۳۔ | بعض ناقدین نے میرؔ کو ۔۔۔۔۔۔۔۔ کا حامل شاعر کہا۔ | **الف: قنوطیت** | ب: محبت |
| ۴۔ | میاں! خوش رہو ہم ۔۔۔۔۔۔۔۔ کر چلے | **الف: دعا** | ب: کام |
| ۵۔ | ہر شعر میں ۔۔۔۔۔۔۔۔ مصرعے ہوتے ہیں۔ | الف: چار | **ب: دو** |
| ۶۔ | غزل کے پہلے شعر کو ۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتے ہیں۔ | **الف: مطلع** | ب: مقطع |
| ۷۔ | غزل کے ۔۔۔۔۔۔۔۔ میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ | الف: درمیان | **ب: مقطع** |
| ۸۔ | غزل کے تمام اشعار کا مفہوم ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہوتا ہے۔ | **الف: الگ الگ** | ب: ایک |
| ۹۔ | میرؔ کی غزل کا بنیادی موضوع ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ | **الف: غم** | ب: محبت |
| ۱۰۔ | پیری میں کیا جوانی کے ۔۔۔۔۔۔۔۔ کو رویئے | الف: وقت | **ب: موسم** |
| ۱۱۔ | اخلاصِ دل سے چاہیئے ۔۔۔۔۔۔۔۔ نماز میں | **الف: سجدہ** | ب: توجہ |
| ۱۲۔ | نظر میں سبھوں کی ۔۔۔۔۔۔۔۔ کر چلے | الف: وفا | **ب: خدا** |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ　جہاں میں تم آئے تھے، کیا کر چلے**

**میرؔ کی غزل کے اس مقطع کی تشریح کریں، نیز یہ بھی واضح کریں کہ اس شعر میں علم بیان کی کون سی خوبی پائی جاتی ہے؟**

**جواب:** شعر کی تشریح آگے ملاحظہ کریں۔

**علمِ بیان کی خوبی:** میرؔ کے اس شعر میں علم بیان کی خوبی مجاز مرسل ''کُل بول کر جُز و مراد لینا پائی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس شعر میں جہاں سے مراد پورا جہاں نہیں ہے بلکہ جہاں کا کوئی خاص حصہ مراد ہے۔

**س2: مندرجہ ذیل مصرعوں کے ساتھ دوسرا مصرع لگا کر شعر مکمل کریں۔**

ا۔ فقیرانہ آئے صدا کر چلے **جواب:** میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

ب۔ وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے **جواب:** ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

ج۔ دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا **جواب:** ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

د۔ پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے **جواب:** نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

و۔ کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ **جواب:** جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3: میرؔ کی شاعرانہ خصوصیات پر نوٹ لکھیں۔**

**جواب:** جس طرح ولی دکنی کو اردو شاعری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح میرؔ کو "خدائے سخن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میرؔ کی عظمت کا اعتراف ان کے ہم عصر شعراء کے علاوہ بعد میں آنے والے ہر معتبر شاعر نے کیا ہے۔ میرؔ کی شاعری کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ا۔ **درد و غم:**

میر تقی میرؔ کو درد و غم کا شاعر کہا جاتا ہے۔ میرؔ زندگی کی مایوسیوں کی نشاندہی کر کے بھی خود مایوسی کا شکار نہیں ہوتے، اپنے غمزدہ ہونے کا اظہار شعر میں کچھ یوں کرتے ہیں۔ ؎ مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب میں نے درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

۲۔ **تشبیہات:**

میرؔ کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے کلام میں تشبیہات اور استعارات کا استعمال بڑی عمدگی سے کرتے ہیں، جس کی وجہ سے کلام کا حُسن دوبالا ہو جاتا ہے مثلاً ایک جگہ گلاب کی پنکھڑی سے محبوب کے لبوں کو تشبیہ دی ہے۔

؎ نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

۳۔ **سادہ اور روزمرہ زبان:**

میرؔ کے زمانے میں باقی شعراء اپنے علم کی نمائش کے لئے مشکل اور پرتکلف الفاظ شاعری میں استعمال کرتے تھے۔ لیکن میرؔ نے اپنی شاعری کے لئے سادہ اور روزمرہ زبان کا استعمال کیا۔ میرؔ کی شاعری میں جو الفاظ ملیں گے وہ گفتگو کی صورت میں ملیں گے جیسے کوئی کسی سے بات چیت کر رہا ہو۔ یہ شعر ملاحظہ کریں۔

؎ دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

۴۔ **دنیا کی بے ثباتی:**

میرؔ کی شاعری میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر بڑے واضح الفاظ میں ملتا ہے، جس کی اصل وجہ ان کے زمانے کے مشکل اور غیر یقینی حالات تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں دنیا سے بے زاری اور بے ثباتی کے موضوعات پروان چڑھے ہیں۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

؎ کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

۵۔ **ترنم:**

میرؔ کا شاعرانہ انداز اپنے اندر ترنم اور موسیقیت کی دلکشی بھی رکھتا ہے۔ میرؔ کے انداز کی نغمگی ایک تسلیم شدہ چیز ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں بڑی کیف آور اور اثر انگیز غنائیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ کریں

؎ پتا پتا، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

الغرض میرؔ اپنے زمانے کے عظیم اور بے مثال شاعر ہیں اور شعراء نے اپنے اپنے انداز میں میرؔ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

ا۔ **مرزا غالبؔ:** ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالبؔ کہتے ہیں، اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

۲۔ **حسرتؔ:** شعر میرے بھی ہیں پردرد، ولیکن حسرتؔ میرؔ کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

۳۔ **ابنِ انشاء:** اللہ کرے میرؔ کا جنت میں مکاں ہو مرحوم نے ہر بات ہماری ہی بیاں کی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

**1۔ فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں! خوش رہو ہم دعا کر چلے**

**حوالہ:** غزل : نمبرا شاعر : میر تقی میرؔ ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** فقیرانہ: فقیروں کی طرح صدا: آواز

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : فقیرانہ، صدا، دعا صنعت تضاد: آئے، چلے

**تشریح:**

اس شعر میں میرؔ اپنے مخصوص انداز میں محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! تیرے عشق میں گرفتار ہونے کے بعد میں ایک بھکاری کی طرح تیرے دروازے پر محبت کا سوالی بن کر آیا تھا اور میں نے تجھ سے اپنی محبت کے جواب میں محبت کی خیرات مانگی تھی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ تم نے میری آواز پر کوئی توجہ نہ دی اور میری خالی جھولی کو تم نے اپنی چاہت کی دولت سے محروم رکھا۔لیکن اس کے باوجود میں تم سے خفا نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے تم سے کوئی گلہ ہے اور میں تمہیں کوئی الزام بھی نہیں دیتا بلکہ میں تمہارے دروازے سے خالی ہاتھ لوٹتے ہوئے تمہیں یہ دعا دیتا ہوں کہ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور تم سدا پھولوں کی طرح ہنستے مسکراتے رہو کیونکہ جو چیز میرے نصیب میں ہی نہیں ہے اس کے لئے میں تمہیں موردِ الزام کیوں ٹھہراؤں؟ اصل میں میرؔ اس شعر میں خود کو اعلیٰ درجے کا عاشق ثابت کر رہے ہیں کیوں کہ حقیقی عاشق کو اپنے محبوب کی محبت ملے یا نہ ملے، وہ ہر حال میں محبوب کو خوش دیکھنا چاہتا ہے۔اسی لئے محبت کا جواب محبت سے نہ ملنے کے باوجود میرؔ اپنے محبوب کو خوش رہنے کی دعا دے رہے ہیں۔ **بقول عبدالحمید عدمؔ**

؎ خدا نصیب کرے ان کو دائمی خوشیاں عدمؔ وہ لوگ جو ہم کو اداس رکھتے ہیں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**2۔ وہ کیا چیز ہے آہ! جس کے لئے ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے**

**حوالہ:** غزل : نمبرا شاعر : میر تقی میرؔ ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** آہ: افسوس دل اٹھ جانا: بیزار ہو جانا

**فنی محاسن:** صنعت تکرار: چیز اسم اشارہ: وہ

**تشریح:**

اس شعر میں میرؔ تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جس کی خاطر ہم نے دنیا کی ہر چیز سے دل اُٹھالیا ہے اور اب ہماری دلچسپی کسی بھی چیز میں نہیں رہی اور دل ہر شئے سے بیزار ہو چکا ہے۔دراصل شاعر نے پوری کوشش کی کہ محبوب کو اپنی وفاؤں کا یقین دلا سکے، مگر اس کی ہر تدبیر الٹی ہوتی گئی اور محبوب کو اس بات کا ادراک نہ ہوسکا کہ شاعر اس سے کس قدر محبت کرتا ہے۔اس لئے شاعر ناامید ہو کر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ یہ تیری لاپرواہی اور بے رخی ہی ہے جس نے دنیا کی ہر چیز سے میرا دل اُچاٹ کر دیا ہے۔میرے لئے تو اس زندگی کی تمام تر رونقیں تمہارے ہی دم سے تھیں لیکن جب تم ہی میرے نہیں بنے تو مجھے اس زندگی سے کیا لینا دینا ہے۔تمہارے بغیر یہ دنیا مجھے کاٹنے کو آتی ہے اور یہاں کی ہر چیز مجھے تیری یاد دلاتی اور رُلاتی ہے۔تمہارے بغیر میں ہر پل جیتا اور مرتا ہوں، مایوسیوں کے اس عالم میں مجھے موت ہی وہ واحد سہارا نظر آتی ہے جو اس اذیت سے مجھے بچا سکتی ہے۔شاعر کہنا یہ چاہ رہا ہے کہ زندگی میں سب سے قیمتی چیز محبت ہے جو مل جائے تو دنیا رنگین ہو جاتی ہے اور محبت اگر نہ ملے تو بندہ موت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈنے لگتا ہے کیونکہ سچے عاشق کے لئے اس کا محبوب ہی کُل کائنات ہوتا ہے۔ **بقول جون ایلیا**

؎ یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا؟

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**3۔ کوئی ناامیدانہ کرکے نگاہ سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے**

**حوالہ:** غزل : نمبر ا شاعر : میر تقی میرؔ ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** ناامیدانہ: مایوسی

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: تم، ہم سابقہ: ناامیدانہ

**تشریح:**

اس شعر میں میرؔ اپنے محبوب کی بے رخی کا اظہار بڑے منفرد انداز میں کررہے ہیں۔ میرؔ کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! مجھے اپنی وفاؤں پر بھروسہ تھا، مجھے یقین تھا کہ میری سچی محبت کی طاقت ضرور تمہارے پتھر دل کو موم کردے گی اور تمہیں آخر میری وفا اور خلوص کا یقین آ ہی جائے گا لیکن میری یہ امید اس وقت دم توڑ گئی جب میری لاکھ کوششوں کے باوجود تم نے میری وفاؤں کا یقین نہ کیا اور ایک انجان شخص کی مانند نہایت بے رخی سے تم نے مجھے دیکھا اور منہ چھپا کر چلے گئے۔ تمہاری اس حرکت نے مجھے سخت مایوس کیا ہے اور میرے ارمانوں کا خون کردیا ہے۔ اور میرا یہ خواب کہ ''میں تمہارا پیار و وفا پانے میں کامیاب ہو جاؤں گا'' ٹوٹ کر بکھر گیا ہے۔ سو اب میرے دل میں آس اور امید کی جگہ مایوسیوں نے ڈیرا ڈال دیا ہے اور میرے تمام خواب چکنا چور ہو گئے ہیں۔ اصل میں انسان محبت کے معاملے میں بڑا حساس ہوتا ہے اور اسے امید ہوتی ہے کہ کبھی نہ کبھی تو میری لگن اور تڑپ ضرور محبوب کو میرے لئے سوچنے پر مجبور کردے گی اور اس کی جفا وفا میں بدل جائے گی لیکن جب انسان کو محبوب کی نگاہوں میں اپنے لئے مسلسل اجنبیت اور بے رخی نظر آئے تو انسان کی امید مایوسی میں بدل جاتی ہے اور وہ نہایت رنجیدہ ہو جاتا ہے۔

**بقول شاعر:** جس طرح دودھ کی خاطر کوئی بچہ روئے ؎ بے رخی پر تری ہم آج کچھ ایسا روئے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**4۔ دکھائی دیئے یوں کہ بےخود کیا ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے**

**حوالہ:** غزل : نمبر ا شاعر : میر تقی میرؔ ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** بےخود: اپنے آپ سے بےخبر، مست

**فنی محاسن:** حرف بیان: کہ سابقہ: بےخود

**تشریح:**

اس شعر میں میرؔ اپنے محبوب کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! جب تم میرے سامنے آئے اور میں نے تمہیں پہلی نظر دیکھا تو تمہارے حسن و جمال کے جلوؤں کی وجہ سے میں اپنے آپ میں نہ رہ سکا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ میں پہلی ہی نگاہ میں تمہارے عشق میں مبتلا ہو گیا اور دل ہار بیٹھا۔ اور میری ایسی کیفیت ہوگئی کہ گویا ''میں، میں نہیں رہتا تم ہو جاتا ہوں''۔ اب مجھے اپنی بھی پرواہ نہیں رہتی، ہر دم ہر پل تمہیں ہی سوچتا رہتا ہوں اور خود کو بھول بیٹھا ہوں۔ جس طرف نگاہ اٹھاتا ہوں تم ہی تم دکھائی دیتے ہو۔ تمہارے جلوۂ حسن نے مجھے دنیا و مافیہا سے تو کیا اپنی ذات سے بھی بےگانہ کردیا ہے۔ اور جذبۂ عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور اپنا سب کچھ کھو کر تمہیں پانے کی میں نے ہر ممکن کوشش کی اور محبت کے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے میں نے ہر طرح کی قربانی دی۔ اب مجھے اپنی خودداری، عزت و ناموس کی بھی پرواہ نہیں رہی، میرے سامنے تو زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ اپنا ہوش و حواس لٹانے کے بعد میں کیسے تمہیں اپنی محبت کا یقین دلاؤں اور تمھاری جوابی محبت کو حاصل کرسکوں۔ **بقول شاعر:**

؎ بےخودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**5۔ جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی حقِ بندگی ہم ادا کر چلے**

**حوالہ:** غزل : نمبر ا شاعر : میر تقی میرؔ ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** جبیں: پیشانی بندگی: عبادت

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: جبیں، سجدہ، بندگی مرکب اضافی: حقِ بندگی

**تشریح:**

اس شعر میں میرؔ خود کو ایک عاشقِ صادق کے روپ میں پیش کرتے ہوئے اپنے شوقِ بندگی کا ذکر کررہے ہیں اور یہ شعر عشق حقیقی کے زیادہ قریب ہے۔ میرؔ کہتے ہیں کہ میرے مالکِ حقیقی کے مجھ پر بے پناہ احسانات ہیں کہ اس نے مجھے اشرف المخلوقات بنایا، نبی ﷺ کی امت میں پیدا کرکے دنیا کی افضل ترین امت کا

ایک فرد بنادیا۔ ان احسانات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جب میں نے اپنے مالکِ حقیقی کے در پر سجدے کے لئے پیشانی جھکائی تو اس عبادت میں مجھے ایسا مزہ آیا کہ اس کے بعد میری پیشانی رب کے حضور بار بار جھکتی ہی رہی لیکن اللہ کے احسانات کے مقابلے میں، میں نے اس عبادت کو ناکافی سمجھا اور شوقِ عبادت میں یوں مسلسل سجدے کئے کہ میری پیشانی گھستے گھستے گھس گئی لیکن میں نے رب کی چوکھٹ سے سجدے میں پڑا سر نہ اٹھایا اور میں نے اپنی بساط سے بڑھ کر رب کی عبادت کی پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مجھے لگا جیسے زندگی بھر کی وہ عبادت جو مجھ پر فرض تھی، اس کا حق میں نے ادا کر دیا ہے۔ اگرچہ یہاں میرؔ نے خدا کی عبادت کے معاملے میں حقِ بندگی ادا کرنے کی بات کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں کے مقابلے میں جتنی بھی عبادت کی جائے کم ہے۔ **بقول غالبؔ**

؎ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**6۔ پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے**

**حوالہ:** غزل : نمبر1 شاعر : میر تقی میرؔ ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** پرستش: پوجا سبھوں: سب کی

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: پرستش، بت صنعت تضاد: بت، خدا

حرف بیان: کہ استعارہ: محبوب کو بت کہا ہے

**تشریح:**

اردو اور فارسی شاعروں کی روایت ہے کہ وہ اکثر اپنے بے پرواہ اور سنگدل محبوب کو صنم یعنی بت کہہ کر پکارتے ہیں، کیونکہ جس طرح پتھر کے بنے ہوئے بت پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پتھر دل محبوب پر بھی عاشق کی کسی فریاد کا اثر نہیں ہوتا، اور وہ کبھی بھی عاشق کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیتا، کچھ اسی طرح کا معاملہ میرؔ کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ اسی لئے میرؔ اپنے محبوب سے شکوے کے انداز میں کہتے ہیں کہ جب سے میں تمہاری محبت میں مبتلا ہوا تو میں نے ساری زندگی تمہارے در پر گزار دی اور تمہیں اپنی وفا کا یقین دلانے کے لئے ہر طرح کی قربانی دی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عشق میں کوئی بھی اپنے محبوب کو دیوتا نہیں بناتا لیکن میں نے تمہارے عشق میں گرفتار ہونے کے بعد عقیدت کی آخری حد تک تمہیں چاہا اور لوگ یہ سمجھے کہ تم میرے صنم نہیں بلکہ خدا ہو۔ یعنی میں نے عبادت سمجھ کر تم سے عشق کیا اور اس عبادتِ عشق میں گویا تمہیں خدا کے درجے تک فائز کر دیا۔ لیکن افسوس میری اس عاجزی اور انکساری نے تم پر کوئی اثر نہ کیا اور تمہارا پتھر دل میرے لئے موم نہ ہو سکا۔ اب شاعر کو اس بات کا دکھ ستا رہا ہے کہ جس کی خاطر اتنا کچھ کیا، اسے میری وفاؤں کا یقین ہی نہ آیا۔ **بقول شاعر:**

؎ تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر جسے ہم نے پوجا، خدا کر دیا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**7۔ کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے**

**حوالہ:** غزل : نمبر1 شاعر : میر تقی میرؔ ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** جہاں: دنیا

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: ہم، تم مجازِ مرسل: جہاں میں تم آئے تھے (کُل بول کر جُزو مراد ہے)

**تشریح:**

شاعر اس شعر میں اپنی بے مقصد گزری ہوئی زندگی پر افسوس اور ندامت کا اظہار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تھا کہ ہم اس کی عبادت کریں، خود بھی اچھے کام کریں اور دوسروں کو بھی نیک راہ پر لائیں اور ایسے کام سرانجام دیں جو دنیا میں باعثِ عزت اور آخرت میں باعثِ مغفرت بنیں، لیکن افسوس ہم دنیا میں آکر یہاں کی رنگینیوں میں ایسے کھوئے کہ موت اور آخرت کو ہی بھول گئے۔ اور ہم محبوبِ مجازی کو پانے کی خاطر اس کے در کے یوں فقیر بنے کہ محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو ہی بھول گئے اور اس فانی دنیا کی خاطر مرنے کے بعد نہ ختم ہونے والی زندگی کو برباد کر دیا۔ لہٰذا میرؔ کہتے ہیں کہ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے تو اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ تم نے دنیا میں اللہ کو راضی کرنے والے کیا کیا کام کئے ہیں؟ تو مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اور جب میں دنیا میں اللہ کے بندوں کو اس سوال کا جواب دینے سے لاچار ہوں تو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دوں گا اور کیا منہ دکھاؤں گا؟ **بقول شاعر:** ؎ جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# غزل۲

**1۔ پیری میں کیا جوانی کے موسم کو روئیے　　اب صبح ہونے آئی ہے،اک دم تو سوئیے**

**حوالہ:** غزل : نمبر۲　　شاعر : میر تقی میرؔ　　ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** پیری: بڑھاپا　　اک دم: کچھ دیر

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: پیری، جوانی

**تشریح:**

ہم انسانوں کی عادت ہے کہ ہم وقت کی قدر نہیں کرتے اور جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر پچھتاتے ہیں۔اس شعر میں میرؔ اسی بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انسان اپنی جوانی کے قیمتی دَور کو فضولیات میں ضائع کر دیتا ہے اور جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو جوانی اور جوانی کی غفلتوں کو یاد کر کے روتا رہتا ہے۔اس لئے شاعر کہتا ہے کہ بڑھاپے کی لمبی راتوں میں جاگ کر جوانی کو یاد کر کے رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا،اس لئے اب تھوڑا آرام کر لو کیونکہ روتے روتے رات گزر گئی ہے اور اب صبح ہونے والی ہے۔اس شعر میں شاعر نے ان لوگوں پر طنز کیا ہے جو بڑھاپے میں عالمِ شباب کو یاد کر کے روتے رہتے ہیں۔شاعر کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب انسان بوڑھا ہو جائے اور اس کے بال سفید ہو جائیں تو پھر جوانی کو یاد کر کے رونے کا رویہ اپنانے کے بجائے انسان کو بڑھاپے کی تلخ حقیقت کو تسلیم کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔شاعر نے جوانی کو رات قرار دیتے ہوئے سفید بالوں کی مناسبت سے بڑھاپے کو صبح قرار دیا ہے،جس کے بعد موت کا مرحلہ آتا ہے۔اس لئے شاعر کہتا ہے کہ اگر جوانی کی رات گناہوں میں جاگتے گزری ہے تو بڑھاپے کے وقت ہوش آ جانا چاہیے اور انسان کو اپنی موت کی فکر کرنی چاہیے۔شاعر کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بڑھاپے میں جوانی پر رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ سیانے کہا کرتے ہیں کہ ''اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ **بقولِ شاعر:**

؎ پیری کے بوجھ سے نہیں میری کمر میں خم　　میں جُھک کے ڈھونڈ رہا ہوں جوانی کدھر گئی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**2۔ اخلاصِ دل سے چاہیے سجدہ نماز میں　　بے فائدہ ہے ورنہ جو یوں وقت کھوئیے**

**حوالہ:** غزل : نمبر۲　　شاعر : میر تقی میرؔ　　ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** وقت کھونا: وقت برباد کرنا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر :سجدہ،نماز،اخلاص　　مرکب اضافی: اخلاصِ دل　　سابقہ: بے فائدہ

**تشریح:**

میرؔ اس شعر میں عبادت کے اندر اخلاص کی اہمیت کو اجاگر کر رہے ہیں کہ نماز، روزہ یا کسی بھی عبادت کی قبولیت کا دارومدار خالص نیت پر ہوتا ہے۔عبادت جتنی زیادہ اخلاص کے ساتھ کی جائے گی وہ اتنی ہی زیادہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگی۔اور ہمارے نبیؐ کا بھی ارشاد ہے کہ ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِیَّات'' کہ سارے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔یعنی ہماری تمام عبادات پر اللہ کی جانب سے قبولیت کی مہر تب ہی لگے گی جب ہماری نیتوں میں فتور نہ ہوگا،اور نیتوں کا فتور اچھے سے اچھے عمل کو بھی ملیا میٹ کر دیتا ہے۔اگر اخلاص کے ساتھ کھجور کا ایک دانہ بھی راہِ خدا میں صدقہ کیا جائے تو اللہ اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر عطا کرتا ہے اور اگر پہاڑ جتنا سونا صدقہ کیا جائے مگر اس میں اخلاص نہ ہو تو اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا،اس لئے میرؔ کہتے ہیں کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری نماز، تمہارے سجدے اللہ کے دربار میں قبول ہو جائیں اور تمہیں ان کا ثواب ملے تو اس کے لئے تمہاری نیت کا خالص ہونا ضروری ہے اور اگر نیت اللہ کے لئے خالص نہ ہو تو پھر ایسی نمازوں اور سجدوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے،لہٰذا اپنی نیت کی اصلاح کرو اور صرف اللہ کی رضا کے لئے نماز پڑھو اور دیگر عبادات کرو۔ **بقولِ شاعر:**

؎ اسلام ہے پابندیِ اخلاص کا نام　　اور نام ہے اسلام کا نامِ اخلاص

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

3۔　کس طور آنسوؤں میں نہاتے ہیں غم کشاں　اس آبِ گرم میں تو نہ انگلی ڈبویئے

**حوالہ:** غزل : نمبر۲　شاعر : میر تقی میرؔ　ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** کس طَور: کس طرح　غم کشاں: غم اٹھانا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : آنسو، غم، آبِ گرم　لاحقہ: غم کشاں　مرکب توصیفی: آبِ گرم

**تشریح:**

میرؔ کی تمام زندگی چونکہ غموں اور دکھوں میں گزری ہے، بچپن سے لے کر مرتے دم تک جس چیز نے ان سے وفا کی، وہ ان کے غم اور آنسو ہی تھے اور جو آدمی مسلسل دکھوں اور غموں کا شکار ہو، اس کو لوگ تسلیاں دیتے رہتے ہیں اور اُس کے آنسو پونچھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ غمخوار اور ہمدرد لوگ میرؔ کے گرد بھی تھے تو میرؔ اس شعر میں اپنے ہمدردوں اور غمخواروں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم مجھے جھوٹی تسلیاں دے کر میرے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش مت کرو کیونکہ تم ان کی شدت اور حدّت سے واقف نہیں ہو، بظاہر تو میرے آنسو گرم پانی کے کچھ قطروں سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے لیکن دراصل یہ انسان کے دل کو اندر سے جلا کر رکھ دیتے ہیں اور تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ مسلسل رونے والا شخص کس طرح اندر ہی اندر اپنے غموں کی بھٹی میں تڑپتا اور سُلگتا رہتا ہے۔ میرؔ اپنے غم خواروں کو کہنا یہ چاہتے ہیں کہ انسان کے اندر کا طوفان جب حد سے بڑھ جاتا ہے اور ضبط کی ساری کوششیں بے کار چلی جاتی ہیں تو تب انسان کے اندر پکنے والا غموں کا لاوا گرم آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے بہنے لگتا ہے۔ اس لئے مجھ سے میرے غم کی شدت مت پوچھو کیوں کہ اس مسلسل غم کی وجہ سے نکلنے والے آنسو ایسا گرم پانی ہیں جس کی حدّت ہم جیسے غم اٹھانے والے ہی سہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا میرے گرم آنسوؤں میں انگلی ڈبونے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تم میں کتنی برداشت اور ہمت ہے۔

**بقول شاعر:**

ے　سوزِ غم ہی سے مِری آنکھ میں آنسو آئے　سوچتا ہوں کہ اسے آگ کہوں یا پانی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

4۔　اب جانِ جسمِ خاک سے تنگ آ گئی بہت　کب تک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھویئے

**حوالہ:** غزل : نمبر۲　شاعر : میر تقی میرؔ　ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

**حلِ لغت:** خاک: مٹی　ڈھونا: اٹھانا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : جان، جسم، خاک　مترادف الفاظ: خاک، مٹی

مرکب اضافی: جسمِ خاک　استعارہ: اپنے جسم کو مٹی کی ٹوکری کہا ہے

**تشریح:**

اس شعر میں میرؔ زندگی سے اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے مرنے کی خواہش کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس آدمی نے مسلسل غم ہی غم دیکھے ہوں اور سکون کا ایک پل بھی اسے نہ ملا ہو تو وہ زندگی سے بیزار ہو کر مر جانا ہی چاہتا ہے اور میرؔ کی ساری زندگی بھی چونکہ غموں سے عبارت تھی اس لئے میرؔ بھی تنگ آ کر مر جانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب میری کمزور جان مزید غموں کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رکھتی۔ اب میں اپنے جسدِ خاکی سے تنگ آ گیا ہوں اور میں مزید غموں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے اور جب کوئی چیز حد سے زیادہ ہو جائے تو وہ عذاب کی صورت اختیار کر لیتی ہے، لہٰذا میرے یہ مسلسل غم اب میرے لئے ایک عذاب بن چکے ہیں اور میں ان عذابوں کے ساتھ مزید زندہ نہیں رہنا چاہتا، اس لئے میری کمزور جان زندگی کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اصل میں میرؔ اس شعر میں خود کو ایک ایسے شخص کے روپ میں پیش کر رہے ہیں جو کم ہمتی کا شکار ہے اور مایوسی کے گہرے بادل اس کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں، جسے دنیا میں اپنا وجود بے مصرف اور بے وقعت نظر آتا ہے اسی لئے وہ خود کو مٹی کی بے وقعت ٹوکری سے تشبیہ دے رہے ہیں جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ لیکن انسان کو ہر حال میں خدا پر بھروسہ رکھ کر غموں اور دکھوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے اور کسی صورت مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ مایوسی آدمی کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

**بقول شاعر:**

ے　وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے　جس دَور میں جینا مشکل ہو اُس دور میں جینا لازم ہے

ے　ابھی تو گھبرا کر کہتے ہیں مر جائیں گے　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

5۔ آلودہ اس گلی کے جو ہوں خاک سے تو میرؔ　آبِ حیات سے بھی نہ دوے پاؤں دھوئیے

حوالہ: غزل : نمبر۲　شاعر : میر تقی میرؔ　ماخوذ : انتخاب کلامِ میرؔ

حلِ لغت: آلودہ:لت پت　وے:وہ

فنی محاسن: صنعت مراعاۃ النظیر :گلی،خاک　صنعت تلمیح: آبِ حیات　مرکب اضافی: آبِ حیات

تشریح:

میرؔ کے اس شعر کو عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی دونوں کے مفہوم میں لیا جا سکتا ہے۔اگر عشقِ مجازی مراد لیا جائے تو شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ میرؔ کی نگاہ میں محبوب کی گلی کی خاک بھی بڑی عظمت و مرتبے والی ہے۔وہ اس آلودہ پاؤں کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس پر محبوب کے کُوچے کا گرد و غبار لگا ہوا ہو۔اصل میں شاعر کو بڑی مشکل سے محبوب کی گلی تک رسائی حاصل ہوئی ہے، وہ اس بات پر بہت نازاں ہے کہ اسے محبوب کے کوچے میں جانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اس لئے وہ محبوب کی گلی کی ہر نشانی کو سنبھال کر اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے پاؤں کے ساتھ لگی ہوئی محبوب کی گلی کی مٹی مجھے اتنی عزیز ہے کہ اگر مجھے یہ مٹی دھونے کے لئے آبِ حیات بھی دیا جائے تو میں اس سے پاؤں دھو کر محبوب کی نشانی کو نہ مٹاؤں گا۔اور اگر اس شعر سے عشقِ حقیقی کا مفہوم مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس خوش قسمت کو مکہ مدینہ کا سفر نصیب ہو جائے اور اس کے قدموں پر ان مبارک شہروں کی خاک لگ جائے تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے،اس لئے اُسے چاہیے کہ وہ اِن خاک آلودہ قدموں کو آبِ حیات سے بھی نہ دھوئے کیونکہ یہی خاک کل قیامت کے دن اس کی مغفرت کا ذریعہ بنے گی۔لیکن میرؔ کی ذات اور حالات کو مدِ نظر رکھا جائے تو پہلا مفہوم ہی زیادہ مناسب لگتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# غزل: خواجہ میر دردؔ　ماخوذ: دیوانِ دردؔ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** خواجہ میر دردؔ 1720ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔

**فن شاعری:** دردؔ صوفی مزاج کے شاعر ہیں اور ان کی غزلوں میں تغزل صرف تصوف کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ دردؔ کی شاعری وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ انہوں نے محاورہ اور روزمرہ کا کثرت سے استعمال کیا اور نہ صرف غزل کی تہذیبی روایت پیدا کی بلکہ اُسے ارتقا کے اگلے زینے پر چڑھنے کا راستہ بھی دکھایا۔ اردو شاعری کو دردؔ نے ایک ہی دیوان دیا۔ لیکن معیار کے اعتبار سے وہ اتنا بلند پایہ ہے کہ اسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

**وفات:** دردؔ 1785ء کو تقریباً 65 سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

**تصانیف:** شمعِ محفل، آہ سرد، نالۂ درد، واردات، دردِ دل، علم الکتاب

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | خواجہ میر دردؔ 1720ء کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔ | **الف: دہلی** | ب: بنارس |
| ۲۔ | دردؔ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مزاج کے شاعر ہیں۔ | الف: عاشق | **ب: صوفی** |
| ۳۔ | دردؔ نے اردو شاعری کو کتنے دیوان دیئے؟ | **الف: ایک** | ب: تین |
| ۴۔ | کوئی بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا سینے میں کہ ناسور نہ تھا | الف: زخم | **ب: داغ** |
| ۵۔ | واں پہ پہنچا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کا بھی مقدور نہ تھا | **الف: فرشتے** | ب: آدم |
| ۶۔ | قتلِ عاشق کسی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے کچھ دُور نہ تھا | الف: محبوب | **ب: معشوق** |
| ۷۔ | رات مجلس میں ترے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے شعلے کے حضور | **الف: حُسن** | ب: نور |
| ۸۔ | محتسب آج تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں تیرے ہاتھوں | الف: تھانے | **ب: مے خانے** |
| ۹۔ | دردؔ کے ملنے سے اے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ برا کیوں مانا | **الف: یار** | ب: دوست |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: ردیف کسے کہتے ہیں؟ دردؔ کی غزل کی ردیف کی نشاندہی کریں۔**

**جواب:** وہ الفاظ جو کسی غزل کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے کے آخر میں قافیے کے بعد بار بار آئیں، ردیف کہلاتے ہیں۔

**اس غزل کی ردیف:** ''نہ تھا''

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 2: دور، دستور، مذکور اس غزل کے قافیہ ہیں۔ آپ پانچ ہم قافیہ الفاظ لکھیں۔**

**جواب۔** ردا، ہوا، خلا، خدا، ادا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3: کنایہ قریب اور کنایہ بعید میں فرق مثالوں سے واضح کریں۔**

**جواب:** **کنایہ کی تعریف:** کنایہ لغت میں ''چھپی ہوئی بات'' کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں کنایہ ان الفاظ کو کہتے ہیں جن کو مجازی معنی میں استعمال کیا جائے لیکن ان سے حقیقی معنی بھی مراد لئے جاسکیں۔

**کنایہ قریب:** کنایہ قریب سے مراد وہ کنایہ ہے جو آسانی سے سمجھ آجائے مثلاً بوڑھے آدمی کو سفید ریش کہنا۔

**کنایہ بعید:** کنایہ بعید سے مراد وہ کنایہ ہے جو فوراً سمجھ نہ آئے بلکہ غور و فکر کے بعد سمجھ آئے۔ مثلاً غصے کی حالت میں کسی کا یوں کہنا ''میں بدلہ لوں گا، میں نے کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں'' چوڑیاں خواتین پہنتی ہیں وہ عام طور پر بزدل ہوتی ہیں۔ تو اس جملے میں چوڑیاں پہننا بزدلی کے کنایہ کے طور پر آیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س4: اس غزل کے قوافی لکھیں۔**

**جواب:** قوافی، قافیہ کی جمع ہے۔ اور اس غزل کے قوافی درج ذیل ہیں۔

**غزل کے قوافی:** دور، دستور، نور، مذکور، مقدور، ناسور، چُور، منظور

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س5: مندرجہ ذیل کی تعریف کریں اور دو دو مثالیں دیں۔ مراعاۃ النظیر، حُسنِ تعلیل، لف و نشر، تلمیح، تضمین**

**جواب:** **مراعاۃ النظیر:**

جب شاعر کلام میں ایک چیز کا ذکر کرے اور پھر اس کی مناسبت سے ایسی مختلف چیزوں کا ذکر کرے، جن میں باہم کوئی تضاد نہ ہو۔

**مثال 1۔** زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ — جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

**وضاحت:** اس شعر میں کوہ کن کی مناسبت سے جوئے شیر، تیشہ اور سنگِ گراں کا ذکر آیا ہے۔

**مثال 2۔** ہو مرا ریشۂ امید، وہ نخلِ سر سبز — جس کی ہر شاخ میں ہو پھول، ہر اک پھول میں پھل

**وضاحت:** اس شعر میں نخل کی مناسبت سے شاخ، پھول اور پھل کا ذکر آیا ہے

**حُسنِ تعلیل:**

جب شاعر کلام میں کسی بات کی کوئی ایسی وجہ بیان کرے جو حقیقت پر مبنی نہ ہو لیکن شعر کی خوبصورتی میں اضافہ کرے، حُسنِ تعلیل کہلاتی ہے۔

**مثال 1۔** بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا ہے — کوئی بے تاب تہہِ خاک تڑپتا ہوگا

**وضاحت:** اس شعر میں زلزلہ آنے کی ایسی وجہ بیان کی گئی ہے، جو حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

**مثال 2۔** نکلتا ہے سورج صبح مشرق سے اس لئے — کہ کھلے عام حُسنِ یار کا دیدار کرے

**وضاحت:** اس شعر میں سورج کے طلوع ہونے کی ایسی وجہ بیان کی گئی ہے جو حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

**لف و نشر:**

جب شاعر کچھ چیزوں کا ذکر پہلے مصرعے میں کرے، پھر ان کی مناسبت سے اتنی ہی چیزوں کا ذکر دوسرے مصرعے میں کرے تو اسے لف و نشر کہتے ہیں

**مثال 1۔** غازہ و سرخی و سُرمہ بھی مجھے چاہیے — اپنے رخسار و لب و چشم سجانے کے لئے

**وضاحت:** اس شعر میں غازہ کی مناسبت سے رخسار، سرخی کی مناسبت سے لب اور پھر سُرمہ کی مناسبت سے چشم کا ذکر کیا گیا ہے۔

**مثال 2۔** بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں — تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں

**وضاحت:** اس شعر میں بت شکن کی مناسبت سے ابراہیمؑ اور بت گر کی مناسبت سے آذر کا ذکر کیا گیا ہے۔

**تلمیح:**

جب شاعر اپنے شعر میں کوئی ایسا لفظ لائے، جس سے کسی بھی تاریخی، سیاسی، مذہبی واقعے کی طرف اشارہ ہو تو اسے تلمیح کہتے ہیں۔

**مثال 1۔** بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

**وضاحت:** اس شعر میں ''آتشِ نمرود'' کے لفظ سے حضرت ابراہیمؑ کے اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب آپ کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا۔

**مثال 2۔** کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

**وضاحت:** اس شعر میں کوہِ طور کے لفظ سے اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب موسیٰؑ طور پہاڑ پر اللہ کی ملاقات کو گئے تھے۔

**تضمین:**

جب شاعر کسی دوسرے شاعر کے مصرعے کو اپنے مصرعے کے ساتھ ملا کر شعر مکمل کرے تو یہ تضمین کہلاتا ہے۔

**مثال 1۔** بنا ہے کوٹ یہ نیلام کی دکان کے لئے ''صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے''

**وضاحت:** اس شعر کا پہلا مصرعہ سید محمد جعفری اور دوسرا مصرعہ مرزا غالب کا ہے۔

**مثال 2۔** جس لڑکی کو دیکھا میں نے اُس کی شادی ہوگئی ''نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں''

**وضاحت:** اس شعر کا پہلا مصرعہ سید سلیمان گیلانی کا ہے اور دوسرا مصرعہ علامہ اقبال کا ہے۔

**نوٹ:** دوسرے شاعر کے مصرعے کو ہمیشہ واوین میں لکھا جاتا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

**1۔ قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دُور نہ تھا پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا**

**حوالہ:** شاعر : خواجہ میر دردؔ ماخوذ : دیوانِ درد

**حلِ لغت:** عہد: زمانہ دستور: طریقہ، قانون

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: عاشق، معشوق مرکب اضافی: قتلِ عاشق

**تشریح:**

اس شعر میں دردؔ روایتی معشوقوں کی بے دردی اور سفاکی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپنے عاشق کو قتل کر ڈالنا کسی بھی معشوق کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا یعنی اگر کوئی معشوق اپنے عاشق کو مار ڈالے تو یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے لیکن آج تک کسی معشوق نے ایسا کیا نہیں ہے۔ مگر اے میرے محبوب! اب یہ رسم تجھ سے شروع ہوگئی ہے کہ تُو نے مجھے محبت میں دکھ دے دے کر مار ہی ڈالا ہے، ورنہ اس سے پہلے یہ بات کبھی سننے میں نہیں آئی تھی کہ کسی معشوق نے سچ میں اپنے عاشق کو قتل کر دیا ہو۔ عشق و محبت کا کھیل تو ازل سے چلا آ رہا ہے اور اس کھیل میں معشوق اپنے دل کی تسکین کے لئے عاشق کو مختلف طریقوں سے آزماتا رہتا ہے اور اسے تنگ کر کے لطف حاصل کرتا ہے مگر کوئی معشوق اتنا سنگ دل اور ظالم نہیں ہوتا کہ اپنے عاشق کا خون ہی کر دے لیکن اے میرے محبوب! تم نے اس روایت کو توڑ کر ایک انوکھا طرزِ ستم ایجاد کیا ہے اور اپنی بے رخی اور بے وفائی سے میری تمناؤں اور ارمانوں کا خون کر دیا ہے۔ **بقول شاعر:**

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ ؎ تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**2۔ رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا**

**حوالہ:** شاعر : خواجہ میر دردؔ ماخوذ : دیوانِ درد

**حلِ لغت:** حضور: سامنے شمع: چراغ نور: روشنی

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : شمع، شعلہ، نور

**تشریح:** دردؔ اس شعر میں اپنے محبوب کے حسن کی تعریف میں انتہائی مبالغہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رات محفل میں شمع روشن تھی مگر جب میرا محبوب اس محفل میں آیا تو شمع کی روشنی میرے محبوب کے حُسن کے سامنے ماند ہو کر رہ گئی۔ اس شعر میں شاعر محبوب کے چہرے کو شمع کے نور سے بھی زیادہ روشن قرار دے رہے ہیں اور یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان جس کو چاہتا ہے، وہ اس کو دنیا کی سب سے خوبصورت ہستی دکھائی دیتی ہے۔ جیسے مجنوں سے کسی نے کہا تھا کہ تم نے ایک عام سی سانولی لڑکی کے لئے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے تو جواب میں مجنوں نے اتنا کہا تھا کہ کاش تم نے لیلیٰ کو میری آنکھ سے دیکھا ہوتا تو کبھی ایسا نہ کہتے۔ بالکل اسی طرح شاعر نے اپنے انداز سے محبوب کے حُسن کی تعریف کی ہے کہ جیسے چاند نکلتا ہے تو چاند کی روشنی میں ستارے ماند پڑ جاتے ہیں اور جب سورج طلوع ہوتا ہے تو چاند کی روشنی گم ہو جاتی ہے تو اسی طرح محفل کو شمع کے نور نے روشن کیا ہوا تھا مگر جب میرا محبوب اپنے حُسن کی تابانیوں سمیت محفل میں جلوہ گر ہوا تو شمع کی روشنی اس کے سامنے گم ہو کر رہ گئی۔

**بقول شاعر:** تیرے ہوتے ہوئے محفل میں جلاتے ہیں چراغ ؎ لوگ کیا سادہ ہیں سورج کو دکھاتے ہیں چراغ

**3۔ ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن     میں جو پہنچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا**

**حوالہ:** شاعر : خواجہ میر دردؔ     ماخوذ : دیوانِ درد

**حلِ لغت:** صریحاً: واضح     مذکور: جس کا ذکر کیا جائے

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : ذکر، مذکور     اسم اشارہ: یہ، وہ

**تشریح:**

یہ قانونِ فطرت ہے کہ عاشق کی سچی محبت کا اثر کسی نہ کسی انداز میں محبوب پر ضرور ہوتا ہے اور محبوب اپنے دوستوں کی مجلس میں اپنے عاشق کا ذکر کسی نہ کسی حوالے سے ضرور کرتا ہے تو دردؔ اس شعر میں اسی بات کو بیان کر رہے ہیں کہ میرا محبوب بھی میری محبت میں مبتلا ہو چکا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اکثر اپنے دوستوں کی مجلس میں میری باتیں کرتا رہتا ہے، مگر میں جب اس مجلس میں جاتا ہوں تو وہ موضوع بدل دیتا ہے اور نہایت بے رخی سے کہہ دیتا ہے کہ میں اس کا ذکر نہیں کر رہا تھا میرا مذکور تو کوئی اور تھا۔ شاعر کہتے ہیں کہ میرا محبوب جان بوجھ کر میری محبت کا اقرار نہیں کرتا، کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں نے اقرارِ محبت کر لیا تو شاید میری قدر و منزلت عاشق کے دل میں پہلی جیسی نہ رہے کیونکہ وہ اس انسانی نفسیات سے واقف ہے کہ آدمی کی نگاہ میں اسی چیز کی قدر و اہمیت ہوتی ہے جو اس کی پہنچ میں نہ ہو۔ اور جب اس چیز کو آدمی حاصل کر لیتا ہے تو وہ چیز اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھتی ہے۔ **بقول شاعر:**

؎ دنیا جسے کہتے ہیں جادو کا کھلونا ہے     مل جائے تو مٹی ہے کھو جائے تو سونا ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**4۔ باوجودے کہ پروبال نہ تھے آدم کے     واں پہ پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا**

**حوالہ:** شاعر : خواجہ میر دردؔ     ماخوذ : دیوانِ درد

**حلِ لغت:** باوجودیکہ: اس کے باوجود     مقدور: قدرت، طاقت

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : پَر، فرشتہ     صنعت تضاد: آدم، فرشتہ     صنعت تلمیح: واقعۂ معراج کی طرف اشارہ ہے     مرکب عطفی: پروبال

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر واقعہ معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عظمتِ انسان کا مضمون بیان کر رہے ہیں کہ بے شک فرشتوں کو اللہ نے نور سے بنایا ہے اور اڑان کے لئے ان کو پروبال عطا کئے ہیں۔ لیکن اس خاکی مخلوق آدم کو اشرف المخلوقات بنا کر اللہ نے جو عظمت عطا فرمائی ہے وہ کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں ہوئی کہ معراج والی رات جبرائیلؑ حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے مگر ''سدرۃ المنتہیٰ'' والے مقام پر پہنچ کر جبرئیلؑ کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اب اس سے آگے جانا میرے بس کی بات نہیں، اگر میں نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو میرے پر جل جائیں گے۔ چنانچہ جبرئیلؑ یہاں رک گئے اور اس جگہ سے آگے حضور ﷺ اکیلے ہی تشریف لے گئے۔ تو اس واقعے کی طرف اشارہ کر کے شاعر عظمتِ انسان بیان کر رہے ہیں کہ نوری مخلوق سے بھی زیادہ رتبہ آدم کا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنا مقام پہچانے اور ایسے کام نہ کرے جن کی وجہ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جائے۔ **بقول شاعر:**

؎ عشق کی اک جست نے کر دیا قصہ تمام     اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**5۔ پرورشِ غم کی ترے یاں تئیں تو کی دیکھا     کوئی بھی داغ تھا سینے میں کہ ناسور نہ تھا**

**حوالہ:** شاعر : خواجہ میر دردؔ     ماخوذ : دیوانِ درد

**حلِ لغت:** داغ: زخم، نشان     ناسور: مسلسل بہنے والا زخم

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : داغ، ناسور     حرفِ بیان: کہ

**تشریح:** اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ جب میں تیری محبت میں مبتلا ہوا اور تیرے سامنے اپنے دل کا حال رکھا تو تُو نے جواب میں بے رخی دکھائی تو لاچار ہو کر میں نے تیرے عشق کی گھٹن اور جلن کو اپنے سینے میں دبانے کی بہت کوشش کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عشق کی آگ نے میرے سینے کو داغ داغ کر دیا اور یہ داغ بالآخر ناسور کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ جب کوئی زخم پرانا ہو جائے اور اس کا علاج نہ کیا جائے تو وہ ناسور بن جاتا ہے جو ہر پل رِستا رہتا ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہ رہا ہے کہ تیرے عشق کی آگ ہر پل مجھے جلاتی رہتی ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا جس میں مجھے چین و قرار نصیب ہو۔ ہر وقت دردِ عشق کی ٹیسیں اٹھتی رہتی ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب انسان عشق کی وادی میں قدم رکھتا ہے اور محبوب کی محبت میں سچے دل سے گرفتار ہوتا ہے تو محبوب کی بے رخی اس کو کسی پل چین نہیں لینے دیتی

اور یہ یک طرفہ محبت آخر کار ایک ایسا روگ بن جاتی ہے جو جان لے کر ہی چھوڑتی ہے۔ **بقول شاعر:**

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا — دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**6۔ محتسب آج تو مہ خانے میں تیرے ہاتھوں — دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا**

**حوالہ:** شاعر: خواجہ میر دردؔ — ماخوذ: دیوانِ درد

**حلِ لغت:** محتسب: قاضی، کوتوال — مے خانہ: شراب خانہ

**فنی محاسن:** صنعت تشبیہ: دل کے ٹوٹنے کو شیشے کے ٹوٹنے کی مانند قرار دیا ہے — لاحقہ: مے خانہ — حرف بیان: کہ

**تشریح:**

شاعروں کی عادت رہی ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اکثر قاضی، زاہد، ناصح اور واعظ پر چوٹ کرتے رہتے ہیں۔ تو اس شعر میں دردؔ بھی قاضی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم نے آج بڑی خراب حرکت کی ہے کہ جو لوگ اپنے غم غلط کرنے شراب خانے جاتے ہیں اور شراب سے دل بہلاتے ہیں تم نے ان کی شراب کی بوتلیں توڑ دیں اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ ان غم کے ستائے ہوئے لوگوں کے ساتھ تمہارا یہ سلوک بہت ناجائز تھا۔ انہوں نے تو صرف شراب پینے کا گناہ کیا ہے لیکن تمہارے سخت رویے نے ان کے دل توڑ دیئے ہیں اور کسی کا دل توڑنا شراب پینے سے بڑا گناہ ہے۔ اس لئے دوسروں کی اصلاح سے پہلے تم اپنے رویئے کی اصلاح کرو۔ شاعر دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر کسی برے شخص کی اصلاح کرنی بھی ہو تو اس سے ایسا رویہ نہیں اپنانا چاہیے کہ جس سے اس کا دل دُکھے بلکہ نرم انداز اختیار کر کے اُسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ **بقول شاعر:**

ناصح تجھے آتے نہیں آدابِ نصیحت — ہر لفظ ترا دل میں چبھن چھوڑ رہا ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**7۔ دردؔ کے ملنے سے اے یار! برا کیوں مانا — اس کو کچھ اور سوا دید کے، منظور نہ تھا**

**حوالہ:** شاعر: خواجہ میر دردؔ — ماخوذ: دیوانِ درد

**حلِ لغت:** یار: دوست — دید: دیدار

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: ملنا، دید — حرف ندا: اے — استعارہ: محبوب کو یار کہا ہے

**تشریح:**

جب کوئی انسان سچے دل سے کسی کے عشق میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ ہر لمحہ اپنے محبوب کو ہی سوچتا رہتا ہے اور اس کی یاد میں بے قرار رہتا ہے اور اپنے محبوب کے چہرے کا دیدار کر کے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانا چاہتا ہے۔ کچھ اسی قسم کی کیفیت میں شاعر بھی مبتلا ہے کہ شاعر اپنے محبوب کے عشق کی آگ میں بری طرح جل رہا ہے اور محبوب کے حسین چہرے کا دیدار کر کے اپنے دل کو تسکین پہنچانا چاہتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے شاعر کا محبوب بہت سخت دل واقع ہوا ہے اور اسے شاعر کا بار بار ملاقات کے لئے آنا بالکل پسند نہیں ہے۔ اسی لئے اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! تم میرے بار بار آنے کا برا کیوں مناتے ہو؟ میں صرف تمہارے دیدار کی خواہش لئے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے در پر حاضری دیتا ہوں۔ اس حسرتِ دیدار کے علاوہ میرے دل میں اور کوئی غلط جذبہ نہیں ہے۔ لہٰذا تم میری اس معصوم سی خواہش پر ناراض نہ ہوا کرو اور اپنے خوبصورت چہرے کا دیدار کروا کے میرے بے قرار دل کو قرار بخش دیا کرو کیونکہ میں صرف تمہارے حُسن کے دیدار کا شیدائی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ **بقول شاعر:**

جناب کے رخِ روشن کی دید ہو جاتی — تو ہم سیاہ نصیبوں کی عید ہو جاتی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# غزل: شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** غلام ہمدانی مصحفیؔ 1751ء کو موضع اکبر پور میں پیدا ہوئے۔

**فن شاعری:** مصحفیؔ کی غزلوں میں روانی اور اشعار میں ترنم پایا جاتا ہے۔آپ کا اسلوب نہایت سلیس اور تخلیقی نفاست کا حامل ہے۔آپ کے لہجے میں ایک دھیما پن اور ٹھہراؤ ہے جو غزل میں ایک طلسماتی فضا کر دیتا ہے۔اس کے علاوہ آپ کی غزلیں دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ایک طرف دبستانِ دہلی کا سوز و گداز نمایاں ہے تو دوسری طرف دبستانِ لکھنؤ کی پیکر تراشی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔

**وفات:** مصحفیؔ تقریباً 93 برس کی عمر پا کر 1844ء کو فوت ہوئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | مصحفیؔ کا پورا نام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھا۔ | **الف: شیخ غلام ہمدانی** | ب: شیخ اکبر |
| ۲۔ | ان کی غزل میں ایک طرف دبستانِ دلی کا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ | الف: خمار | **ب: سوز و گداز** |
| ۳۔ | مصحفیؔ کے بہت سے اشعار کو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی حیثیت حاصل ہے۔ | **الف: ضرب المثل** | ب: محاورے |
| ۴۔ | ناگہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں جب وہ گل اندام آ گیا | الف: خواب | **ب: چمن** |
| ۵۔ | خورشید کف کے بیچ لئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آ گیا | **الف: جام** | ب: نام |
| ۶۔ | لبِ بام کون سا مرکب ہے؟ | الف: عطفی | **ب: اضافی** |
| ۷۔ | ہے جائے رحم حال پہ یاں اس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے | **الف: اسیر** | ب: عاشق |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: مصحفیؔ کی شاملِ نصاب غزل میں جو تراکیب استعمال ہوئی ہیں، انہیں الگ کریں اور معنی بھی لکھیں۔**

**جواب:**

| | |
|---|---|
| ۱۔گلِ اندام | پھولوں کے جسم والا |
| ۲۔شکستِ رنگ | رنگ کی ہار/شکست |
| ۳۔پُرخمار | نشے میں ڈوبا ہوا |
| ۴۔مستِ خواب | نیند میں مدہوش |
| ۵۔لبِ بام | چھت کا کنارا |
| ۶۔تہہِ دام | جال کے نیچے |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 2: مصحفیؔ کی غزل میں ردیف اور قافیوں کی نشاندہی کریں۔**

**جواب۔** مصحفیؔ کی غزل کی ردیف اور قافیے درج ذیل ہیں۔

**قوافی:** اندام، پیغام، جام، بام، دام، کام، شام

**ردیف:** آ گیا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س3: اس غزل میں سے چند مرکبات اضافی لکھیں۔**

**جواب:** مصحفی کی اس غزل میں سے چند مرکباتِ اضافی درج ذیل ہیں۔

**مرکبات اضافی:** شکستِ رنگ، مستِ خواب، آفتابِ عمر، تہہِ دام، لبِ بام

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**4۔ درج ذیل الفاظ وتراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔**

| الفاظ وتراکیب | | جملے |
|---|---|---|
| **گل اندام** | | جنت کی حُوراتنی حسین ہے کہ گل اندام کا خطاب اُسی پہ جچتا ہے۔ |
| **پرخمار** | | شاعر حضرات محبوب کی پُرخمار آنکھوں کی تعریف میں بے حد مبالغہ کرتے ہیں۔ |
| **کف** | | جولوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وہ بعد میں کفِ افسوس ملتے ہیں۔ |
| **تہہِ دام** | | پرندہ تہہِ دام تو آ گیا تھا مگر گرفت ڈھیلی پڑنے پر اُڑ گیا۔ |
| **اسیر** | | خدا ہمیں اپنی محبت کا اسیر بنا دے۔ |
| **آفتابِ عمر** | | آفتابِ عمر ڈھلنے سے پہلے ہی آخرت کی تیاری کر لینی چاہیے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**5۔ مصحفی کی غزل کے دوسرے شعر میں جس صنعت کا استعمال ہوا ہے، اس کی تعریف کر کے دو مثالیں دیں۔**

**جواب۔** مصحفی کی غزل کا دوسرا شعر درج ذیل ہے۔

اُٹھا جو صبح خواب سے وہ مست پرخمار　　خورشید کف کے بیچ لئے جام آ گیا

اس شعر میں صنعت مراعاۃ النظیر کا استعمال ہوا ہے کیونکہ شاعر نے جام کی مناسبت سے مست اور پرخمار کے الفاظ لائے ہیں۔

**صنعت مراعاۃ النظیر کی تعریف:**

جب شاعر کلام میں ایک چیز کا ذکر کرے اور پھر اس کی مناسبت سے ایسی مختلف چیزوں کا ذکر کرے، جن میں باہم کوئی تضاد نہ ہو۔

**مثال1۔** زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ　　جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

**مثال2۔** پتا پتا بُوٹا بُوٹا حال ہمارا جانے ہے　　جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ''اشعار کی تشریح''

**1۔ ناگہ چمن میں جب وہ گل اندام آ گیا　　گل کو شکستِ رنگ کا پیغام آ گیا**

**حوالہ:** شاعر : غلام ہمدانی مصحفی

**حلِ لغت:** ناگہ: اچانک　　چمن: باغ　　گل اندام: پھولوں کے جسم والا

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : چمن، گُل، رنگ　　استعارہ: محبوب کو گُل اندام کہا ہے　　مرکب اضافی: شکستِ رنگ

**تشریح:**

شاعر اس شعر میں روایتی انداز میں اپنے محبوب کے حُسن و جمال کی تعریف کر رہے ہیں اور اپنے محبوب کی خوبصورتی کا موازنہ باغ کے پھول سے کرتے ہوئے اسے پھول سے بھی زیادہ حسین وجمیل قرار دے رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ کسی باغ میں پھول کِھلا تو اسے اپنے اردگرد موجود ہر چیز خوبصورتی کے اعتبار سے خود سے کم نظر آئی لہٰذا وہ اپنے حُسن و جمال پر غرور کرنے لگا اور یہ سمجھنے لگا کہ اس دنیا میں مجھ سے زیادہ حسین اور کوئی نہیں ہے۔ مگر اچانک ایک دن میرا محبوب اس باغ میں سیر کرنے کے لئے آیا تو اس خوبصورت نرم و نازک پھول (محبوب) کو دیکھ کر باغ کے پھول نے ہار مان لی اور باغ کے پھول کا حُسن میرے محبوب کے حُسن کے سامنے ماند پڑ گیا۔ اور پھول کو بھی یہ پیغام مل گیا کہ اب تمہارے حُسن و جمال کا جادو نہیں چلے گا کیونکہ اس باغ میں اب تم سے بھی زیادہ حُسن و جمال والا آ گیا ہے۔

**بقول شاعر:** ؎　برابری کا تری گل نے جب خیال کیا　　صبا نے مار طمانچے منہ اس کا لال کیا

2۔ اٹھا جو صبح خواب سے وہ مست پُرخمار　خورشید کف کے بیچ لئے جام آ گیا

**حوالہ:** شاعر : غلام ہمدانی مصحفی

**حلِ لغت:** خواب: نیند　پُرخمار: نشے میں ڈوبا ہوا　خورشید: سورج　کف: ہتھیلی　جام: پیالہ

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: جام، مست، پُرخمار　سابقہ: پُرخمار　اسم اشارہ: وہ

**تشریح:**

شاعر اس شعر میں اپنے محبوب کی صبح کے وقت جاگنے کی کیفیت کو بیان کر رہا ہے کہ آج میرا محبوب جب صبح کے وقت جاگا تو اس کی مستی بھری نگاہوں میں ایک خاص نشہ تھا جو اس کے حُسن کو چار چاند لگا رہا تھا اور اس روپ میں میرا محبوب وہ قیامت ڈھا رہا تھا کہ انسان تو انسان کائنات کی باقی چیزیں بھی اس کے اوپر صدقے واری ہو رہی تھیں۔ اور آسمان پر چمکنے والے سورج کی نگاہ جب میرے محبوب پر پڑی تو وہ بھی میرے محبوب کے حُسن کی تاب نہ لا سکا اور اس کی خوشنودی کے حصول کی خاطر ہاتھ میں صبح کے وقت پی جانے والی شراب "صبوحی" کا پیالہ لے کر حاضر ہو گیا تاکہ میرا محبوب اسے پی کر اپنی نیند کے خمار کو دور کر سکے۔ یا یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ سورج ہاتھ میں شراب کا جام لے کر اس لئے آیا تاکہ میرے محبوب کی آنکھوں کا یہ نشہ مزید گہرا ہو جائے اور عاشق اس کے جلوے سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ **بقول شاعر:**

ے اُف میرے محبوب کی بیداری کا عالم　آفتاب و مہتاب نشے میں ہوں جیسے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

3۔ افسوس ہے کہ ہم تو رہے مستِ خوابِ صبح　اور آفتابِ عمر لبِ بام آ گیا

**حوالہ:** شاعر : غلام ہمدانی مصحفی

**حلِ لغت:** مست: مدہوش　لب: کنارہ　بام: چھت　آفتاب: سورج

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: صبح، آفتاب　مرکبات اضافی: خوابِ صبح، لبِ بام، آفتابِ عمر　حرف بیان: کہ

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر انسانی غفلت کو بیان کر رہا ہے کہ عام طور پر انسان ساری عمر بے کار عیش و عشرت میں ضائع کر دیتا ہے۔ نہ دنیا کی فکر کرتا ہے اور نہ آخرت کی۔ اور انسان خود کو بھی یہ کہہ کر تسلی دیتا رہتا ہے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے چنانچہ جوانی کے نشے میں مست ہو کر انسان اپنے روز و شب برباد کرتا رہتا ہے اور اسے یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس کی زندگی کا سورج بہت جلد غروب ہونے کو ہے۔ اور جب زندگی کی شام ہونے لگتی ہے تو اس وقت انسان افسوس کرتا ہے اور پچھتاوا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ اس شعر میں شاعر نے انسان کی زندگی کو دن سے تشبیہ دی ہے۔ صبح انسان کا بچپن ہے اور دوپہر انسان کی جوانی کا وقت ہے جبکہ سورج کا ڈھل کر غروب ہو جانا انسان کا بڑھاپے سے موت تک کا سفر ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ اپنی عمر کے یہ پل برباد نہ کرے۔ دنیا میں بھی کچھ کر کے جائے اور آخرت کے سفر کو بھی اپنے دھیان میں رکھے۔ ورنہ یہ وقت بڑی تیزی سے گزر جائے گا اور بعد میں پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ **بقول شاعر:**

ے صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے　زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

4۔ ہے جائے رحم حال پہ یاں اُس اسیر کے　جو گرتے ہی ہوا سے تہہ دام آ گیا

**حوالہ:** شاعر : غلام ہمدانی مصحفی

**حلِ لغت:** اسیر: قیدی　تہہ دام: جال کے نیچے

**فنی محاسن:** مرکب اضافی: تہہِ دام　ذو معنی لفظ: دام　معنی ۱: قیمت　معنی ۲: جال

**تشریح:**

شاعر اس شعر میں انسان کی عشق میں ہونے والی کیفیت کو سمجھانے کے لئے ایک پرندے کی مثال دے رہا ہے کہ اُس قیدی پرندے پر سب کو بہت رحم آتا ہے جو بے چارہ صبح اپنے گھونسلے سے خوراک کی تلاش میں نکلا ہو لیکن جونہی ایک اڑان کے بعد وہ دانے کو دیکھ کر نیچے اُترا تو شکاری کے بچھائے ہوئے جال میں قید ہو گیا۔ اسے دانہ پانی بھی نصیب نہ ہوا اور اس کی آزادی بھی سلب ہو گئی۔ بالکل اسی طرح اس شخص کی زندگی کتنی اذیت ناک ہو گی جس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا اور وہ کسی کی محبت کا اسیر ہو گیا اور اس عشق میں اسے طرح طرح کی آزمائشوں اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ جب عین جوانی میں کوئی عشق میں گرفتار ہو جائے تو

اس کی زندگی سے چین وسکون رخصت ہو جاتا ہے اور وہ ہر وقت محبوب کی یاد میں تڑپتا رہتا ہے۔محبوب کا خیال اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتا۔محبوب اگر پاس ہو تو اس کے دور چلے جانے کا ڈر ہوتا ہے اور محبوب اگر نظروں سے دور ہو تو یہ دوری نا قابلِ برداشت اذیت بن جاتی ہے۔سو عاشق کی حالت قابلِ رحم ہی ہوتی ہے۔

**بقول شاعر:**

؎ دل لگانے سے بہتر تھا　آگ لگا دیتا اس دل کو

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**5۔ سمجھو خدا کے واسطے پیارے برا نہیں　دو دن اگر کسی کے کوئی کام آ گیا**

**حوالہ:** شاعر : غلام ہمدانی مصحفی

**حلِ لغت:** خدا کے واسطے: خدا کے لئے

**فنی محاسن:** صنعت سیاقۃ الاعداد: دو　مرکب عددی: دو دن

**تشریح:**

مصحفی اس شعر میں محبوب کو خدا کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ تیرے عشق کی آگ میں جل جل کر میری حالت بڑی غیر ہو چکی ہے۔مجھے کسی پل بھی سکون و آرام میسر نہیں ہے۔اور تم ہو کہ مسلسل بے رخی ہی کئے جا رہے ہو،تمہیں میری اس خراب حالت کی پرواہ ہی نہیں ہے اور تم مجھ پر توجہ بھری نگاہ ہی نہیں ڈالتے۔اس لئے اے میرے پیارے محبوب! ذرا غور سے سنو اللہ بھی اس بندے کو پسند کرتا ہے جو دوسروں کے کام آتا ہے،اس لئے تم مجھ پر ترس کھاؤ اور دو چار دن مجھ سے ہنس بول لو تو اللہ بھی تم سے راضی ہوگا اور میرا دل بھی خوش ہو جائے گا۔اور اس شعر کا دوسرا عمومی مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاعر سب انسانوں کو تلقین کر رہا ہے کہ اس مختصر سی زندگی میں سب کے کام آؤ اور لوگوں کے دکھ درد بانٹو اور حتی المقدور دوسروں کی مدد کرو کیوں کہ جو انسان دوسروں کی مدد امداد میں لگا رہتا ہے تو خدا بھی اُس سے راضی ہوتا ہے اور خدا کی مخلوق بھی اسے اچھے الفاظ میں یاد کرتی ہے۔**بقول شاعر:**

؎ اپنے لئے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں　ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**6۔ کر قطع کب گیا ترے کوچے سے مصحفی　گر صبح کو گیا، وہیں پھر شام آ گیا**

**حوالہ:** شاعر : غلام ہمدانی مصحفی

**حلِ لغت:** قطع: ختم کرنا　کُوچہ: گلی

**فنی محاسن:** صنعت تضاد: صبح،شام　علامتِ سوالیہ: ؟

**تشریح:**

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ تم رقیب کی باتوں میں بہت جلد آ جاتے ہو اور یہ سمجھنے لگتے ہو کہ میں تم سے سب تعلق ختم کر کے تمہاری گلی ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں،مگر یہ سب حقیقت نہیں ہے کیونکہ یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ میں تم سے محبت کا رشتہ ختم کر لوں۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ آخر میں بھی انسان ہوں اس لئے بعض اوقات تمہاری بے رخی سے رنجیدہ ہو کر چلا جاتا ہوں،لیکن وہ بھی صرف شام تک،کیونکہ اس سے زیادہ میرا دل مجھے تیری گلی سے دور رہنے کی اجازت نہیں دیتا اور میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شام کو پھر تیری گلی کا رُخ کر لیتا ہوں اور صبح کا بھولا اگر شام کو واپس آ جائے تو اسے بُھولا نہیں کہا جاتا۔اس لئے تم میری طرف سے بدگمان مت ہو کیونکہ میں چاہ کر بھی تم سے دور نہیں جا سکتا۔میں تمہاری محبت کی زنجیر سے ایسا بندھا ہوا ہوں کہ اگر میں دور جاؤں بھی تو تمہاری محبت کی زنجیر مجھے واپس تمہاری گلی کی طرف کھینچ لیتی ہے لہٰذا اوروں کی باتوں میں آ کر مجھ سے بدگمان مت ہو۔**بقول شاعر:**

؎ روز کہتا ہوں اب اس کی گلی کو نہ جاؤں گا کبھی　روز اس کے کوچے میں اک کام نکل آتا ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

# غزل: مرزا اسد اللہ خان غالبؔ　ماخوذ: دیوانِ غالب

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** مرزا غالبؔ 27 دسمبر 1797ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ غالبؔ کے آباؤ اجداد ترک سلجوق تھے جو مغلیہ دَور میں ماوراءالنہر سے ہندوستان آئے تھے۔ آپ کے چچا نصر اللہ بیگ شاہی فوج میں رسالدار تھے۔ جب کہ نوابانِ لوہارو سے مرزا غالب کا سسرالی رشتہ تھا۔

**فن شاعری:** آپ کا شمار اردو کے عظیم شعراء میں ہوتا ہے۔ خیال کی بلندی، روزمرہ اور محاورات کا استعمال اور طرزِ ادا کی شوخی نے آپ کو باقی شعراء سے منفرد بنا دیا ہے۔ آپ کی شاعری کی ایک اہم خوبی ''محاکات'' ہے کہ آپ لفظوں سے تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔

**وفات:** غالبؔ تقریباً 72 برس کی عمر پا کر 1869ء کو فوت ہوئے اور دہلی میں دفن کئے گئے۔

**تصانیف:** دیوانِ غالب، اردوئے معلیٰ، عُودِ ہندی، لطائفِ غیبی، کلیاتِ غالب، قاطع برہان

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

**س۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | مرزا اسداللہ خان غالبؔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔ | الف: دہلی | **ب: آگرے** |
| ۲۔ | شاہی دربار سے نجم الدولہ اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خطاب پائے۔ | الف: شعرالعجم | **ب: دبیرالملک** |
| ۳۔ | غالبؔ کے آباؤ اجداد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تھے۔ | **الف: ترک سلجوق** | ب: عربی |
| ۴۔ | غالبؔ کی شاعری کی ایک اہم خوبی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ | **الف: محاکات** | ب: لطافت |
| ۵۔ | حد چاہیے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں عقوبت کے واسطے | **الف: سزا** | ب: محبت |
| ۶۔ | بہت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے | الف: شرمندہ | **ب: بے آبرو** |
| ۷۔ | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں | **الف: خاک** | ب: افسوس |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل　انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں**

غالب کے اس شعر کی تشریح کریں، نیز بتائیں کہ اس میں علمِ بیان کی کون سی خوبی پائی جاتی ہے؟

**جواب:** شعر کی تشریح آگے ملاحظہ کریں۔

**علم بیان کی خوبی:**

اس شعر میں غالبؔ خود کو پیالہ و ساغر سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ یعنی اس شعر میں علم بیان کی صفتِ تشبیہ استعمال ہوئی ہے۔ انسان ''مشبہ''، پیالہ و ساغر ''مشبہ بہ'' اور گردش ''وجہ تشبیہ'' ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 2: مندرجہ ذیل مصرعوں کا مفہوم واضح کریں۔**

**جواب۔** تشریحِ اشعار میں ان مصرعوں کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 3: غالب کی پہلی غزل کی ردیف تحریر کریں۔**

**جواب:** غالب کی پہلی غزل کی ردیف ''نہیں ہوں میں'' ہے۔

**س4: غالب کی دوسری غزل کے قافیوں کی نشاندہی کریں۔**

**جواب:** دوسری غزل کے قافیے: دم، کم، بہ دم، ہم، خم، ستم، ہم

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س5: آپ کو غالب کا کون سا شعر زیادہ پسند ہے اور کیوں؟**

**جواب:** مجھے غالبؔ کا یہ شعر بہت پسند ہے

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پر دم نکلے

**پسندیدگی کی وجہ:** اس شعر میں مفہوم کی گہرائی پائی جاتی ہے اور اس شعر میں شاعر نے صنعتِ تضاد کا خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س6: مندرجہ ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔**

| الفاظ | جملے |
|---|---|
| حرفِ مکرر | ہر چیز کو حرفِ مکرر کی طرح غیر ضروری نہیں سمجھنا چاہیے۔ |
| لعل و زمرد | جنت کے لعل و زمرد کا کوئی جواب نہیں۔ |
| مہر و ماہ | مہر و ماہ اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔ |
| کمتر | کسی شخص کو خود سے کم تر نہ سمجھو۔ |
| عقوبت | دوزخ گناہگاروں کا عقوبت خانہ ہے۔ |
| گردشِ مدام | شب و روز کی یہ گردشِ مدام ہماری عمر گھٹا رہی ہے۔ |
| بھرم کھلنا | بناوٹی چیزوں کا بھرم کبھی نہ کبھی کھُل ہی جاتا ہے۔ |
| چشمِ تر | میری چشمِ تر نے اس سنگ دل کو ذرا متاثر نہ کیا۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**س7: غالبؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیات تحریر کریں۔**

**جواب:** غالبؔ ایک عظیم شاعر ہیں۔ آپ کی شاعرانہ عظمت کو سب نے تسلیم کیا ہے۔ آپ کے کلام کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ **اندازِ بیان:**

غالبؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیت آپ کا خوبصورت اندازِ بیان ہے۔ آپ سیدھے سادھے خیالات کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ پرانی باتیں بھی نئی معلوم ہوتی ہیں۔ آپ فرسودہ مضامین کو کمال ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں۔

۲۔ **ظرافت:**

غالبؔ زندہ دل اور خوش طبع انسان تھے۔ ان کی شاعری میں بھی ان کی طبعی ظرافت کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ اسی لئے حالیؔ نے کہا تھا کہ ان کو حیوانِ ناطق کے بجائے حیوانِ ظریف کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

۳۔ **فلسفیانہ انداز:**

غالبؔ زندگی اور اس کے تلخ حقائق کے بارے میں فلسفیانہ اندازِ فکر رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری سے زندگی کے حقائق کے بارے میں ان کے گہرے غور و فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات مختصر الفاظ میں آپ بہت گہری بات کر جاتے ہیں۔

۴۔ **محاکات:**

غالبؔ کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت محاکات ہے۔ آپ لفظوں کا عمدگی سے استعمال کر کے کسی بھی چیز کی تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## "اشعار کی تشریح"

1۔ دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

حوالہ: غزل نمبر: 1 شاعر : مرزا غالبؔ ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: دائم: ہمیشہ، مستقل در: دروازہ خاک: مٹی

فنی محاسن: صنعت مراعاۃ النظیر : در، خاک، پتھر امدادی فعل : پڑا ہوا حرف بیان: کہ

تشریح:

اس شعر میں مرزا غالبؔ اپنے محبوب سے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں نے تمہیں چاہا اور تمہارا قرب حاصل نہ کر سکا اور میری حیثیت تو اس پتھر کی بھی نہیں ہے جو تیرے دروازے پر ہر وقت پڑا رہتا ہے اور آتے جاتے تیرے قدم اس پر لگتے رہتے ہیں اور وہ تیرے قدموں کو چومتا رہتا ہے۔ اب مجھے اپنی زندگی سے یہ گلہ اور شکایت ہے کہ میں تمہارے گھر کی دہلیز کا پتھر کیوں نہ بن سکا کہ مجھے بھی تیرا قرب حاصل ہوتا اور میں بھی تیری قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتا۔ میری زندگی اب بالکل بے کار اور ناکارہ ہے کہ مجھے تیرے در کے پتھر کی بھی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اصل میں محبوب کے قرب اور وصل کی خواہش ہر سچے عاشق کے دل میں ہوتی ہے اور ہر عاشق کو محبوب کے وصل کے بغیر اپنی زندگی بے معنٰی نظر آتی ہے۔ محبوب کے وصل کی یہ خواہش غالبؔ کے اشعار میں تو عام نظر آتی ہے۔ اسی لئے آپ ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

2۔ کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

حوالہ: غزل نمبر: 1 شاعر : مرزا غالبؔ ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: گردشِ مدام: ہمیشہ کا چکر ساغر: کٹورا

فنی محاسن: صنعت تشبیہ: گردش کی مناسبت سے خود کو پیالہ و ساغر قرار دینا

مرکب اضافی: گردشِ مدام مرکب عطفی: پیالہ و ساغر

تشریح:

شاعر مرزا غالبؔ اس شعر میں اپنی تقدیر پر ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں ایک کمزور سا انسان ہوں مگر مجھے زمانے کی گردش میں یوں ڈالا گیا ہے جیسے میں کوئی شراب کا پیالہ ہوں جو شراب کی محفلوں میں اِدھر اُدھر گھومتا رہتا ہے۔ اصل میں شاعر اس شعر میں اس بات کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کتنا ہی پُرعزم اور ہمت والا کیوں نہ ہو لیکن مسلسل پریشانیوں اور آزمائشوں سے ایک نہ ایک دن اس کے حوصلے جواب دے جاتے ہیں۔ میں نے بھی زندگی کے ہر امتحان میں پورا اترنے کی کوشش کی ہے لیکن اب میں تنگ آ گیا ہوں کہ ہر دن مجھے ایک نئی پریشانی اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میری تقدیر مجھے کسی بھی طرح آرام و سکون سے جینے نہیں دے رہی۔ اب میں تھک چکا ہوں اور سکھ چین کا خواہش مند ہوں۔ کیونکہ میں ایک انسان ہوں اور مسلسل پریشانیاں انسان کو تھکا دیتی ہیں۔ اس لئے جو لوگ میرے حوصلے پست ہوتے دیکھ رہے ہیں وہ یہ مت سمجھیں کہ میں نے مصائب کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں بلکہ فطرتِ انسانی کے تحت ذرا تھک سا گیا ہوں۔

بقول شاعر: اے زندگی اتنی بدسلوکیاں؟ ہم کون سا بار بار آئیں گے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

3۔ یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

حوالہ: غزل نمبر: 1 شاعر : مرزا غالبؔ ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: لوح: تختی مکرّر: دوبارہ

فنی محاسن: صنعت مراعاۃ النظیر : لوح، حرف حرف ندا: یا مرکب اضافی: لوحِ جہاں مرکب توصیفی: حرفِ مکرّر

تشریح:

غالبؔ اپنے اس شعر میں اللہ کے حضور فریاد کر رہے ہیں اور اپنے زمانے کے لوگوں کا شکوہ کر رہے ہیں کہ یہ دنیا والے میرے دشمن کیوں بنے ہوئے ہیں؟

یہ مجھے اس طرح ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جیسے میں اس دنیا کی تختی پر دوبارہ لکھا ہوا لفظ ہوں جو غلطی سے لکھ دیا گیا ہو اور اب اپنی غلطی کے ازالے کے لئے اسے مٹانا لازمی ہو۔ غالبؔ اس شعر کے ذریعے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم مجھے کوئی معمولی سا انسان اور شاعر مت سمجھو، تم میرے مقام و مرتبے سے لاعلم ہو۔ میں ایسا شخص نہیں ہوں جو اس جہاں میں بار بار آؤں گا۔ اگر تم نے مجھے زمانے کی تختی سے مٹانے کی کوشش کی تو میں دوبارہ نہیں آؤں گا اور تم مجھے ہمیشہ کے لئے کھو دو گے۔ اس لئے میری قدر پہچانو، مجھے تنگ نہ کرو اور مجھے حقیر اور معمولی سا انسان مت سمجھو۔ اصل میں غالبؔ ایک بڑے انسان تھے اور شاعری میں ان کی شہرت کی وجہ سے بہت سے لوگ ان سے حسد کرتے تھے۔ اس لئے غالبؔ کہہ رہے ہیں کہ میری قدر پہچانو، مجھ جیسا انسان صدیوں میں ایک بار پیدا ہوتا ہے۔ **بقولِ شاعر:**

؎ مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**4۔ حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گنہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں**

**حوالہ:** غزل نمبر: 1 شاعر: مرزا غالبؔ ماخوذ: دیوانِ غالب

**حلِ لغت:** عقوبت: ایذا، تکلیف

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: سزا، عقوبت، گنہگار، کافر

**تشریح:**

اس شعر میں مرزا غالبؔ اپنے حاسدین سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم جو میرے دشمن بنے ہوئے ہو اور مجھے ختم کرنے پر تُلے ہوئے ہو، اگر یہ میری کسی غلطی یا گناہ کی سزا ہے تو سزا ہمیشہ جرم کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر جرم معمولی نوعیت کا ہو تو سزا بھی معمولی نوعیت کی ہوتی ہے اور اگر جرم سنگین قسم کا ہو تو سزا بھی سنگین قسم کی ہوتی ہے۔ میں کوئی مرتد یا ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود کا منکر نہیں ہوں، البتہ چھوٹے بڑے گناہ یا نافرمانیاں مجھ سے ضرور سرزد ہوتی رہتی ہیں کیونکہ میں ایک انسان ہوں اور انسان خطا کا پُتلا ہے۔ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں اس لئے مجھے سزا میرے گناہوں کے مطابق کسی حد تک دینی چاہیے۔ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ظلم و ستم کی چکی میں نہ پیسا جائے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ حاسدین کی کڑوی کسیلی باتوں کی وجہ سے مجھے ایک پل کا بھی سکون میسر نہیں ہے لہٰذا مجھ پر رحم کرو اور میری سزا کے دورانیہ کی کوئی حد مقرر کرو کیوں کہ میں مسلمان ہوں کوئی کافر نہیں کہ جس کی سزا کی کوئی حد اور انتہا ہی نہ ہو۔ **بقولِ شاعر:**

؎ زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے جانے کس جرم کی سزا پائی، یاد نہیں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**5۔ کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں**

**حوالہ:** غزل نمبر: 1 شاعر: مرزا غالبؔ ماخوذ: دیوانِ غالب

**حلِ لغت:** عزیز: قیمتی، اہم لعل: سرخ پتھر زمرد: سبز پتھر گوہر: موتی

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: گوہر، لعل، زمرد مرکبِ عطفی: لعل و زمرد و زر و گوہر

**تشریح:**

غالبؔ اس شعر میں زمانے والوں سے شکوہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اے زمانے والو! تم مجھے کس وجہ سے عزیز و محبوب نہیں سمجھتے، آخر مجھ میں کون سی کمی ہے؟ کیا میری حیثیت لعل، زمرد اور گوہر جیسے قیمتی پتھروں سے بھی کم ہے۔ لعل سرخ رنگ کا چمکدار قیمتی پتھر ہوتا ہے اور زمرد ایک سبز رنگ کا قیمتی پتھر ہے اور گوہر بھی ایک قیمتی موتی ہے۔ شاعر اس شعر میں اس حقیقت کو بے نقاب کر رہے ہیں کہ اس مادی دنیا میں مال و دولت اور سونا چاندی کی قدر زیادہ ہے اور انسان کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں ہے۔ یہاں غالبؔ کا مخاطب اس کا محبوب بھی ہو سکتا ہے کہ غالب اپنے محبوب سے شکوہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اس دنیا میں آدمی کی وفاؤں کو بھی مال و دولت کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔ میں تمھاری محبت میں حد سے زیادہ وفا شعاری کا مظاہرہ کر رہا ہوں لیکن تمھیں میری وفاؤں پر صرف اس لئے بھروسہ نہیں ہے کہ میرے پاس مال و دولت اور ہیرے جواہرات نہیں ہیں اور میں ایک غریب اور مفلس انسان ہوں۔ **بقولِ شاعر:**

؎ مفلسی سب بہار کھوتی ہے آدمی کا اعتبار کھوتی ہے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

6۔ رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ　رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں

حوالہ: غزل نمبر: 1　شاعر : مرزا غالبؔ　ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: دریغ: بچنا، ہٹنا　مہر: سورج　ماہ: چاند　کمتر: حقیر

فنی محاسن: صنعت تضاد: تم، میں　مرکب عطفی: مہر و ماہ　لاحقہ: کمتر

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے بے پرواہ محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تم کیوں میری نظروں کے سامنے چلنے پھرنے سے گریز کرتے ہو اور کیوں میرے سامنے آنے سے کتراتے ہو؟ ایسا شاید اس لئے ہے کہ تم مجھے حقیر انسان خیال کرتے ہو اور تمہاری نظروں میں میری کوئی وقعت نہیں ہے۔ حالانکہ میرا مقام سورج اور چاند سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔ جس طرح آسمان کے سورج اور چاند بہت بلند ہیں اسی طرح میرا مقام و مرتبہ بھی بہت بلند ہے، میں بھی شاعری کی وجہ سے شہرت کے آسمان پر ایک چمکتا ہوا چاند اور کرنیں بکھیرتا ہوا سورج ہوں۔ اس شعر کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس شعر میں غالبؔ نے بہادر شاہ ظفر کو مخاطب کیا ہے کہ اے بادشاہ سلامت! زمانے والوں نے میرے ساتھ جو کیا سو کیا، لیکن مجھے آپ سے بھی شکوہ ہے کہ آپ کی جوہر شناس نظریں مجھ جیسے ہیرے کو کیوں نہ پہچان سکیں آپ مجھ سے کم درجہ کے شعراء کو اپنے دربار میں جگہ دیتے ہو تو میں اس اعزاز سے محروم کیوں ہوں؟

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

7۔ کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے　کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

حوالہ: غزل نمبر: 1　شاعر : مرزا غالبؔ　ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: قدم بوس: پاؤں چومنا

فنی محاسن: لاحقہ: قدم بوس　استعارہ: ابراھیم ذوقؔ کو آسمان کہا ہے

تشریح: مرزا غالبؔ کو چونکہ اپنے حسب و نسب اور اپنے بلند پایہ شاعر ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اس لئے وہ اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ کیا میرا مرتبہ آسمان کے برابر بھی نہیں ہے؟ جس طرح آسمان اپنی تمام تر بلندی کے باوجود چاند اور سورج کے پاؤں چومتا ہے، اسی طرح شاعری کی دنیا کا آسمان یعنی مَیں بھی تم سے بے پناہ محبت اور عقیدت کے اظہار کے لئے تمہارے پاؤں چومنا چاہتا ہوں تو تم مجھے ایسا کرنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ اور شعر کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ شاعر اس شعر میں بھی بہادر شاہ ظفر سے مخاطب ہے کہ آپ کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ شاعری کی دنیا کا آسمان یعنی ابراہیم ذوقؔ بھی آپ کے قدم چومتا ہے اور آپ کے دربار میں نمایاں جگہ حاصل کرتا ہے تو کیا میں اس آسمان (ابراہیم ذوقؔ) سے بھی کم ہوں کہ آپ کے قدم چومنے کی سعادت مجھے حاصل نہیں ہو رہی اور آپ کے دربار میں جگہ نہیں مل رہی۔ بے شک ابراہیم ذوقؔ بڑا شاعر ہے لیکن میں بھی اس سے مرتبے میں کم نہیں ہوں۔ **بقول غالبؔ:**

بنا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اِتراتا　وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

8۔ غالبؔ وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا　وہ دن گئے، جو کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

حوالہ: غزل نمبر: 1　شاعر : مرزا غالبؔ　ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: وظیفہ خوار: تنخواہ دار　شاہ: بادشاہ　نوکر: ملازم

فنی محاسن: صنعت مراعاۃ النظیر: وظیفہ خوار، نوکر　لاحقہ: وظیفہ خوار

تشریح: مرزا غالبؔ کا تعلق چونکہ کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ اس لئے ان کے مزاج میں انا پرستی اور خودداری کچھ زیادہ ہی تھی۔ آپ کسی کے ہاں نوکری کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ دہلی کالج کا واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقروض اور تنگ دست ہونے کے باوجود آپ نے انگریز کی نوکری قبول نہ کی۔ لیکن چچا نصر اللہ بیگ کی وفات اور وظیفے کی بندش کی وجہ سے جب آپ کی مالی حالت بہت خراب ہوگئی اور مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تو طبیعت اور مزاج کے خلاف آپ نے 1850ء کو آخر مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ہاں ملازمت قبول کر لی۔ مغلیہ تاریخ نویسی اور بہادر شاہ ظفر کے کلام کی اصلاح کا کام آپ کے سپرد ہوا اور اس خدمت کے بدلے آپ کا ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ تو اسی بات کو اس شعر میں یوں بیان کیا کہ اے غالب! اب تم اس بات پر ناز و نخرہ نہیں دکھا سکتے کہ تم کسی کے ملازم نہیں ہو۔ اب تم بادشاہ وقت کو دعا دو کہ اس نے تمہیں نوکری دی ہے اور تمہارا وظیفہ بھی مقرر کر دیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''اشعار کی تشریح:غزل۲''

**1۔ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے　　بہت نکلے مرے ارمان،لیکن پھر بھی کم نکلے**

**حوالہ:** غزل نمبر: ۲　　شاعر : مرزا غالبؔ　　ماخوذ : دیوانِ غالب

**حلِ لغت:** ارمان: تمنا،آرزو　　دم: سانس

**فنی محاسن:** مترادف الفاظ: خواہش،ارمان　　صنعت تضاد: بہت،کم　　حرف بیان: کہ　　مرکب عددی: ہزاروں خواہشیں

**تشریح:**

غالبؔ غزل کے مطلع میں اس حقیقت کو بیان کر رہے ہیں کہ انسان کے دل کی زمین ایک ایسی کھیتی کی مانند ہے جہاں آرزوؤں اور خواہشات کی فصل ہر دم ہری بھری رہتی ہے،اگر ایک خواہش یا تمنا کی فصل پک کر تیار ہوتی ہے تو دوسری تمنا کی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں اور انسان اس کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے لیکن ہر خواہش کا پورا ہونا انسانی بس کی بات نہیں۔ یہاں ''دم نکلنا'' سے مراد بے چین و بے قرار ہونا ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''انسان ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کی خواہشات کبھی ختم نہیں ہوتیں'' ہر خواہش کے دل میں آتے ہی اسے پورا کرنے کا خیال دل میں کروٹیں لینے لگتا ہے اور بے چینی کا یہ عالَم ہوتا ہے کہ کون سی گھڑی ہو اور یہ خواہش پوری ہو جائے۔غالبؔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خواہشات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن مجھے لگتا ہے کہ میری یہ خواہشیں کبھی بھی پوری نہیں ہوں گی اور ان خواہشات کی تکمیل سے پہلے ہی میری سانسیں رک جائیں گی اور میں اپنے ارمانوں سمیت زمین میں دفن ہو جاؤں گا۔ **بقول شاعر:**

؎　نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں گی　　یونہی عمر ساری گزر جائے گی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**2۔ ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر　　وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دم بہ دم نکلے**

**حوالہ:** غزل نمبر: ۲　　شاعر : مرزا غالبؔ　　ماخوذ : دیوانِ غالب

**حلِ لغت:** چشمِ تر: بھیگی ہوئی آنکھ　　دم بہ دم: مسلسل

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر : قاتل،خون　　مرکب توصیفی: چشمِ تر　　علامتِ سوالیہ: ؟

**تشریح:**

غالبؔ اس شعر میں محبوب کی بے رخی پر تنگ آ کر کہہ رہے ہیں کہ تمہاری بے رخی نے میری یہ حالت کر دی ہے کہ مجھے پل بھر کا بھی سکون میسر نہیں ہے۔ میں نہ جیتا ہوں،نہ مرتا ہوں۔ ہر وقت تمہاری بے رخی پر آنسو بہاتا رہتا ہوں اور مسلسل رونے کی وجہ سے اب آنسوؤں کے بجائے میری آنکھوں سے خون نکل رہا ہے۔تم ایسا کرو کہ مجھے سچ مچ میں مار دو،قتل کر دو،تاکہ مجھے اس اذیت سے نجات ملے۔اور مجھے قتل کرنے کے خیال سے گھبراؤ مت،کیا تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ مجھے قتل کرنے سے میرا خون تمہاری گردن پر آ جائے گا اور تمہیں میرے قتل کے بدلے میں خون بہا دینا پڑے گا؟ تو ڈرو مت! ایسا ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ تمہاری بے رخی پر میں اتنا رویا ہوں کہ میری آنکھوں نے خون کے آنسو بہائے ہیں۔جس کی وجہ سے میرے جسم کا سارا خون آنکھوں کے راستے پہلے ہی بہہ چکا ہے۔اس لئے مجھے قتل کرنے کے بعد میرے خون کا الزام تمہاری گردن پر نہیں آئے گا اور تمہیں کسی قسم کی سزا نہیں ملے گی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

**3۔ نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن　　بہت بے آبرو ہو کر ترے کُوچے سے ہم نکلے**

**حوالہ:** غزل نمبر: ۲　　شاعر : مرزا غالبؔ　　ماخوذ : دیوانِ غالب

**حلِ لغت:** خلد: جنت　　بے آبرو: رسوا　　کُوچہ: گلی

**فنی محاسن:** صنعت تلمیح: آدمؑ کا جنت سے نکالا جانا　　سابقہ: بے آبرو

صنعت تفریق: شاعر نے آدمؑ کے جنت سے نکلنے اور محبوب کی گلی سے اپنے نکلنے کا فرق بیان کیا ہے۔

**تشریح:**

اس شعر میں غالبؔ نے صنعتِ تلمیح کا خوبصورتی سے استعمال کر کے اُس مشہور واقعے کی طرف اشاہ کیا ہے کہ جب اللہ نے آدمؑ کو پیدا کر کے جنت میں رکھا اور ایک خاص درخت کے پھل کو کھانے سے منع فرمایا لیکن شیطان کے بہکاوے میں آ کر آدمؑ نے غلطی سے وہ پھل کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر آدمؑ کو جنت

سے زمین پر بھیج دیا۔شاعر اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آدمؑ کا جنت سے نکالا جانا اور زمین پر بھیجا جانا بے عزتی اور سزا تھی لیکن اے میرے محبوب! جس طرح میں تیری گلی سے بے آبرو اور ذلیل کر کے نکالا گیا ہوں اور جو ذلت مجھے اٹھانی پڑی ہے، یہ نا قابلِ بیان ہے۔کیونکہ آدمؑ کو جب جنت سے نکالا گیا اس وقت کوئی اور انسان موجود نہ تھا جس کے سامنے حضرت آدمؑ کو شرمندگی محسوس ہوتی لیکن مجھے تیری پر ہجوم گلی میں سب کے سامنے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔لہٰذا میرا یہ صدمہ آدمؑ والے واقعے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ **بقول شاعر:**

؎ محبت میں ہم نے عجب سزا پائی　آغاز بھی رسوائی، انجام بھی رسوائی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**4۔ بھرم کھُل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا　اگر اس طرّۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے**

**حوالہ:** غزل نمبر: ۲　شاعر: مرزا غالبؔ　ماخوذ: دیوانِ غالب

**حلِ لغت:** بھرم کھُلنا: راز ظاہر ہونا　قامت: قد　طُرّہ: پگڑی کا اوپری سرا　پیچ و خم: بل، پھیر

**فنی محاسن:** صنعت مراعاۃ النظیر: طُرّہ، پیچ و خم　مرکب عطفی: پیچ و خم　سابقہ: پُر پیچ

**تشریح:**

اس شعر میں غالبؔ اپنے محبوب سے شوخی و شرارت کر رہے ہیں۔چونکہ لمبا قد لوگوں میں حسن و خوبصورتی کی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ شاعر کے محبوب کا قد چھوٹا ہے اور اپنا قد لوگوں کے سامنے بڑا ظاہر کرنے کے لئے اس نے اپنی زلفوں کو جُوڑے کی صورت میں بل در بل اُبھار دے کر باندھ رکھا ہے جس کی وجہ سے اس کا قد لمبا معلوم ہوتا ہے۔تو شاعر شرارتی انداز میں اپنے محبوب کو چھیڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہیں اس بات کا بڑا گھمنڈ اور غرور ہے کہ تم بڑے دراز قد ہو، تو جناب تمہارا یہ لمبا قد اُن بالوں کی وجہ سے ہے جن کو تم نے جُوڑا بنا کر بل در بل اُبھار دے کر باندھ رکھا ہے اگر تمہارے بالوں کے یہ بَل کھول دیئے جائیں تو پھر تمہارا اصل قد لوگوں کے سامنے آجائے گا اور یہ سب جان جائیں گے کہ تم اتنے دراز قد نہیں ہو۔اس لئے تم اپنے لمبے قد پر اتنا غرور نہ کرو اور میری محبت کا جواب محبت سے دو، ورنہ تمہارے بناوٹی حُسن کا راز میں لوگوں پر ظاہر کر دوں گا۔ **بقولِ شاعر:**

؎ زلف لہرا کے وہ سرو قد جب سرِ بازار چلے　غل اُٹھا، شور مچا مار چلے مار چلے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**5۔ ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی　وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے**

**حوالہ:** غزل نمبر: ۲　شاعر: مرزا غالبؔ　ماخوذ: دیوانِ غالب

**حلِ لغت:** خستگی: بدحالی　تیغ: تلوار　ستم: ظلم

**فنی محاسن:** مرکب اضافی: تیغِ ستم　اسم اشارہ: وہ

**تشریح:**

اس شعر میں غالبؔ انسانی فطرت کو بیان کر رہے ہیں کہ جب ہم کبھی کسی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور دکھ کے بادل ہماری زندگیوں پر گہرے ہو جاتے ہیں تو ایسے مشکل حالات میں ہم بہت زیادہ مایوس ہو جاتے ہیں اور ہمیں یہ امید ہوتی ہے کہ ہمارے اردگرد جو دوست وغیرہ موجود ہیں وہ اس مشکل میں ہمارے کام آئیں گے اور ہمیں تسلی دیں گے جس کی وجہ سے ہمارا حوصلہ بڑھ جائے گا اور ہماری تکلیف آدھی رہ جائے گی، لیکن غالبؔ کی بدقسمتی یہ ہوئی کہ جب اس پر غموں کی بارش شروع ہوئی اور اس نے کوئی سہارا تلاش کرنا شروع کیا جس کو وہ اپنا دُکھڑا سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کر سکے لیکن جب غالبؔ نے اسے اپنے غم اور پریشانیوں کا حال سنایا تو اس نے جواب میں اپنے غموں کی پٹاری کھول کر رکھ دی اور اپنے مسائل کا رونا شروع کر دیا تو تب غالبؔ کو معلوم ہوا کہ یہ شخص میرے غموں کا مداوا نہیں کر سکتا اور میرے آنسو نہیں پونچھ سکتا کیونکہ یہ تو خود بھی زمانے کی سختیوں کا شکار ہے۔چنانچہ شاعر تمام عمر اپنے غموں کا بوجھ اٹھائے تنہا ہی پھرتا رہا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

6۔ محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا　　اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

حوالہ: غزل نمبر: ۲　　شاعر : مرزا غالبؔ　　ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: دم: سانس

فنی محاسن: صنعت تضاد: مرنا، جینا　　استعارہ: محبوب کو کافر کہا ہے۔

تشریح:

ہر انسان تب تک اپنے لئے جیتا ہے جب تک وہ کسی پر عاشق نہیں ہوتا۔لیکن محبت میں مبتلا ہو جانے کے بعد سب کچھ بدل جاتا ہے، پھر عاشق کا دل محبوب کے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے اور اس کی سانسیں بھی اپنے محبوب کی سانسوں کے تابع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ غالبؔ اس شعر میں اسی بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ جب انسان عشق کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو پھر اسے جینے اور مرنے کی کوئی پرواہ نہیں رہتی کیونکہ پھر انسان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد محبوب کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے اور عشق میں انسان اُس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں محبوب کی رضا کی خاطر جان قربان کر دینا بھی ایک معمولی بات لگتی ہے لیکن انسان زندہ بھی اسی کے دیدار کی بدولت رہتا ہے۔یعنی محبت مرنے اور جینے دونوں کا نام ہے۔انسان جس سے محبت کرتا ہے، اسی کو دیکھ کر جی بھی رہا ہوتا ہے اور اس پر مر بھی رہا ہوتا ہے۔یعنی دل و جان سے اس پر فدا ہوتا ہے اور اسی پر جان لٹا کر جان میں جان آتی ہے۔غالبؔ نے محبت کے اسی پہلو کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے کہ محبت میں جینا اور مرنا متضادات نہیں بلکہ مترادفات ہیں کیونکہ عاشق اسی معشوق کو دیکھ کر جیتا ہے جس پر وہ دل و جان سے مرتا ہے۔ **بقولِ شاعر:**

؎ اُسے مرنا بھی مشکل ہے، اُسے جینا بھی مشکل ہے　　جو تجھے دیکھ کر جیتا ہو اور تجھی پر مرتا ہو

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

7۔ کہاں مئے خانے کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ　　پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

حوالہ: غزل نمبر: ۲　　شاعر : مرزا غالبؔ　　ماخوذ : دیوانِ غالب

حلِ لغت: مے خانہ: شراب خانہ　　واعظ: نصیحت کرنے والا

فنی محاسن: لاحقہ: مے خانہ　　حرف بیان: کہ

تشریح:

غالبؔ مقطع کے اس شعر میں اردو غزل کی روایت کے مطابق واعظ کو تنقید کا نشانہ بنا کر معاشرتی منافقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ لوگ ظاہر میں کچھ اور، باطن میں کچھ اور ہوتے ہیں، جو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔واعظ، جس کا کام لوگوں کو نصیحت کرنا ہوتا ہے اور ان کو اچھائی کی طرف راغب کرنا ہوتا ہے، وہ لوگوں کو تو شراب نوشی سے روکتا ہے کہ شراب مت پیئو، یہ اسلام میں حرام ہے۔لیکن کل رات ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ میں شراب خانے سے شراب پی کر باہر آ رہا تھا کہ میں نے واعظ کو دیکھا کہ وہ شراب خانے کے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔وہ ہمیں تو نصیحت کرتا ہے لیکن اپنی بار بھول جاتا ہے کہ شراب پینا جائز نہیں ہے۔ شاعر یہ مثال دے کر سمجھانا یہ چاہتا ہے کہ ہمارے قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ہمیں گفتار کے ساتھ ساتھ کردار کا غازی بھی ہونا چاہیے کہ جس کام سے ہم دوسروں کو روکیں، خود بھی اس سے رک جائیں۔اب واعظ ہی کو دیکھ لیں کہ دوسروں کو تو شراب سے روکتا ہے اور خود شراب نوشی میں مبتلا ہے۔ **بقولِ شاعر:**

؎ دو چار نہیں مجھ کو فقط ایک ہی دکھا دو　　وہ شخص جو اندر سے بھی باہر کی طرح ہو

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

# غزل: داغؔ دھلوی　ماخوذ: کلیاتِ داغ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''تعارف شاعر''

**ابتدائی حالات:** نواب مرزا خان داغؔ 25 مئی 1831ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور قلعہ معلّٰی میں پرورش پائی۔

**فنِ شاعری:** داغؔ قلعہ کے مشاعروں میں شرکت کرتے رہے اور یہیں سے آپ کا ذوقِ شاعری اُبھرا اور نکھرا۔ آپ شاعری میں استاد ذوقؔ کے شاگرد تھے۔ عشق کی معاملہ بندی، شوخی و مسرت کے جذبات، لطفِ محاورہ اور زبان کا چٹخارہ آپ کی غزلوں کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

**سہلِ ممتنع:** داغؔ کی شاعری میں میرؔ کا غم یا غالبؔ کا غور و فکر نہیں ہے مگر آپ کا اندازِ بیان سہلِ ممتنع کی بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ جس کی بدولت آپ کو شاعری میں خاص مقام حاصل ہوا ہے۔

**نمایاں امتیاز:** داغؔ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ علامہ اقبال آپ کو اپنا کلام اصلاح کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ داغؔ کی موت پر اقبالؒ نے ایک پُر تاثیر مرثیہ بھی لکھا

**وفات:** داغؔ تقریباً 74 سال کی عمر پا کر 1905ء کو حیدر آباد میں فوت ہوئے۔

**مجموعہ ہائے کلام:** ماہتابِ داغ، گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، یادگارِ داغ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''معروضی سوالات''

س۔ **درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | داغؔ کا پورا نام کیا تھا؟ | الف: نواب حسن خان | **ب: نواب مرزا خان** |
| ۲۔ | داغؔ شاعری میں کس کے شاگرد تھے؟ | **الف: استاد ذوقؔ** | ب: مرزا غالب |
| ۳۔ | داغؔ کی موت پر کس نے مرثیہ لکھا تھا؟ | الف: میر تقی میر | **ب: علامہ اقبال** |
| ۴۔ | آئینہ اپنی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے نہ جدا ہونے دو | **الف: نظر** | ب: آنکھ |
| ۵۔ | آنکھ ملتے ہی کہوں خاک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دل کی | الف: کہانی | **ب: حقیقت** |
| ۶۔ | جب سنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے | **الف: داغؔ** | ب: ذوقؔ |
| ۷۔ | تم دل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بنے رشکِ مسیحا کیسے | الف: آرام | **ب: آزار** |
| ۸۔ | اس ستمگر نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے کہا ہونے دو | **الف۔ اشارے** | ب۔ چپکے |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''مشقی سوالات''

**س 1: داغ دہلوی کی غزل کا مطلع تحریر کر کے اس کا مفہوم واضح کریں۔**

**جواب:** **مطلع:** آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو　کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو

**نوٹ:** اس شعر کا مفہوم اشعار کی تشریح میں ملاحظہ کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س 2: داغؔ نے غزل کے مقطع میں محبوب کی نفسیات کی کون سی تصویر پیش کی ہے؟**

**جواب۔** **مقطع:** جب سنا داغؔ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے　اس ستمگر نے اشارے سے کہا، ہونے دو

**محبوب کی نفسیات:** اس مقطع میں شاعر نے محبوب کی نفسیات کی یہ تصویر پیش کی ہے کہ میرا محبوب نہایت پتھر دل اور روایتی قسم کا خود غرض محبوب ہے، جسے میری حالتِ زار پر رحم نہیں آتا اور وہ میری وفا کے بدلے مجھ سے ہمیشہ جفا ہی کرتا ہے اور وہ مجھے کسی شمار میں ہی نہیں لاتا۔ اگر میں اس کے عشق میں جان بھی دے دوں تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

**س3:** مندرجہ ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کریں۔

| الفاظ | | جملے |
|---|---|---|
| **کم نگاہی** | | عاشق کو ہمیشہ محبوب کی کم نگاہی کا شکوہ رہتا ہے۔ |
| **حیا** | | عورت کا اصل زیور حیا ہے۔ |
| **رشکِ مسیحا** | | رشکِ مسیحا وہی کہلاتا ہے جو درد دِل سے آشنا ہو۔ |
| **دستِ دعا** | | ابھی بارش کے لئے دستِ دعا اٹھایا ہی تھا کہ کالے بادل چھا گئے۔ |
| **فنا** | | کائنات کی ہر چیز نے ایک دن فنا ہونا ہے۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**س4:** داغؔ کی شاعری پر مختصر نوٹ لکھیں۔

**جواب:** داغؔ اپنے زمانے کے بہت بڑے شاعر تھے۔آپ کے کلام میں آزردگی، دردمندی اور سوز و گداز کا عنصر بہت کم ہے جو غزل کے حقیقی محرکات ہیں بلکہ اس کے برعکس آپ کے کلام میں شوخی اور بانکپن نمایاں ہے۔اردو زبان کے فروغ میں بھی ان کی شاعری کا بہت بڑا حصہ ہے۔اگرچہ داغؔ کی شہرت ایک غزل گو شاعر کے طور پر ہے لیکن انہوں نے کچھ مثنویاں بھی لکھی ہیں۔زندہ دلی، ڈرامائی لہجہ، معاملہ بندی اور محبت کا بے لاگ اظہار آپ کے کلام کی اضافی خوبیاں ہیں۔داغؔ کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے پیچیدہ اور غیر مانوس الفاظ و تراکیب کو ترک کر کے آسان اور سادہ تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ سہلِ ممتنع میں شعر کہنا بھی آپ کی امتیازی خصوصیت ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''اشعار کی تشریح''

**1۔ آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو　　کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو**

**حوالہ:** شاعر : داغؔ دہلوی　　ماخوذ : کلیاتِ داغ

**حلِ لغت:** کوئی دم: کچھ دیر

**فنی محاسن:** استعارہ: مخلص دوست کو آئینہ کہا ہے

**تشریح:**

اس شعر کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ پہلا مطلب قدرے طنزیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ شاعر اپنے محبوب سے ملاقات کے لئے آیا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ کب میرا محبوب میری جانب متوجہ ہوگا۔لیکن محبوب ہے کہ آئینے کے روبرو بیٹھا خود کو ہی تکے جا رہا ہے اور شاعر سے بے رخی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔اس صورت حال پر شاعر طنزیہ انداز میں کہتا ہے کہ تم یونہی آئینے کے ساتھ بیٹھے آئینے کو تکتے رہو اور آئینہ تمہیں تکتا رہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس شعر میں آئینے سے مراد مخلص دوست ہے۔جیسے آئینہ انسان سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور انسان کو اس کا اصلی چہرہ دکھاتا ہے۔اسی طرح مخلص دوست بھی جھوٹی خوشامدیں نہیں کرتا بلکہ آپ کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے آپ کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو شاعر کہہ رہا ہے کہ وہ دوست جو آئینے کی طرح تمہارے سامنے تمہارے کردار کی سچی تصویر پیش کرے، اس کے ساتھ اپنی زندگی کے زیادہ لمحات گزارو اور اس کی صحبت کو غنیمت جانو۔ **بقول شاعر:**

؎　دوستی عام ہے لیکن اے دوست　　دوست ملتا ہے بڑی مشکل سے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

2۔ کم نگاہی میں اشارہ ہے،اشارے میں حیا　　یا نہ ہونے دو مجھے چین سے یا ہونے دو

حوالہ: شاعر : داغؔ دہلوی　　ماخوذ : کلیاتِ داغ

حلِ لغت: کم نگاہی: کم دیکھنا،توجہ نہ کرنا　　چین: سکون

فنی محاسن: صنعت تضاد: نہ ہونے دو، ہونے دو　　صنعت تکرار: اشارہ　　سابقہ: کم نگاہی

تشریح:

اس شعر سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شاعر کا محبوب بہت شرم وحیا والا ہے۔شاعر کا دل رکھنے کے لئے وہ شاعر کی طرف دیکھتا تو ہے مگر شرم وحیا کی وجہ سے چوری چھپے دیکھتا ہے، بھرپور نگاہ نہیں ڈالتا۔محبوب کی اس ادا پر شاعر اسے چھیڑتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ جو تم چوری چھپے میری طرف دیکھتے ہو یہ اس بات کا کھُلا ثبوت ہے کہ میری طرح تم بھی عشق کی آگ میں جل رہے ہو لیکن شرم وحیا کی وجہ سے اقرارِ محبت نہیں کرتے۔مگر تمہارا اس طرح چوری چوری مجھے دیکھنا، مجھے اور بھی بے قرار کر رہا ہے۔اس لئے اے میرے محبوب! مجھ پر رحم کرو، یا تو میری طرف بالکل بھی نہ دیکھو تاکہ میں اسی طرح سسکتا اور تڑپتا ہوا جان دے دوں۔یا تم ہمیشہ مجھ پر نظرِ کرم کرو اور مجھ پر محبت بھری نگاہ ڈالو تاکہ میرے دل کی بے چینی ختم ہو اور مجھے راحت وسکون مل سکے۔**بقول شاعر:**

؎ تڑپ رہا ہے دل اک ناوکِ جفا کے لئے　　بھرپور نگاہ سے پھر دیکھئے خدا کے لئے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

3۔ ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ توجہ ہوگی　　کوئی دن تذکرۂ اہلِ وفا ہونے دو

حوالہ: شاعر : داغؔ دہلوی　　ماخوذ : کلیاتِ داغ

حلِ لغت: اہلِ وفا: وفا والے لوگ　　تذکرہ: ذکر

فنی محاسن: مرکب اضافی: تذکرۂ اہلِ وفا

تشریح:

شاعر اس شعر میں بڑے خوبصورت انداز میں اس بات کو بیان کر رہے ہیں کہ جب انسان پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ کسی کو چاہے اور اپنی محبت اور وفا اس پر لُٹائے تو سنگ دل سے سنگ دل محبوب بھی موم ہو جاتا ہے۔ابھی اگرچہ میرا محبوب بے رخی کا مظاہرہ کر رہا ہے اور بے التفاتی برت رہا ہے لیکن مجھے اپنی محبت کی سچائی کی وجہ سے اس بات کا پورا یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن میرے محبوب کو ضرور میری محبت کا احساس ہو جائے گا اور میری وفا شعاری اس کے دل کو ضرور نرم کر دے گی۔اور میں اس کے دل میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لئے اسے اہلِ وفا کے قصے سناؤں گا۔تاکہ اسے پتہ چلے کہ اہلِ وفا اور اہلِ ہوس میں بہت فرق ہوتا ہے اور جب اسے میری وفا اور سچی محبت کا ادراک ہو جائے گا تو اس کے دل میں میری محبت ضرور جاگے گی اور وہ میری طرف کھنچا چلا آئے گا۔**بقول شاعر:**

؎ جذبۂ عشق سلامت ہے تو ان شاءاللہ　　کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

4۔ آنکھ ملتے ہی کہوں خاک حقیقت دل کی　　دیکھ کر جلوہ مرے ہوش بجا ہونے دو

حوالہ: شاعر : داغؔ دہلوی　　ماخوذ : کلیاتِ داغ

حلِ لغت: جلوہ: نظارہ　　بجا ہونا: درست ہونا

تشریح:

اس شعر میں داغؔ روایتی انداز میں اپنے محبوب کے حُسن وجمال کی تعریف کر رہے ہیں کہ جب اچانک میرا محبوب میرے سامنے آیا اور میری نگاہ اس پری چہرہ پر پڑی تو اس کے حُسن کے دل کش نظارے نے میرے ہوش گم کر دیئے اور میں اس کے دیدار میں ایسا محو ہوا کہ خود کو بھی بھُلا بیٹھا اور اپنے گرد وپیش سے بیگانہ ہو گیا، ایسے میں کوئی اگر مجھ سے یہ پوچھے کہ تم نے اپنا حالِ دل محبوب کو سنایا کہ نہیں؟ تو اس سے بڑا بے وقوف اور کوئی نہ ہوگا کہ جب بندے کو اپنا ہی ہوش نہ ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنا حالِ دل محبوب کو بیان کر سکے کیونکہ یہ باتیں تو ہوش میں کرنے کی ہیں، مدہوشی میں یہ باتیں بھلا کہاں ہو سکتی ہیں۔**بقول شاعر:**

؎ ہوش جاتا رہا نہیں لیکن　　جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

داغؔ کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ محبوب کے حُسن کے جلوؤں میں کھو کر میں ایسا بے خود ہوا کہ اظہارِ محبت کا سنہری موقع جو ہاتھ آیا تھا وہ بھی میں گنوا بیٹھا۔کاش میرے ہوش و حواس برقرار رہتے تاکہ میں اپنے دل کی بے قراری اور تڑپ کا حال محبوب کو سنا سکتا۔

5۔ تم دل آزار بنے رشکِ مسیحا کیسے　کم نہ ہونے دو مرا درد، سوا ہونے دو

حوالہ: شاعر : داغؔ دہلوی　ماخوذ : کلیاتِ داغ

حلِ لغت: دل آزار: دل دُکھانے والا　رشک: حسد، رقابت　مسیحا: علاج کرنے والا

فنی محاسن: صنعت تضاد: کم، سِوا　لاحقہ: دل آزار　مرکب اضافی: رشکِ مسیحا

تشریح:

داغؔ اس شعر میں ایک اذیت پرست عاشق کے روپ میں سامنے آ رہے ہیں جسے صرف وصالِ یار کی تمنا نہیں ہے بلکہ اسے محبوب کی طرف سے ملنے والے زخمِ محبت سے بھی تسکین محسوس ہوتی ہے۔اس لئے شاعر اپنے محبوب سے پوچھ رہا ہے کہ تم تو دل آزار اور سنگ دل مشہور تھے اور تم تو دکھ درد دینے کے عادی تھے، تم نے زخموں پر مرہم رکھنا اور غموں کا مداوا کرنا کب سے شروع کر دیا ہے۔ میں محبت میں تمہاری طرف سے ملنے والی اذیتوں اور آزمائشوں کا عادی ہو چکا ہوں۔اور مجھے جو مزہ ان آزمائشوں اور اذیتوں میں ملا ہے، اب اس کے چُھوٹ جانے کا اندیشہ مجھے بے سکون اور بے قرار کر رہا ہے۔لہٰذا شاعر اپنے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم میرے غموں اور آزمائشوں کو کم نہ ہونے دینا بلکہ ان میں اضافہ ہی کرتے رہنا کیونکہ جو مزہ تمہارے بخشے ہوئے زخموں میں ہے، شاید وہ مزہ وصالِ یار میں بھی نہ ہو۔ **بقول شاعر:** اب مِرا درد میری جان ہوا جاتا ہے　اے میرے چارہ گرو، اب مجھے اچھا نہ کرو

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

6۔ کیا نہ آئے گا اسے خوف مرے قتل کے بعد　دستِ قاتل کو ذرا دستِ دعا ہونے دو

حوالہ: شاعر : داغؔ دہلوی　ماخوذ : کلیاتِ داغ

حلِ لغت: دست: ہاتھ

فنی محاسن: صنعت مراعاۃ النظیر: قتل، قاتل　صنعت تکرار: دست　مرکب اضافی: دستِ قاتل، دستِ دعا

تشریح:

داغؔ اس شعر میں اپنے محبوب کے روایتی کردار کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا محبوب نہایت سنگ دل اور ظالم ہے جو اپنی بے رخی سے میرے جذبات کا ہمیشہ خون ہی کرتا رہتا ہے۔اور میرے جیسا سچا عاشق اس ظلمِ مسلسل کو برداشت نہ کر کے زندگی کی بازی ہار جائے گا۔اور میں اپنے اس وعدے کو پورا کر جاؤں گا کہ اگر تم مجھے نہ ملے تو میں یہ دنیا ہی چھوڑ جاؤں گا۔اور میرے مرنے کی خبر جب میرے محبوب کو ملے گی تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور احساسِ ندامت کے تحت وہ میرے لئے انہی ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھائے گا، جن ہاتھوں سے اس نے مجھے قتل کیا تھا۔لیکن محبوب کی اس پشیمانی کا اب کوئی فائدہ نہیں کیونکہ عاشق تو اپنے عشق کی سچائیوں سمیت اب زمین میں دفن ہو چکا ہے۔ **بقول شاعر:** کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ　ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

7۔ جب سنا داغؔ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے　اس ستم گر نے اشارے سے کہا ہونے دو

حوالہ: شاعر : داغؔ دہلوی　ماخوذ : کلیاتِ داغ

حلِ لغت: ستمگر: ظالم　فنا ہونا: ختم ہونا

فنی محاسن: صنعت تضاد: سنا، کہا　لاحقہ: ستم گر　استعارہ: محبوب کو ستمگر کہا ہے

تشریح:

مقطع کے اس شعر میں داغؔ ایک روایتی عاشق کا انداز اپناتے ہوئے محبوب کی کج ادائیوں کا شکوہ کر رہے ہیں کہ میں نے محبوب کو اپنی وفا کا یقین دلانے کے لئے ہر طرح کی قربانی دی اور اس کے ہر امتحان میں پورا اترنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور اسے میری محبت کی سچائی پر یقین نہ آیا۔اور جب میں اس کی مسلسل بے رخی کے باعث نیم جان ہو گیا اور مرنے کے قریب ہو گیا تو میرے ایک ہم درد نے اسے میری حالتِ زار کے بارے میں بتایا کہ تمہارا عاشق چند گھڑیوں کا مہمان ہے۔اس آخری وقت میں تم اس کا دل رکھنے کی خاطر ہی اس سے محبت کے دو بول کہہ دو کہ اسے کچھ قرار مل جائے مگر افسوس کہ میری موت کی خبر سن کر بھی محبوب کا دل نرم نہ ہوا اور اس نے میرے ہمدرد کو نہایت بے رخی سے اشارے سے جواب دیا کہ وہ مرتا ہے تو مرنے دو، مجھے اس سے کیا لینا دینا۔

**بقول شاعر:** کیا عجب سنگ دل ہے محبوب میرا　میری موت بھی اسے پگھلا نہ سکی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

# حصہ گرائمر

مرتب کنندہ: مولانا جنید مسعود
لیکچرر اردو
0314-4470007

# ''مرکبات''

**مرکب:** دو یا دو سے زیادہ بامعنی الفاظ کے مجموعے کو مرکب کہتے ہیں۔

**۱۔مرکب اضافی:** ایسا مرکب جو حرفِ اضافت (کا، کی، کے) سے مل کر بنے، مرکب اضافی کہلاتا ہے۔

**مثال:** احمد کی کتاب، علی کا گھر، زیرِ زمین، بلبلِ ہند

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۲۔مرکب عطفی:** ایسا مرکب جو حرفِ عطف (واؤ، اور) سے مل کر بنے، مرکب عطفی کہلاتا ہے۔

**مثال:** شب و روز، منبر و محراب، سوز و گداز، جن اور انسان

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۳۔مرکب توصیفی:** وہ مرکب جو موصوف اور صفت سے مل کر بنے اسے مرکبِ توصیفی کہتے ہیں۔

**مثال:** عقل مند بوڑھا، میٹھا آم، پرانی چادر، میٹھا پانی، عالمِ باعمل، حُسنِ بے مثال

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۴۔مرکب عددی:** ایسا مرکب جو تعداد کو ظاہر کرے اور عدد اور معدود سے مل کر بنے، مرکب عددی کہلاتا ہے۔

**مثال:** چار دن، دو لڑکے، بارہ مہینے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۵۔مرکب جاری:** ایسا مرکب جو حروف جار (پر، سے، تک) سے مل کر بنے۔

**مثال:** میز پر، صبح سے، شام تک

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۶۔مرکب اشاری:** وہ مرکب جو اسم اشارہ اور مشار الیہ سے مل کر بنے۔

**مثال:** یہ کتاب، وہ گھر

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۷۔مرکب تکراری:** وہ مرکب جس میں ایک ہی لفظ کا تکرار ہو۔

**مثال:** روز روز، گورا گورا، بار بار

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۸۔مرکب تابع موضوع:** وہ مرکب جس میں ایک بامعنی لفظ کے ساتھ دوسرا بامعنی لفظ بات میں زور پیدا کرنے کے لئے آئے۔

**مثال:** دور دراز، چال ڈھال

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۹۔مرکب تابع مہمل:** وہ مرکب جس میں ایک بامعنی لفظ کے ساتھ کوئی بے معنی لفظ آئے۔

**مثال:** روٹی ووٹی، پانی وانی، کوڑا کرکٹ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# "امدادی یا معاون فعل"

امدادی فعل یا معاون فعل وہ ہوتا ہے جو کسی جملے میں اصل فعل کی معاونت کے لئے استعمال ہو۔ امدادی فعل کے استعمال سے:

ا۔ بات میں زور پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ کام کی تکمیل واضح ہوتی ہے۔

۳۔ کلام میں حسن اور خوبصورتی آجاتی ہے۔

☆ **نوٹ:** کسی جملے میں جب دو فعل اکٹھے استعمال ہوں تو پہلا فعل اصلی اور دوسرا معاون یا امدادی فعل کہلاتا ہے۔

درج ذیل مثالوں سے امدادی فعل کی افادیت کو سمجھیں۔

| الف | ب |
|---|---|
| ا۔ میں نے خط لکھا۔ | میں نے خط لکھ دیا۔ |
| ۲۔ یہاں سے جاؤ۔ | یہاں سے چلے جاؤ۔ |
| ۳۔ وہ سڑک پر گرا۔ | وہ سڑک پر گر پڑا۔ |
| ۴۔ میں نے اسے ساری بات سمجھائی۔ | میں نے اسے ساری بات سمجھا دی۔ |
| ۵۔ میں نے کتاب پڑھی۔ | میں نے کتاب پڑھ لی۔ |

**وضاحت:** ان مثالوں میں امدادی افعال دیا، جانا، پڑنا، دینا، لینا کے استعمال سے جملوں میں وضاحت، جامعیت اور زور پیدا ہو گیا ہے۔

اردو میں مندرجہ ذیل مصادر کو امدادی افعال کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

**ا۔ اٹھنا:** بول اٹھا، تلملا اٹھا، تڑپ اٹھا۔

**۲۔ آنا:** نکل آیا، ہل آیا، دیکھ آیا۔

**۳۔ بیٹھنا:** چڑھ بیٹھا، کھو بیٹھا، پوچھ بیٹھا۔

**۴۔ پڑنا:** لڑ پڑا، کرنا پڑا، پھرنا پڑا۔

**۵۔ چکنا:** کر چکا، کہہ چکا، پہنچ چکا۔

**۶۔ لگنا:** رونے لگا، ہنسنے لگا، کرنے لگا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# "تمیز یا متعلق فعل"

وہ الفاظ جو فعل کی کیفیت یا حالت میں تھوڑی سی کمی بیشی کر دیں، تمیز یا متعلق فعل کہلاتے ہیں۔ چند تمیزی الفاظ درج ذیل ہیں:

کبھی کبھی، اکثر، عموماً، ہمیشہ، اچانک، جلدی

| | تمیزی الفاظ | جملے |
|---|---|---|
| ا۔ | **کبھی کبھی** | کبھی کبھی میرا دل بہت اداس ہو جاتا ہے۔ |
| ۲۔ | **اکثر** | ارشد اکثر دیر سے کالج آتا ہے۔ |
| ۳۔ | **عموماً** | میں عموماً دوپہر کو کھانا نہیں کھاتا۔ |
| ۴۔ | **ہمیشہ** | رضوان ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ |
| ۵۔ | **اچانک** | لیاقت علی خان کی اچانک موت نے پاکستان کو بہت سے مسائل سے دوچار کر دیا۔ |
| ۶۔ | **جلدی** | جلدی سے میرے ساتھ بازار جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ |

## ''روزمرہ/محاورہ''

**روزمرہ:** وہ ایک، دو، یا دو سے زیادہ الفاظ جو اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہوں اور جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق ہوں اسے ''روزمرہ'' کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اہل زبان کی بول چال کے خلاف کسی اور انداز میں ''روزمرہ'' بولے گا تو اسے درست نہیں مانا جائے گا۔ اور یہ گفتگو روزمرہ کے مطابق نہیں ہوگی۔ مثلاً چاند تارے آسمان پر چمک رہے ہیں۔ یہ روزمرہ ہے، اس کی جگہ ''تارے چاند'' لکھنا یا کہنا روزمرہ کے خلاف ہوگا۔

**محاورہ:** محاورہ کے لفظی معنی بات چیت یا باہمی گفتگو کے ہیں۔ اور محاورہ کی تعریف یوں ہے کہ ''دو یا دو سے زائد الفاظ کا وہ مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال کیا جائے، محاورہ کہلاتا ہے۔ مثلاً میں نے تارے گن گن کر رات گزار دی۔ 'تارے گننا' کے لفظی اور حقیقی معنی ہیں 'تاروں کی گنتی کرنا' مگر اس جملے میں یہ محاورتاً استعمال ہوا ہے جس سے اس کے حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنی مراد لئے گئے ہیں اور وہ ہیں 'رات بھر نیند نہ آنا'۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ''روزمرہ اور محاورے میں فرق''

۱۔ روزمرہ کے الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جب کہ محاورہ ہمیشہ اپنے غیر حقیقی (مجازی) معنوں میں بولا جاتا ہے۔

۲۔ روزمرہ ایک لفظ بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کھاؤ، پیو، جاؤ جبکہ محاورہ میں کم از کم دو الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ روزمرہ ہمیشہ کسی جملے یا عبارت کا جزو ہوتا ہے اور اس کے بغیر روزمرہ اپنا مفہوم واضح نہیں کر سکتا۔ جبکہ محاورہ اس کے برعکس کسی جملے یا عبارت کا جزو ہوئے بغیر بھی واضح مفہوم دیتا ہے۔ جیسے ''بال کی کھال کھینچنا'' اس کا مفہوم بہت واضح ہے کہ بہت چھان بین کرنا۔

۴۔ روزمرہ میں قواعد کی پابندی ضروری نہیں ہوتی، کیونکہ اہل زبان کے بول چال کے بے شمار طریقے ہیں اور ہر طریقہ روزمرہ کی تعریف میں آتا ہے، جبکہ محاورہ میں قواعد کی پابندی ضروری ہے۔ اگر کسی محاورہ میں قواعد کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ محاورہ درست تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## محاورات کا جملوں میں استعمال

| محاورہ | مطلب | جملہ |
|---|---|---|
| ۱۔ ہاتھ پاؤں مارنا | کوشش کرنا | امجد نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن اسے کہیں ملازمت نہ ملی۔ |
| ۲۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرنا | بے کار بیٹھنا | کتنے ہی گریجویٹ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ملازمت کے منتظر ہیں۔ |
| ۳۔ ہاتھ مَلنا | پچھتانا | پہلے محنت کرتے اب ہاتھ مَلنے سے کیا ہوگا۔ |
| ۴۔ کافور ہونا | اُڑ جانا | یہ گولی کھا لو، ابھی سر درد کافور ہو جائے گا۔ |
| ۵۔ کام تمام کرنا | مار ڈالنا | حضرت علیؓ نے ایک ہی وار کر کے مرحب کا کام تمام کر دیا۔ |
| ۶۔ گُن گانا | تعریف کرنا | سب اصغری کے سگھڑ پن کے گُن گاتے تھے۔ |
| ۷۔ گلے کا ہار ہونا | ہر وقت ساتھ رہنا | بچہ ہر وقت ماں کے گلے کا ہار بنا رہتا ہے۔ |
| ۸۔ لال پیلا ہونا | غضبناک ہونا | گالی سن کر امجد غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ |
| ۹۔ کفن سر سے باندھنا | مرنے کو تیار ہونا | مجاہد ہمیشہ کفن سر سے باندھ کر لڑتا ہے۔ |
| ۱۰۔ کلیجہ ٹھنڈا ہونا | تسکین ہونا | ماں کو گمشدہ بچہ ملا تو اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ |
| ۱۱۔ تارے گننا | رات بھر نیند نہ آنا | مریض نے درد کی وجہ سے تارے گن گن کر رات گزاری۔ |
| ۱۲۔ اُلّو بنانا | بے وقوف بنانا | ٹھگ نے سادہ لوح دیہاتی کو اُلّو بنا کر اس کی ساری رقم ہڑپ کر لی۔ |
| ۱۳۔ نو دو گیارہ ہونا | بھاگ جانا | چور نے خاتون کا پرس چھینا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''ادبی اصنافِ نثر''

**ادب:** ادب عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی تہذیب، تمیز، شائستگی اور لحاظ کے ہیں۔ ادب کی بہت سی تعریفات بیان کی گئی ہیں۔ آپ دو جامع تعریفیں ذہن نشین کر لیں۔

۱۔ وہ تحریریں جو انسانی افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کی ترجمانی کریں، ادب کہلاتی ہیں۔

۲۔ اپنے جذبات و احساسات کو متاثر کن انداز میں بیان کرنے کا نام ادب ہے۔

**نثر:** وہ تحریر جو منظوم نہ ہو، بلکہ عام گفتگو کی طرح لکھی جائے نثر کہلاتی ہے۔ اردو ادب میں نثر کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ناول، افسانہ، ڈرامہ، خاکہ وغیرہ۔

**ناول:**

ناول اطالوی زبان کے لفظ ''Novella'' سے نکلا ہے۔ اس کے لغوی معنی نئی اور انوکھی بات کے ہیں۔ اصطلاح میں ناول اس نثری ادب کو کہتے ہیں۔ جس میں بنیادی زندگی کے حقائق بیان کئے جائیں۔ ناول میں پوری ایک زندگی کا احاطہ کیا جاتا ہے اور حقیقت نگاری کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ناول عام طور پر طویل ہوتا ہے۔

**افسانہ:**

افسانہ کے لئے انگریزی میں ''Fiction'' لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ افسانہ نثری ادب کی وہ صنف ہے جو زندگی کے کسی ایک پہلو کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اسے ایک ہی نشست میں پڑھا جا سکے۔ افسانہ ایک مختصر کہانی ہوتی ہے۔ جسے آدھے گھنٹے سے دو گھنٹوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ کسی شخص کی زندگی کے اہم اور دلچسپ واقعے کو فنی شکل میں پیش کرتا ہے۔

**دونوں میں فرق:**

۱۔ ناول عام طور پر طویل ہوتا ہے جبکہ افسانہ مختصر ہوتا ہے۔

۲۔ ناول میں پوری زندگی کا احاطہ کیا جاتا ہے جبکہ افسانے میں زندگی کا ایک پہلو پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ ناول نگار زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے جبکہ افسانہ نگار پر زمان و مکان کی قید عائد ہوتی ہے۔

۴۔ ناول میں حقیقت نگاری جبکہ افسانے میں زیادہ تر جذبات نگاری کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

**انشائیہ:**

انشائیہ کے لغوی معنی ''عبارت'' کے ہیں۔ انشائیہ نثری ادب کی وہ صنف ہے جو مضمون کی مانند لگتی ہے۔ مگر مضمون سے جدا انداز رکھتی ہے۔ اس میں انشائیہ نگار آزادانہ طور پر اپنا مئوقف پیش کرتا ہے۔ جس میں اس کی شخصیت کے کسی خاص پہلو کی جھلک ملتی ہے اور وہ بغیر کسی خاص نتیجے پر پہنچنے کے اپنی بات کا اختتام کر کے نتیجہ قاری پر چھوڑ دیتا ہے۔ مغربی انشائیہ نگار ''بیکن'' نے انشائیہ کی تعریف یوں کی ہے۔ ''نثری اصناف میں انشائیہ ایک ایسی مختصر تحریر کا نام ہے جس میں بغیر کسی تجسس اور کھوج کے حقیقت کا اظہار ہو۔ وزیر آغا، انور سدید، منیزہ جمال اور رعنا تقی مشہور انشائیہ نگار ہیں۔

**امیجری:**

امیجری کا مطلب ہے ''تصویر کشی اور تمثیل نگاری'' اصل کے مطابق الفاظ بنانا یا لکھنا امیجری کہلاتا ہے۔ امیجری حروف کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے اور رنگوں کے ذریعے بھی کی جا سکتی ہے۔ یعنی یہ اصطلاح مصوری اور شعر و ادب میں یکساں طور پر مستعمل ہے۔

**آپ بیتی:**

''خود پر گزرے ہوئے حالات'' کو آپ بیتی کہتے ہیں۔ آپ بیتی کو خود نوشت اور سوانح عمری بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص خود پر گزرے ہوئے حالات و واقعات کو قلمبند کرے تو یہ آپ بیتی کہلائے گی۔ آج کل جانوروں اور بے جان چیزوں کی فرضی آپ بیتی بھی لکھی جاتی ہے۔

**لوک کہانی:**

لوک کہانی کو ''عوامی داستان'' بھی کہا جاتا ہے۔ لوک کہانی بزرگوں کی طرف سے سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل چلی آنے والی داستانیں ہوتی ہیں۔ یہ عام طور پر تحریری شکل میں نہیں ہوتیں۔ لوک کہانیاں عوام کے خیالات و جذبات کی ترجمان ہوتی ہیں۔ ان کہانیوں میں پختہ مذہبی عقائد کے بجائے ضعیف الاعتقادی کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔

**مقفیٰ نثر:**

عام طور پر اردو کی نثر سادہ ہوتی ہے اور اس میں وزن اور قافیہ کا التزام نہیں ہوتا۔ جبکہ مقفیٰ نثر اس نثر کو کہتے ہیں جس کے فقروں میں شعر کی طرح وزن تو نہیں ہوتا لیکن جملوں میں قافیہ بندی کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔

**سفرنامہ:**

جب کوئی سیاح سیر و سیاحت کے دوران اپنے تجربات، مشاہدات اور قلبی کیفیات کو تحریری صورت میں پیش کرتا ہے تو اس تحریر کو سفرنامہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ سفرنامہ لکھنے کے سفر شرط ہے۔ محض سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر سفرنامہ نہیں لکھا جاسکتا۔

**ڈرامہ:**

ڈرامہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ناٹک، سوانگ اور تمثیل ہے۔ اور ان سب الفاظ کا مفہوم ہے ''کچھ کر کے دکھانا''۔ گویا ڈرامہ ایک طرح کی نقالی ہے جو حرکت (عمل) اور تقریر (مکالمہ) کے ذریعے پیش کی جاتی ہے۔ ڈرامہ ادب کا وہ خوبصورت فن پارہ ہے جو انسانی زندگی کے کسی پہلو کی عملی عکاسی کرتا ہے اور اسے اسٹیج پر حرکات و سکنات کے ساتھ مکالموں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ شاعری کے بعد ڈرامہ سب سے زیادہ مقبول ادبی صنف ہے۔ شیکسپیئر دورِ جدید کا عظیم ترین ڈرامہ نگار ہے۔

**ڈرامے کے اجزاء:** ۱۔ پلاٹ ۲۔ کردار ۳۔ عمل ۴۔ مکالمہ ۵۔ زمان و مکان

**فکاہیہ کالم:**

فکاہیہ کالم سے مراد ایسا کالم ہے جس میں شگفتگی اور مزاح کا پہلو نمایاں ہو۔ برصغیر کے اخبارات میں کالم نویسی کی ابتدا فکاہیہ کالموں سے ہوئی تھی۔ فکاہیہ کالموں میں طنز و مزاح کے پیرائے میں تلخ معاشرتی حقائق کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر یونس بٹ کے کالم ''عکس برعکس'' اس کی بہترین مثال ہیں۔

**خاکہ نگاری:**

خاکہ کے لغوی معنی ہیں ''ڈھانچہ بنانا''۔ خاکہ نگاری ناول ڈرامے اور انشائیہ کی طرح ادب کی جداگانہ اور منفرد صنف ہے۔ ادبی نقطہ نظر سے خاکہ نگاری شخصیت کی ہو بہو عکاسی کا نام ہے۔ اس میں ظاہر کی تصویر کشی کے علاوہ باطن کا بھی احاطہ کیا جاتا ہے۔ خاکہ نگاری میں کسی انسان کے گفتار و کردار کا اس انداز سے احاطہ کیا جاتا ہے کہ وہ انسان ایک زندہ آدمی کی طرح ہمارے تخیل میں متحرک ہوجاتا ہے۔ خاکہ نگاری میں مبالغہ آرائی کے بجائے حقیقت نگاری کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

**مضمون نگاری:**

کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات و جذبات کا تحریری صورت میں اظہار کرنا مضمون نگاری کہلاتا ہے۔ مضمون لکھنے کے لئے موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ سرسید احمد خان کو مضمون نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ مضمون نگاری کے لئے وسیع مطالعہ اور تحریری مشق اہم چیزیں ہیں۔ اس کے علاوہ مضمون کی عبارت میں ربط اور تسلسل ہونا بھی ضروری ہے۔ عموماً مضمون تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

۱۔ تمہید ۲۔ نفسِ مضمون ۳۔ خاتمہ

**تنقید:**

تنقید کا لفظ ''نقد'' سے نکلا ہے۔ جس کا معنی ہے ''رائے دینا اور تبصرہ کرنا''۔ کسی بھی چیز کو دیکھ کر اس کے بارے میں مثبت یا منفی رائے دینے کو تنقید کہتے ہیں۔ اور تنقید نگاری سے مراد یہ ہے کہ ''ادبی تخلیقات'' کو پڑھ کر یہ فیصلہ صادر کرنے کے لئے قلم اٹھانا کہ اس کا کون سا حصہ جاندار اور بامقصد ہے اور کون سا پہلو کمزور اور بے معنی ہے''۔ تنقید کی ایک جامع تعریف: وہ تحریر جس میں کسی فن پارے کے حسن و قبح پر فنی اصول و ضوابط کی روشنی میں اظہار خیال کیا گیا ہو، تنقید کہلاتی ہے۔

**مقالہ نگاری:**

مقالہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ مقالہ کا معنی ہے ''کہی ہوئی بات''
''وہ علمی یا ادبی تحریر جو کسی خاص موضوع پر تحقیقی انداز میں لکھی جائے'' مقالہ کہلاتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''غزل اور نظم''

**غزل:**

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی ہیں''عورتوں سے باتیں کرنا''۔ہرن کے گلے سے خوف کے وقت جو چیخ نکلتی ہے۔اس کو بھی غزل کہتے ہیں۔اصطلاح میں وہ کلام''جو ایک ہی وزن اور ایک ہی بحر میں ہو،جس کے ہر شعر کا دوسرا مصرعہ ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ہو اور جس کے ہر شعر میں جدا جدا مضمون اور خیال بیان کیا گیا ہو،جس کا پہلا شعر مطلع اور آخری شعر مقطع ہو،غزل کہلاتا ہے۔ولی دکنی کو اردو غزل کا''باوا آدم'' کہا جاتا ہے۔

☆ غزل کے مطلع اور مقطع کے درمیانی اشعار کو''بیت'' کہتے ہیں۔

☆ غزل کے بہترین شعر کو''بیت الغزل (غزل کی روح،جان) کہتے ہیں۔

☆ غزل میں کم از کم پانچ اشعار ہوتے ہیں جبکہ زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔

**مطلع:**

مطلع کا لفظ''طلوع'' سے نکلا ہے۔غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔مثلاً ابن انشا کی ایک غزل کا مطلع دیکھیں۔

؎ کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا　　کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرہ تیرا

**حُسن مطلع:**

غزل کا وہ دوسرا شعر جس میں مطلع کی طرح قافیہ اور ردیف کا التزام کیا جائے،حسن مطلع کہلاتا ہے۔مثلاً ناصر کاظمی کی غزل کا حسن مطلع دیکھیں۔

؎ چراغ بن کے وہی جھلملائے شام فراق　　بچا لئے تھے جو آنسو برائے شام فراق

کدھر چلے گئے وہ ہم نوائے شام فراق　　کھڑی ہے در پہ مرے سر جھکائے شام فراق

**مقطع:**

مقطع کا لغوی معنی ہے''چھوڑنا،ختم کرنا''غزل کا وہ آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص بھی لائے مقطع کہلاتا ہے۔مثلاً قتیل شفائی کی غزل کا مقطع دیکھیں۔

؎ ماتم سرا بھی ہوتے ہیں کیا خود غرض قتیل　　اپنے غموں پہ روتے ہیں لے کر کسی کا نام

**شعر:**

شعر عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بطورِ اسم استعمال ہوتا ہے۔شعر کا اردو لغت میں معنی ہے''کسی باریک چیز کا جاننا''''موزوں مقفیٰ کلام'' کو بھی اردو لغت میں شعر کہتے ہیں۔اصطلاح میں''وہ موزوں کلام جو با مقصد ہو اور ایک خاص خیال پر مبنی ہو اور جس کے دونوں مصرعے ہم وزن ہوں شعر کہلاتا ہے''۔ایک شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔پہلے مصرعہ کو مصرعہ اولیٰ اور دوسرے مصرع کو مصرعہ ثانی کہتے ہیں۔

**مصرع:**

مصرع عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بطورِ اسم استعمال ہوتا ہے۔اس کا لغوی معنی ہے''دروازے کا ایک تختہ''اصطلاح میں شعر کے''نصف'' کو مصرعہ کہتے ہیں۔اس کو''مصرع''اور''مصرعہ''دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔

**بحر:**

بحر عربی زبان کا لفظ ہے۔لغت میں بڑے''دریا،سمندر'' کو کہتے ہیں۔اصطلاح میں چند متعین الفاظ کے اتار چڑھاؤ اور ترتیب و تکرار کو بحر کہتے ہیں۔یعنی شعر کا ایک مصرع جس مقدار کا ہے،دوسرا مصرعہ بھی اتنی ہی مقدار کا ہوگا۔یا بحر شعری اصطلاح میں چند ایسے کلمات موزوں کو کہا جاتا ہے جن پر اشعار کا وزن درست کیا جاتا ہے۔اردو شاعری میں کل انیس (19) بحریں ہیں۔

**وزن:**

علم عروض کے مطابق دو لفظوں کے''حرکت اور سکون'' کے لحاظ سے برابر ہونے کو وزن کہتے ہیں۔مثلاً دیوار،دیدار ایک ہی وزن کے الفاظ ہیں اور اسی طرح ذکر،فکر ہم وزن الفاظ ہیں۔

(نوٹ:عروض اس علم کو کہتے ہیں جس سے اشعار کے اوزان اور قاعدے معلوم ہوں اور جس کے ذریعے موزوں و غیر موزوں کلام میں تمیز کی جا سکے)

**قافیہ:**

قافیہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بطورِ اسم استعمال ہوتا ہے۔لغت میں اس کا معنی ہے''پے در پے آنے والا''۔غزل کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں جو ہم آواز الفاظ ردیف سے پہلے آتے ہیں،انہیں قافیہ کہتے ہیں۔یاد رہے کہ قافیے ہم آواز اور ہم وزن ہوتے ہیں لیکن ہم معنی نہیں ہوتے۔یہ غزل کا جزوِ لازمی ہوتے ہیں۔مثلاً غلام محمد قاصر کے اشعار دیکھیں۔

؎ بغیر اس کے اب آرام بھی نہیں آتا
وہ شخص جس کا مجھے نام بھی نہیں آتا
کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

ان اشعار میں آرام،نام،کام قوافی ہیں۔

**ردیف:**

یہ عربی لفظ ہے۔لغت میں اس شخص کو ردیف کہتے ہیں جو گھوڑے یا اونٹ وغیرہ پر کسی سوار کے پیچھے بیٹھے۔غزل کے آخر میں جو ہم آواز،ہم وزن اور ہم معنی الفاظ قافیہ کے بعد بار بار آتے ہیں،وہ ردیف کہلاتے ہیں۔مثلاً عباس تابش کے یہ اشعار:

؎ رونے نہیں دیتا کبھی ہنسنے نہیں دیتا
یہ دل تو کوئی کام بھی کرنے نہیں دیتا
تم مانگتے ہو مجھ سے میری آخری خواہش
بچہ تو کبھی اپنے کھلونے نہیں دیتا

ان اشعار میں''نہیں دیتا''ردیف ہے۔جو ہم آواز،ہم وزن اور ہم معنی ہے۔

**تخلص:**

تخلص عربی لفظ ہے۔جس کا لغوی معنی ہے''چھٹکارا''۔جب شاعر اپنے نام کو،یا اپنے نام کے کسی حصے کو یا کسی اور مختصر نام کو اپنی غزلوں کے مقطعوں میں استعمال کرے تو اسے تخلص کہتے ہیں۔مثلاً اسد اللہ خان غالب نے پہلے اسدؔ اور بعد میں غالبؔ تخلص اختیار کیا۔مقبول عامرؔ نے اس شعر میں اپنا تخلص استعمال کیا ہے۔

؎ میں مر گیا ہوں وفا کے محاذ پر عامرؔ
پسِ شکست بھی میرا وقار باقی ہے

**نظم:**

نظم کے لفظی معنی ہیں''پرونا''جیسے موتی لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ایسے ہی نظم میں شعر پروئے جاتے ہیں۔

اشعار کے اس مجموعے کو نظم کہتے ہیں۔جس میں اول سے لے کر آخر تک ایک ہی خیال پیش کیا جاتا ہے۔نظم کے اشعار میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس میں شروع سے آخر تک ایک ہی خیال کو تسلسل سے بیان کیا جاتا ہے۔یہ خوبی غزل کے بالکل برعکس ہے کیونکہ غزل کا ہر شعر جدا مضمون کا حامل ہوتا ہے۔مثلاً فیض کی یہ نظم:

وہ لوگ بھی کتنے اچھے تھے
جو عشق کو کام سمجھتے تھے
ہم جیتے جی مصروف رہے
کچھ عشق کیا،کچھ کام کیا
کام عشق کے آڑے آتا رہا
اور عشق سے کام الجھتا رہا
سو ہم نے آخر تنگ آ کر
دونوں کو ادھورا چھوڑ دیا

**آزاد نظم:**

آزاد نظم اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں نہ ردیف قافیہ ہوتے ہیں اور نہ اس کے مصرعے آپس میں وزن کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں اور بحر کی پابندی بھی اس میں نہیں ہوتی، تاہم اشعار میں تسلسل، روانی اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً سہیل احمد کی یہ نظم:

تم کو ڈائری دے کر
اب کی بار سوچا ہے
جتنے حرف لکھو گی
ان حسین ہاتھوں سے
ان تمام حرفوں کو
شدتِ عقیدت سے
اس قدر میں چوموں گا
تا کہ میرے ہونٹوں کے
زردوں کناروں پر
تیرے حرف کی خوشبو
پھیلتی چلی جائے!

''اس نظم کے اشعار میں قافیہ، ردیف، وزن، بحر کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ مگر روانی اور ترنم موجود ہے''۔

**معریٰ نظم:**

جس نظم میں قافیہ اور ردیف کی پابندی نہ ہو لیکن وزن اور بحر کی پابندی لازمی ہو، اسے معریٰ نظم کہتے ہیں۔ مثلاً اختر شیرانی کی یہ نظم:

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں، وقفِ مصیبت نہ کروں
وہ محبت کی بھلا تاب کہاں لائے گی
خود تو وہ آتشِ جذبات میں جل جائے گی
اور دنیا کو اس انجام پر تڑپائے گی

**پابند نظم:**

پابند نظم اس نظم کو کہتے ہیں جس میں وزن اور بحر کے ساتھ ساتھ قافیہ اور بسا اوقات ردیف کی پابندی بھی لازمی ہوتی ہے۔ اس نظم میں موضوع اور اشعار کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ شاعر کسی بھی موضوع پر لاتعداد اشعار کہہ سکتا ہے۔ بعض شاعروں نے چار سے چھ اشعار پر مشتمل پابند نظمیں کہی ہیں۔ مثلاً جواب شکوہ کے یہ اشعار دیکھیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یہ علامہ اقبال کی نظم ہے۔ اس میں وزن اور بحر کے ساتھ قافیہ اور ردیف کی پابندی بھی کی گئی ہے۔

**مسدس اور مسدس ترجیع بند:**

مسدس اس نظم کو کہتے ہیں۔ جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوں۔ مثلاً حالی کی مشہور مسدس نظم ''مدوجزر اسلام''۔

مسدس کے ہر بند کا تیسرا شعر اگر من وعن دہرایا جائے تو اسے ٹیپ کا شعر اور ایسی مسدس کو مسدس ترجیع بند کہتے ہیں۔ نصاب میں شامل اختر شیرانی کی نظم ''بڑھے چلو'' مسدس ترجیع بند کی مثال ہے۔

**مخمس:**

وہ نظم جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں، مخمس کہلاتی ہے۔ عام طور پر مخمس نظم کے پہلے چار مصرعے ایک طرح کے قافیے اور ردیف میں ہوتے ہیں اور پانچویں مصرعے کا قافیہ ردیف الگ ہوتا ہے۔ نصاب میں شامل مجید امجد کی نظم "نفیرِ عمل"، مخمس نظم کی مثال ہے۔

**سانیٹ:**

سانیٹ مغربی شاعری سے اردو میں منتقل ہوئی ہے۔ اس میں موسیقیت اور ترنم پایا جاتا ہے۔ سانیٹ چودہ مصرعوں والی نظم ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر چار چار سطروں والے دو بند اور تین تین سطروں والے دو بند ہوتے ہیں۔ ن۔م راشد کی نظم "ستارے" سانیٹ کی مثال ہے۔ جو شامل نصاب ہے اور کبھی کبھی سانیٹ نظم کے پہلے دو بند اور آخری بند چار سطروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور تیسرا بند دو سطروں پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی پہلے تین بند چار سطروں والے ہوتے ہیں اور آخری بند دو ہی مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

**رباعی:**

رباعی عربی کا لفظ "ربع" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی "چار" کے ہیں۔ اصطلاح میں رباعی اس مختصر نظم کو کہتے ہیں جو صرف دو شعروں اور چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ رباعی کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ رباعی میں عام طور پر صوفیانہ اور اخلاقی مضامین بیان کئے جاتے ہیں۔ اقبال کی یہ رباعی:

لوگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے

**قطعہ:**

اس نظم کو قطعہ کہتے ہیں جس میں دو یا دو سے زائد اشعار اس قید کے ساتھ لکھے جائیں کہ سب کا مطلب آپس میں ایک دوسرے سے متعلق اور مسلسل ہو۔ قطعہ کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں قافیہ لانا لازمی ہوتا ہے۔ فیض کا یہ قطعہ دیکھیں:

رات یوں دل میں تیری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

**قصیدہ:**

قصیدہ کا لفظ "قصد" سے نکلا ہے۔ جس کا معنی "ارادہ" ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ قصیدہ ایک ایسی صنف سخن ہے، جو ارادی طور پر وجود میں آتی ہے اور غیر ارادی طور پر وجود میں نہیں آ سکتی۔ اصطلاحی تعریف: کسی زندہ شخص کی تعریف و توصیف میں ارادی طور پر لکھی گئی نظم قصیدہ کہلاتی ہے۔ قصیدے میں مبالغہ آرائی کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ پہلے زمانے کے شعراء بادشاہوں کی شان میں قصائد لکھ کر درباروں سے انعام پاتے تھے۔ آج کل چونکہ نہ دربار ہیں اور نہ بادشاہ، اس لئے قصیدے کی صنف دم توڑ رہی ہے۔

**تحت اللفظ:**

اس کا معنی ہے "زیرِ لفظ یا لفظ بلفظ" اور اصطلاح میں تحت اللفظ سے مراد ہے کہ مرثیہ یا اشعار کو بغیر ترنم کے اس طرح پڑھنا کہ شعر کا ہر جز و یا لفظ الگ الگ سمجھ میں آ جائے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''حروف''

حرف وہ کلمہ ہے جو نہ تو کسی کا نام ہو اور نہ کسی کام کے کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے اور نہ الگ سے اپنا کوئی معنی رکھتا ہو۔ حرف صرف مختلف کلموں کو آپس میں ملانے کا کام دیتا ہے اور ان کے ساتھ مل کر ہی بامعنی بنتا ہے جیسے

۱۔علی اور احسان آئے۔ ۲۔اسلم گھر سے بازار تک گیا۔ ۳۔اگر وہ نہ آیا تو ہمیں جانا پڑے گا۔

## ''حروف کی اقسام''

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | حروف جار | ۲۔ | حروف عطف |
| ۳۔ | حروف شرط | ۴۔ | حروف ندا |
| ۵۔ | حروف تأسف | ۶۔ | حروف تشبیہ |
| ۷۔ | حروف اضافت | ۸۔ | حروف استفہام |
| ۹۔ | حروف تحسین | ۱۰۔ | حروف نفرین |
| ۱۱۔ | حروف علت | ۱۲۔ | حروف بیان |

**حروف جار:**

یہ وہ حروف ہوتے ہیں جو کسی اسم کو فعل کے ساتھ ملائیں۔ جیسے: قلم اور دوات میز پر رکھ دو۔ اس جملے میں ''پر'' حرفِ جار ہے۔ اردو کے مشہور حروف جار: کے، کا، کی، کو، پر، سے، تک، پہ، ساتھ، اندر، باہر

؎ طوفاں کے بیچ آ کے بہت خوش ہے زندگی

**حروف عطف:**

یہ وہ حروف ہوتے ہیں جو دو اسموں یا دو جملوں کو آپس میں ملانے کے لئے استعمال ہوں جیسے: قلم اور دوات میز پر رکھ دو۔ سلمان کھانا کھا کر سکول گیا۔ ان جملوں میں ''اور'' اور ''کر'' حروف عطف ہیں۔ دیگر حروف عطف یہ ہیں۔ اور، و، نیز، پھر، بھی

؎ پرچم ستارہ و ہلال

**حروف شرط:**

حروف شرط وہ حروف ہیں جو شرط کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے اگر وہ تیز چلتا تو گاڑی پکڑ لیتا۔ اس جملے میں ''اگر'' حرف شرط ہے۔ مشہور حروف شرط یہ ہیں۔ اگر، گر، اگرچہ، جب، جب تک، جوں ہی

؎ فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ

**حرف ندا:**

حروف ندا وہ حروف ہیں جو کسی اسم کو پکارنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے: ارے بھائی! ذرا ٹائم تو بتانا۔ اس جملے میں ''ارے'' حروف ندا ہے۔ مشہور حروف ندا یہ ہیں۔ ارے، او، اے، یا، اجی

؎ اے علم! کیا تو نے ملکوں کو نہال

**حروف تأسف:**

حروف تأسف وہ حروف ہیں جو غم اور افسوس کے موقع پر بولے جائیں۔ جیسے: افسوس! انسان کس قدر غافل ہو چکا ہے۔ اس جملے میں ''افسوس'' حرف تأسف ہے۔ مشہور حروف تأسف یہ ہیں۔ افسوس، حیف، اف، افوہ، ہائے۔

؎ افسوس! صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تُو

**حروف تشبیہ:**

یہ وہ حروف ہوتے ہیں جو ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینے کے لئے استعمال ہوں۔ جیسے: موتی جیسے دانت، برف کی طرح ٹھنڈا۔ اس مثال میں ''جیسے'' اور ''طرح'' حروف تشبیہ ہیں۔

مشہور حروف تشبیہ یہ ہیں۔ مانند، مثل، طرح، سا، جیسا، ہو بہو۔

ے موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

**حروف اضافت:**

یہ وہ حروف ہوتے ہیں جو صرف اسموں کے باہمی تعلق یا لگاؤ کو ظاہر کریں۔ جیسے: امجد کی کرسی، باغ کے پھول، علی کا قلم۔ ان مثالوں میں ''کی''،''کے'' اور ''کا'' حروف اضافت ہیں۔

ے اسلام کا سکہ ہم دنیا پر بٹھا دیں گے

**حروف استفہام:**

یہ وہ حروف ہوتے ہیں جو کچھ پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں جیسے احسن! تم کب آؤ گے؟ اس جملے میں ''کب'' حرف استفہام ہے۔ مشہور حروف استفہام یہ ہیں۔ کیا، کب، کس، کیسے، کتنا، آیا، کیوں۔

ے کب کِیا، کیونکر کِیا، یہ پوچھتا کوئی نہیں

**حروف تحسین:**

یہ وہ حروف ہیں جو کسی چیز کی تعریف کے موقع پر بولے جائیں جیسے: واہ کتنا پیارا موسم ہے۔ اس جملے میں ''واہ'' حرف تحسین ہے۔ مشہور حروف تحسین یہ ہیں۔ سبحان اللہ، واہ واہ، شاباش، مرحبا، ماشاءاللہ۔

نوٹ: حروف تحسین کو حروف انبساط بھی کہتے ہیں۔

ے واہ واہ کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہوا

**حروف نفرین:**

یہ وہ حروف ہیں جو نفرت اور ملامت کے موقع پر بولے جائیں جیسے: جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ اس جملے میں ''لعنت'' حرف نفرین ہے۔ مشہور حروف نفرین یہ ہیں۔ لعنت، پھٹکار، تُف، اخ تھو، چھی چھی۔

ے غصہ آتا ہے مجھے اس حضرت انسان پر فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطاں پر

**حروف علت:**

یہ وہ حروف ہیں۔ جو کسی کام کی وجہ یا سبب کو ظاہر کریں۔ جیسے چونکہ تم بیمار ہو اس لئے آرام کرو۔ اس جملے میں ''چونکہ'' اور ''اس لئے'' حروف علت ہیں۔ مشہور حرف علت: کیونکہ، اس لئے، چونکہ، لہٰذا، چنانچہ۔

ے ہو رہا ہے جو، اسی طرح سے ہونا تھا یہاں اس لئے ہم نے کسی بات پہ حیرت نہیں کی

**حروف بیان:**

وہ حرف جو کسی بات کی وضاحت کے لئے دو جملوں کے درمیان لایا جائے حرف بیان کہلاتا ہے۔ اردو میں حرف بیان صرف ''کہ'' ہے۔ جیسے استاد نے شاگرد سے کہا کہ سبق سناؤ۔

ے یہ بھی سچ ہے کہ ترے ہم بھی سوالی نہ ہوئے اور تو نے بھی کبھی کوئی عنایت نہیں کی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''علمِ بیان''

''بیان''عربی زبان کا لفظ ہے۔جس کا معنی ہے''ظاہر کرنا''''کھول کر بات کرنا''،''وضاحت کرنا''۔

اردو ادب کی اصطلاح میں علم بیان ایسے قواعد کے مجموعے کا نام ہے،جن کو جان لینے کے بعد ہم ایک ہی بات یا مضمون کو مختلف طریقوں سے بیان کر سکیں اور ان میں سے ہر نیا طریقہ دوسرے طریقے سے زیادہ واضح اور مئوثر ہو۔اس علم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کلام کے سمجھنے میں غلطی کا امکان کم ہو اور کلام کے معانی و مطالب میں خوبصورتی پیدا ہو۔(اب آسانی کے لئے یوں سمجھیں)

**علمِ بیان کا لغوی معنی:**

ظاہر کرنا،وضاحت کرنا

**اصلاحی تعریف:**

علمِ بیان ان قواعد کے مجموعے کا نام ہے،جن کو سیکھنے کے بعد انسان ایک ہی مضمون کو مختلف انداز سے بیان کر سکے اور ہر طریقہ پہلے طریقے سے زیادہ مئوثر اور واضح ہو۔

**غرض وغایت:**

۱۔　کلام کے سمجھنے میں غلطی کا امکان کم ہو جائے۔

۲۔　کلام کے معانی و مطالب میں حسن پیدا ہو سکے۔

علمِ بیان کا دارومدار ان چار چیزوں پر ہے:

۱۔تشبیہ　۲۔استعارہ　۳۔مجاز مرسل　۴۔کنایہ

**۱۔تشبیہ:**

تشبیہ عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لغوی معنی مشابہت،تمثیل اور کسی چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا ہیں۔

**اصطلاحی تعریف:**

علمِ بیان کے مطابق کسی چیز کو ایک یا ایک سے زائد مشترک خصوصیات کی بنا پر دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔جیسے''مجاہد نے شیر کی طرح دشمن پر حملہ کیا''۔اس مثال میں مجاہد کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے اور دونوں میں مشترک خصوصیت بہادری ہے۔

## ''تشبیہ کے ارکان''

**تشبیہ کے ارکان پانچ ہیں:**

۱۔مشبہ　۲۔مشبہ بہ　۳۔حرف تشبیہ　۴۔وجہ تشبیہ　۵۔غرضِ تشبیہ

**۱۔مشبہ:**

وہ چیز ہے جس کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دی جائے جیسے''مجاہد نے شیر کی طرح دشمن پر حملہ کیا''اس مثال میں مجاہد مشبہ ہے کیونکہ مجاہد کو شیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

**۲۔مشبہ بہ:**

مشبہ کو جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔جیسے''مجاہد نے شیر کی طرح دشمن پر حملہ کیا''اس مثال میں شیر مشبہ بہ ہے کیونکہ مجاہد جو مشبہ ہے۔اسے شیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

**۳۔حرف تشبیہ:**

۱۔ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینے کے لئے کچھ خاص حروف استعمال کئے جاتے ہیں۔انہیں حروف تشبیہ کہا جاتا ہے۔

جیسے''مجاہد نے شیر کی طرح دشمن پر حملہ کیا''اس مثال میں''طرح''حرف تشبیہ ہے۔حروف تشبیہ یہ ہیں:جیسا،سا،مانند،مثل،طرح،گویا وغیرہ

**۴۔وجہ تشبیہ:**

وجہ تشبیہ کا مطلب ہے تشبیہ کا سبب یا بنیاد۔طرفین تشبیہ میں پائی جانے والی صفت مشترک''وجہ تشبیہ''کہلاتی ہے۔مثلاً''مجاہد نے شیر کی طرح دشمن پر حملہ

کیا''اس مثال میں وجہ تشبیہ ''بہادری'' ہے۔کیونکہ بہادری وہ صفتِ مشترک ہے جو مجاہد اور شیر دونوں میں پائی جاتی ہے۔

**۵۔غرضِ تشبیہ:**

غرضِ تشبیہ کو مقصدِ تشبیہ بھی کہتے ہیں۔جس مقصد کے لئے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے وہ غرضِ تشبیہ کہلاتا ہے۔جیسے ''مجاہد نے شیر کی طرح دشمن پر حملہ کیا''۔اس مثال میں مجاہد کی بہادری کو نمایاں کرنے کے لئے اسے شیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔تو ''مجاہد کی بہادری کو نمایاں کرنا'' اس مثال میں غرضِ تشبیہ ہے۔

## تشبیہ کی شعری مثالیں

۱۔ جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں　　اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

**وضاحت:**

اس شعر میں اہلِ ایمان ''مشبہ''، خورشید ''مشبہ بہٖ'' صورت ''حرف تشبیہ'' عروج و زوال ''وجہ تشبیہ'' اور اہل ایمان کی متحرک اور انقلابی شخصیت کے تصور کو واضح کرنا ''غرض تشبیہ'' ہے کہ اہلِ ایمان کا زوال دائمی نہیں ہوتا بلکہ جس طرح خورشید غروب ہو کر پھر طلوع ہو جاتا ہے۔اسی طرح اہلِ ایمان بھی زوال کے بعد عروج حاصل کر لیتے ہیں۔

۲۔ نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

**وضاحت:**

اس شعر میں لب ''مشبہ'' گلاب کی پنکھڑی ''مشبہ بہٖ'' کی سی ''حرف تشبیہ'' نازک اور ملائم ہونا ''وجہ تشبیہ'' اور محبوب کے ہونٹوں کی نزاکت و ملائمت کو مؤثر اور واضح طور پر بیان کرنا ''غرض تشبیہ'' ہے۔

**مزید مثالیں:**

۱۔ کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا　　کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

۲۔ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۲۔''استعارہ''

استعارہ کے معنی لغت میں مستعار یا اُدھار لینے کے ہیں۔

**اصطلاحی تعریف:**

علم بیان کے مطابق جب کسی لفظ کو حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال کیا جائے اور حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق پایا جائے تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔مثلاً

۱۔ کسی بہادر آدمی کو ''شیر'' کہنا۔

۲۔ کسی کو اس کے حسن کی وجہ سے ''گُل'' کہنا۔

۳۔ کسی کو اس کی بزدلی کی وجہ سے ''گیدڑ'' کہنا۔

''تشبیہ اور استعارہ میں تھوڑا سا فرق ہے''۔

اس فرق کو یوں سمجھیں

ماں اپنے بیٹے کو ''میرا چاند سا بیٹا'' کہے تو یہ تشبیہ ہے اور اگر ماں اپنے بیٹے کو ''میرا چاند'' کہے تو یہ استعارہ ہے۔گویا وہ چاند سے اس کا نام عارضی طور پر ادھار لے کر اپنے بیٹے کے لئے استعمال کرتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''ارکانِ استعارہ''

ارکانِ استعارہ چار ہیں۔

۱۔مستعارلہ　۲۔مستعارمنہ　۳۔لفظِ مستعار　۴۔وجہ جامع

**۱۔مستعارلہ:**

وہ شخص یا چیز جس کے لئے کوئی لفظ مستعار (ادھار) لیا جائے مثلاً ''بہادر آدمی کو شیر کہنا'' اس مثال میں بہادر آدمی کی ذات مستعارلہ ہے۔یعنی شیر کا لفظ بہادر آدمی کے لئے مستعار (ادھار) لیا گیا ہے۔''یاد رہے کہ استعارہ میں مستعارلہ کا ذکر نہیں ہوتا''۔

**۲۔مستعارمنہ:**

وہ شخص یا چیز جس سے کوئی لفظ مستعار (ادھار) لیا جائے مثلاً ''بہادر آدمی کو شیر کہنا'' اس مثال میں شیر مستعارمنہ ہے۔

**۳۔لفظِ مستعار:**

وہ لفظ جو بطورِ استعارہ استعمال کیا جائے۔اسے لفظِ مستعار کہتے ہیں۔مثلاً ''بہادر آدمی کو شیر کہنا'' اس مثال میں ''شیر کا لفظ'' لفظِ مستعار ہے۔

**۴۔وجہ جامع:**

وہ مشترک خصوصیت جو طرفین استعارہ (مستعارلہ اور مستعارمنہ) میں مشترک طور پر پائی جائے اور دونوں میں تشبیہ کا تعلق پیدا کرے وجہ جامع کہلاتی ہے۔مثلاً کسی بہادر آدمی کو شیر کہنا'' اس مثال میں وجہ جامع ''بہادری'' ہے۔جو مستعارلہ (بہادر آدمی) اور مستعارمنہ (شیر) میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔

**شعری مثالیں:**

۱۔　کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے　رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

**وضاحت:**

اس شعر میں لفظ شیر استعارہ ہے۔حضرت حسینؓ ''مستعارلہ'' ہیں۔شیر کی ذات ''مستعارمنہ'' ہے۔شیر کا لفظ ''لفظِ مستعار'' ہے اور وجہ جامع بہادری ہے۔

۲۔　بھیجنا خط کا کیا اس بت نے بند　اب خدایا موت کا پیغام بھیج

**وضاحت:**

اس شعر میں لفظِ بت استعارہ ہے۔محبوب ''مستعارلہ'' ہے۔بت کی ذات ''مستعارمنہ'' ہے۔بت کا لفظ ''لفظ مستعار'' ہے۔اور وجہ جامع ''پتھر ہونا'' ہے کہ جیسے بت پتھر کا ہوتا ہے۔اسی طرح شاعر کے محبوب کا دل بھی پتھر کا ہو چکا ہے کہ وہ شاعر کو خط نہیں بھیج رہا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۳۔''مجازِ مرسل''

**تعریف:**

علم بیان کے مطابق جب کوئی لفظ اپنے اصلی معنی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال ہو اور اصلی اور مجازی معنوں کے درمیان تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق پایا جائے تو اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں۔یہ کوئی اور تعلق کئی طرح کا ہو سکتا ہے مثلاً

**۱۔جزو (ایک حصہ) بول کر کُل (سب) مراد لینا:**

یعنی جو لفظ جزو کے لئے وضع کیا گیا ہو، اسے کُل کے معنوں میں استعمال کیا جائے۔جیسے:

''کب سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔اب آ کر اپنا منہ تو دکھا جاؤ''۔

اس مثال میں منہ (جزو) بول کر کُل (پورا جسم) مراد لیا گیا ہے۔

**۲۔کُل (سب) بول کر جزو (ایک حصہ) مراد لینا:**

یعنی جو لفظ کُل کے لئے وضع کیا گیا ہو، اسے جزو کے معنوں میں استعمال کیا جائے۔جیسے:

''ناصر شہر میں رہتا ہے''۔

اس مثال میں شہر (کُل) بول کر شہر کا کوئی حصہ (جزو) مراد لیا گیا ہے۔کیونکہ ناصر پورے شہر میں تو نہیں رہتا، شہر کے کسی حصے میں رہتا ہے۔

**۳۔ظرف (برتن) بول کر مظروف (برتن کے اندر چیز) مراد لینا:**

ظرف کے معنی برتن کے ہیں اور مظروف برتن کے اندر پڑی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔مثلاً

بچے کا یہ کہنا ''امی! بریانی بہت مزے کی ہے، میں تو دو پلیٹیں کھاؤں گا''

اس مثال میں ظرف (پلیٹیں) بول کر مظروف (بریانی) مراد لیا گیا ہے۔کیونکہ ظاہر ہے کہ بچہ پلیٹیں تو نہیں کھائے گا بلکہ اس کے اندر موجود بریانی کھائے گا۔

**۴۔مظروف (برتن کے اندر چیز) بول کر ظرف (برتن) مراد لینا:**

مظروف سے مراد برتن کے اندر پڑی ہوئی چیز ہے اور ظرف سے مراد برتن ہے۔جیسے:

''کسی کا یہ کہنا کہ چائے میز پر پڑی ہے، پی لو''

اس مثال میں مظروف (چائے) بول کر ظرف (پیالی) مراد لی گئی ہے۔کیونکہ ظاہر ہے کہ صرف چائے میز پر نہیں رکھی جا سکتی بلکہ پیالی میز پر رکھی جاتی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ۴۔''کنایہ''

**کنایہ:**

کنایہ کے لغوی معنی ہیں ''پوشیدہ یا خفیہ بات''، علم بیان کے مطابق جب کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس سے حقیقی معنی بھی مراد لئے جا سکیں تو اسے کنایہ کہتے ہیں۔مثلاً

۱۔کسی کو ''سفید پوش'' کہہ کر عزت والا مراد لینا مجازی معنی ہے جبکہ اس سے مراد سفید کپڑے پہننے والا بھی ہو سکتا ہے جو کہ اس کا حقیقی معنی ہے۔

۲۔کسی مرد کا یہ کہنا کہ ''میں اسے دیکھ لوں گا، میں نے کوئی ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہن رکھیں''۔اس جملے میں ''چوڑیاں نہیں پہن رکھیں'' مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ میں کوئی عورتوں کی طرح بزدل نہیں ہوں۔لیکن اس سے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو مرد ہوتا ہے وہ ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہنتا۔

**شعری مثال:** جُوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی

**وضاحت:**

مولانا حالی کے اس شعر میں ''گھٹی میں پڑا'' ہونا سے مراد ہے ''عادی ہونا''۔یہ اس کا مجازی مفہوم ہے جبکہ حقیقی مفہوم بھی مراد ہو سکتا ہے کہ بچپن میں جو چیز پہلی دفعہ ان کے حلق میں گھٹی کے طور پر ٹپکائی گئی تھی وہ شراب تھی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''اردو صنعتیں''

**۱۔صنعتِ تضاد:**

جب شاعر اپنے کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرے جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں تو یہ صنعتِ تضاد کہلاتی ہے یا صنعتِ تضاد شاعری میں اس صنعت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایک شعر میں دو یا دو سے زیادہ متضاد الفاظ استعمال کئے جائیں۔اس صنعت کو صنعت تقابل بھی کہتے ہیں۔

**مثال۱:** صبح ہوتی ہے،شام ہوتی ہے　　زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے

**وضاحت:**

اس شعر کے پہلے مصرعے میں صبح اور شام متضاد الفاظ ہیں۔

**مثال۲:** وصل سے شاد کیا ہجر سے ناشاد کیا　　اس نے جس طرح سے چاہا مجھے برباد کیا

**وضاحت:**

اس شعر میں وصل،ہجر اور شاد،ناشاد متضاد الفاظ ہیں۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**۲۔صنعتِ تلمیح:**

تلمیح لغت میں اشارہ کرنے کو کہتے ہیں۔جب شاعر اپنے شعر میں کوئی ایسا لفظ لائے۔جس سے کسی تاریخی،سیاسی،مذہبی واقعے کی طرف اشارہ ہو تو یہ صنعت تلمیح کہلاتی ہے۔تلمیح کے استعمال سے شعر کے معنی میں وسعت اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

**مثال۱:** کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

**وضاحت:**

اس شعر میں کوہ طور صنعت تلمیح ہے کیونکہ کوہ طور سے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔جب موسیٰؑ اللہ کے دیدار کے لئے طور پہاڑ پر گئے تھے۔

**مثال۲:** بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

**وضاحت:**

اس شعر میں آتش نمرود صنعت تلمیح ہے۔یہ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**۳۔صنعتِ مبالغہ:**

مبالغہ کے لغوی معنی ہیں ''حد سے بڑھنا''شعری اصطلاح میں مبالغہ اس صنعت کا نام ہے جس کے ذریعے کسی چیز یا شخص کی حد سے زیادہ تعریف یا مذمت کی جاتی ہے۔صنعت مبالغہ کے استعمال سے شعر کا حسن نکھر جاتا ہے۔

**مثال۱:** رشتۂ عمر میں تیرے پڑیں گرہیں اتنی　　بچہ گننے کو جو بیٹھے تو بوڑھا ہو جائے

**وضاحت:**

اس شعر میں عمر کی طوالت کے لئے مبالغہ استعمال کیا گیا ہے۔

**مثال۲:** کل رات ہجرِ یار میں رویا میں اس قدر　　چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر

**وضاحت:**

اس شعر میں شاعر نے محبوب کی جدائی میں آنسو بہانے میں مبالغہ کیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

**۴۔صنعتِ تشبیہ:**

تشبیہ کا معنی ہے ''کسی خصوصیت میں ایک جیسا ہونا''اصطلاح میں تشبیہ سے مراد ہے کہ شعر میں دو مختلف چیزوں کو کسی مشترکہ صفت کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مانند قرار دینا۔

**مثال۱:** نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

**وضاحت:**

اس شعر میں محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

**مثال۲:** کسی نے مول نہ پوچھا دلِ شکستہ کا　　کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

**وضاحت:**

اس شعر میں ٹوٹے ہوئے دل کو ٹوٹے پیالے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۵۔صنعت مراعاۃ النظیر:**

جب شاعر کلام میں ایک چیز کا ذکر کرے اور پھر اس کی مناسبت سے ایسی مختلف چیزوں کا ذکر کرے جن میں باہم کوئی تضاد نہ ہو تو اسے صنعت مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔(اس صنعت کو صنعتِ تناسب بھی کہتے ہیں)

**مثال۱:** زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ　　جوئے شِیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

**وضاحت:**

اس شعر میں کوہکن کا ذکر کر کے اس کی مناسبت سے جوئے شیر، تیشہ اور سنگ کا ذکر کیا گیا ہے۔

**مثال۲:** ہو مرا ریشۂ امید، وہ نخلِ سرسبز　　جس کی ہر شاخ میں ہو پھول، ہر اک پھول میں پھل

**وضاحت:**

اس شعر میں نخلِ سرسبز کی مناسبت سے شاخ، پھول اور پھل کا ذکر کیا گیا ہے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۶۔صنعت لف ونشر:**

لف کے معنی ہیں ''لپیٹنا اور جوڑنا''۔نشر کے معنی ہیں ''بکھیرنا اور پھیلانا''۔

جب شاعر کچھ چیزوں کا ذکر پہلے مصرعے میں کرے اور پھر ان کی مناسبت سے اتنی ہی چیزوں کا ذکر دوسرے مصرعے میں کرے تو اسے صنعت لف ونشر کہتے ہیں۔

**مثال:** غازہ و سرخی و سرمہ بھی مجھے چاہیے　　اپنے رخسار و لب و چشم سجانے کے لئے

**وضاحت:**

اس شعر کے پہلے مصرعے میں غازہ کا ذکر کیا تو اس کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں رخسار کا ذکر ہوا۔ پہلے مصرعے میں سرخی کا ذکر کیا تو اس کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں لب کا ذکر ہوا۔ پہلے مصرعے میں سرمہ کا ذکر ہوا تو دوسرے مصرعے میں اس کی مناسبت سے چشم کا ذکر کیا گیا ہے۔

صنعت لف ونشر کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔لف ونشر مرتب　　۲۔لف ونشر غیر مرتب

**لف ونشر مرتب:**

لف ونشر مرتب کی تعریف یہ ہے کہ مناسبات کا ذکر شعر کے دونوں مصرعوں میں بالترتیب ہو۔

**مثال:**

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا　　وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

**لف ونشر غیر مرتب:**

لف ونشر غیر مرتب کی تعریف یہ ہے کہ مناسبات کا ذکر شعر کے دونوں مصرعوں میں بالترتیب نہ ہو۔

**مثال:** ایک سب آگ، ایک سب پانی　　دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**۷۔صنعتِ تضمین:**

تضمین کا لفظی معنی ہے''ملانا''

جب شاعر کسی دوسرے شاعر کے مصرعے کو اپنے مصرعے کے ساتھ شامل کر کے شعر مکمل کرے تو اسے صنعتِ تضمین کہتے ہیں۔

**مثال:۱۔** بنا ہے کوٹ یہ نیلام کی دکان کے لئے　''صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے''

**وضاحت:**

اس شعر کا پہلا مصرعہ سید محمد جعفری کا ہے اور دوسرا مصرعہ مرزا غالب کا ہے۔

**مثال:۲۔** جس لڑکی کو دیکھا میں نے اس کی شادی ہوگئی　''نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں''

**وضاحت:**

اس شعر کا پہلا مصرعہ سلیمان گیلانی کا ہے۔اور دوسرا مصرعہ علامہ اقبال کا ہے۔

نوٹ: دوسرے شاعر کے شعر کو واوین میں لکھا جاتا ہے تا کہ پتہ چل سکے کہ یہ مصرعہ شاعر کا اپنا نہیں ہے۔



**۸۔صنعتِ تفریق:**

تفریق کا مطلب ہے''فرق کرنا''

جب شاعر اپنے شعر میں دو چیزوں کا ذکر کر کے دونوں کے درمیان فرق بتائے تو اسے صنعتِ تفریق کہتے ہیں۔

**مثال:۱۔** قیس میں ہم میں فرق اتنا ہے　پیشوا وہ تھا رہزن ہم ہیں

**وضاحت:**

اس شعر میں شاعر نے قیس اور اپنا ذکر کیا اور اپنے اور قیس کے درمیان فرق کو واضح کیا ہے۔

**مثال:۲۔** تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو　ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

**وضاحت:**

اس شعر میں شاعر نے ہم میں اور ہمارے آباؤ اجداد میں فرق واضح کیا ہے۔



**۹۔صنعتِ حُسن تعلیل:**

حُسن کا معنی ہے''خوبصورتی'' اور تعلیل کا لفظ علت سے نکلا ہے اور علت وجہ اور سبب کو کہتے ہیں۔

جب شاعر اپنے شعر میں کسی بات کی کوئی ایسی وجہ بیان کرے جو حقیقت پر مبنی نہ ہو تو اسے صنعت حُسن تعلیل کہتے ہیں۔اس صنعت کے استعمال سے شعر کے حُسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

**مثال:۱۔** میری طرح سے مہ و مہر بھی ہیں آوارہ　کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

**وضاحت:**

چاند اور سورج کی گردش اس لئے نہیں ہے کہ وہ کسی محبوب کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔بلکہ ان کی گردش کی وجہ سائنسی ہے۔

**مثال:۲۔** نکلتا ہے سورج صبح مشرق سے اس لئے　کہ کھلے عام حسنِ یار کا دیدار کرے

**وضاحت:**

اس شعر میں صبح سورج کے نکلنے کی ایک ایسی وجہ بیان کی گئی ہے جو حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔



نہم،دہم اور سیکنڈ ایئر کے بھی''جواہر اردو''نوٹس دستیاب ہیں۔　رابطہ:0314-4470007

**۱۰۔صنعتِ تکرار:**

وہ دولفظ جو کتابت،تلفظ اور معنی میں ایک ہوں،ان کو کلام میں برابر جمع کرنا صنعتِ تکرار کہلاتا ہے۔اسے تکرار لفظی بھی کہتے ہیں۔غیر ضروری تکرار لفظی سے شعر میں حُسن نہیں رہتا۔

**مثال:۱۔** اچھا خاصا بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتا ہوں　　اب میں اکثر میں نہیں رہتا تم ہو جاتا ہوں

**وضاحت:**

اس شعر میں ''بیٹھے بیٹھے'' اور ''میں'' ''میں'' صنعتِ تکرار ہے۔

**مثال:۲۔** شور ہے ہر طرف سحاب سحاب　　ساقیا ساقیا، شراب شراب

**وضاحت:**

اس شعر میں سحاب اور شراب کے لفظ کا تکرار ہے۔



**۱۱۔صنعتِ سیاقۃ الاعداد:**

جب شاعر اپنے کلام میں گنتی کے اعداد کو استعمال کرے،خواہ ترتیب سے کرے یا بے ترتیب تو اسے صنعت سیاقۃ الاعداد کہتے ہیں۔

**مثال:۱۔** عمر دراز مانگ کر لائے تھے چار دن　　دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

**مثال:۲۔** آ کے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے　　جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پس دیوار گرے




# نہم، دھم اور سیکنڈ ائیر کے جواہر اردو نوٹس بھی دستیاب ہیں

مرتب کنندہ:　مولانا جنید مسعود

0314-447007

# ''خطوط نویسی''

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

**خط:** جو بات ایک آدمی دوسرے آدمی سے زبانی کرنا چاہتا ہے مگر فاصلے کی دوری کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا اور اپنی گفتگو لکھ کر بھیج دیتا ہے تو اسے خط کہتے ہیں۔

**خطوط کی اقسام:**

۱۔ **نجی خطوط:** وہ ذاتی معاملات جو دوستوں، عزیزوں کو لکھ کر بھیجے جائیں۔

۲۔ **کاروباری خطوط:** وہ خطوط جو تجارت اور دنیاوی معاملات سے متعلق ہوں۔

۳۔ **سرکاری خطوط:** وہ خطوط جو حکومت یا کسی سرکاری ادارے کے انتظامی امور سے متعلق ہوں۔

**خط کے اجزا:**

۱۔ **مقام اور تاریخ:** خط کے شروع میں دائیں طرف اپنا پتہ اور تاریخ لکھیں۔

۲۔ **القاب:** جس شخص کو خط بھیجا جا رہا ہے، اس کے مقام و مرتبہ کی مناسبت سے ادب و احترام کے الفاظ لکھیں۔

۳۔ **نفسِ مضمون:** کام کی بات اس حصے میں لکھیں۔ زبان سادہ اور جملے چھوٹے ہوں۔

۴۔ **اختتام:** خط کا مضمون ختم ہونے پر دعا، سلام لکھیں۔

۵۔ **نام:** اختتام کے بعد آخر میں خط لکھنے والا اپنا نام لکھے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''دوست کی شادی میں عدمِ شمولیت پر معذرت کا خط''

امتحانی مرکز

۹ مارچ ۲۰۱۸ء

پیارے دوست رفیق!

السلام علیکم! امید ہے کہ تم خیریت سے ہوگے۔ میں یہ خط انتہائی ندامت کے ساتھ لکھ رہا ہوں کیوں کہ تم نے اپنی شادی کے پر مسرت موقع پر مجھے یاد رکھتے ہوئے بڑی تاکید کے ساتھ آنے کا کہا اور کارڈ بھی بھجوایا۔ میں تمھارے اِس خلوص کا دل سے قدر دان ہوں، لیکن حالات و واقعات کے سامنے انسان بے بس ہے۔ تم نے حضرت علیؓ کا مشہور قول تو سنا ہوگا کہ ''میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا'' میں نے تمھاری شادی میں شرکت کا پورا ارادہ کیا تھا اور تیاری بھی مکمل کر لی تھی کہ اچانک والد صاحب کے حادثے کی اطلاع ملی۔ دفتر سے واپس آتے ہوئے ان کی کار ایک ویگن سے ٹکرا گئی۔ انہیں شدید چوٹیں آئیں اور وہ کئی دن ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رہے۔ خدا نے انہیں نئی زندگی دی ہے اور اب وہ تیزی سے رُو بصحت ہیں۔ بس میں ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری میں مصروف رہا اور اس پریشانی میں مجھے کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ آج اس خط کے ذریعے تمہیں اپنے احوال سے آگاہ کر رہا ہوں اور شادی میں شریک نہ ہونے کی وجہ بھی بتا رہا ہوں۔ انشاءاللہ اگلے ماہ تمھیں مبارک باد دینے کے لئے آؤں گا۔

میری طرف سے تمہیں زندگی کے اس نئے سفر کی بہت بہت مبارک ہو۔ خدا کرے تمھاری زندگی ہمیشہ خوشیوں سے مہکتی رہے۔ میری طرف سے اپنے گھر والوں کو مبارک باد دینا۔ تمھاری طرح یقیناً وہ بھی میرے نہ آنے پر خفا ہوں گے۔ ان کو بھی صورتحال سے آگاہ کر دینا۔ بھابی کی خدمت میں بہت بہت سلام۔

والسلام

آپ کا مخلص دوست

حمزہ عباسی

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''کتب فروش کے نام خط''

امتحانی مرکز

۱۰مارچ ۲۰۱۸ء

محترم جناب منیجر صاحب نیشنل پبلشرز پشاور

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ مجھے ہمیشہ وقت پر ضروری کتابیں ارسال کرتے رہے ہیں۔ پچھلی مرتبہ آپ نے اردو کی جو کتاب بھیجی تھی، اس میں بہت سی لفظی غلطیاں تھیں اور صفحات کی ترتیب بھی ٹھیک نہ تھی لیکن باقی کتب کافی بہتر اور معیاری تھیں۔ میں اس سال اپنے کالج کی بزمِ ادب کا صدر منتخب ہوا ہوں۔ اس لئے مجھے کالج لائبریری کے لئے چند کتب کی ضرورت ہے، جن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ بانگِ درا　از علامہ اقبال

۲۔ جدید اردو ادب　از عبادت بریلوی

۳۔ آنگن　از خدیجہ مستور

۴۔ خوابِ ہستی　از آغا حشر کاشمیری

امید ہے آپ ان کتب کو حسبِ روایت جلد وی۔پی ارسال کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔

والسلام

نیاز مند

سلیمان خان

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ''اخبار کی وساطت سے حکامِ بالا کے نام ٹی وی کے فحش پروگرام کا خط''

امتحانی مرکز

۷ جون ۲۰۱۸ء

مکرمی جناب مدیر صاحب ''روزنامہ آج'' ایبٹ آباد

السلام علیکم! میں آپ کے موقر جریدے کی وساطت سے حُکّامِ بالا کی توجہ ٹی۔وی پر دکھائے جانے والے بیہودہ پروگراموں کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

جناب! جب سے کیبل اور ڈش ہمارے معاشرے میں عام ہوئی ہے تو لوگوں کو دنیا بھر کے چینلز دیکھنے کی سہولت میسر آ گئی ہے۔ لیکن بہت سے چینل اس قسم کے فحش اور فضول پروگرام دکھاتے ہیں، جنہیں ایک شریف آدمی اپنے گھرانے کے ساتھ بیٹھ کر دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بے شک ٹی وی معلومات کے ساتھ ساتھ تفریح کا بھی ذریعہ ہے مگر ایسی تفریح جو عریانی اور فحاشی پھیلانے کا باعث بن رہی ہو، اُس کی اِس اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس مملکتِ اسلامیہ میں ہمارا میڈیا اور ٹی وی مغربی کلچر سے متاثر ہو کر اسی طرز کے پروگرام پیش کر رہا ہے جن میں جسم کی نمائش اور غیر اخلاقی مناظر کی بھرمار ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے نئی نسل کے کچے ذہنوں پر برا اثر پڑ رہا ہے اور ہمارا قومی اور اسلامی تشخص بھی پامال ہو رہا ہے۔

اس لئے میں اربابِ اختیار سے گزارش کرتا ہوں کہ اس سنجیدہ معاملے پر فوری نوٹس لیں۔ غیر اخلاقی، بیہودہ پروگراموں پر فوری پابندی عائد کر کے معلوماتی اور اخلاقی پروگرام نشر کئے جائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری ان گزارشات کو اپنے جریدے میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

والسلام

خیر اندیش: الیاس رحمانی

ایبٹ آباد

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ''ناظم اعلیٰ کے نام سڑکوں کی مرمت پر توجہ کا خط''

امتحانی مرکز

۲ جولائی ۲۰۱۸ء

محترم جناب ناظمِ اعلیٰ صاحب ایبٹ آباد

السلام علیکم! سب سے پہلے تو میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے ضلع بھر میں ترقیاتی کاموں کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے، ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن یہ تمام اقدامات اس وقت تباہ ہو جاتے ہیں جب مختلف محکموں کی جانب سے کی جانے والی کُھدائی شہریوں کے لیے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ پچھلے چند ماہ سے شہر میں مختلف محکموں نے تعمیر و ترقی کے منصوبے شروع کر رکھے ہیں۔ ان میں سوئی گیس، پانی اور سیوریج کے محکمے نمایاں ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ابھی ایک محکمہ کھدائی کر کے جاتا ہے اور ابھی اس کا ملبہ بلدیہ والے گڑھوں میں بھر ہی رہے ہوتے ہیں کہ دوسرا محکمہ کھدائی کے لئے آن ٹپکتا ہے۔ جس سے شہریوں کے لئے آمد و رفت کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ٹریفک کی روانی متاثر ہو جاتی ہے اور بارش ہونے کی صورت میں ہر جگہ کیچڑ ہی کیچڑ ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں متعدد بار بلدیہ کے افسران سے رجوع کیا ہے مگر حالات میں اصلاح نہیں ہو سکی۔ چنانچہ اس خط کی وساطت سے آپ سے درخواست ہے کہ اپنی ذاتی دلچسپی سے کام لے کر بلدیہ والوں کو ہدایت جاری کریں کہ وہ ان سڑکوں کی فوری مرمت کریں۔ اور آئندہ کے لئے احکامات جاری کر دیں کہ کھدائی کرنے والے تمام محکمے باہمی مشاورت سے ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں تا کہ سڑکوں اور گلیوں کو بار بار کھودنے سے شہریوں کو جو زحمت ہوتی ہے، وہ آئندہ نہ ہو۔ امید ہے کہ آپ ان شہری مسائل پر بھرپور توجہ دے کر عوام کا دل جیت لیں گے۔

والسلام

آپ کا خیر اندیش

عاصم شاہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ''ایڈیٹر کے نام مہنگائی کے بارے میں خط''

امتحانی مرکز

۱۰ مئی ۲۰۱۸ء

محترم جناب مدیر صاحب روزنامہ ''شمال'' ایبٹ آباد

سلام مسنون! میں آپ کے مؤقر جریدے کی وساطت سے اربابِ اختیار کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس نے غریب عوام کا جینا محال کر رکھا ہے۔ ہر آنے والی حکومت بڑے زور و شور سے اعلان کرتی ہے کہ غریب عوام کو سہولیات فراہم کی جائیں گی، ان کی فلاح کے لئے فلاں فلاں اقدامات کئے جائیں گے۔ لیکن یہ سارے اعلانات دیوانے کا خواب ثابت ہوتے ہیں جو کبھی پورے نہیں ہوتے۔ اب تو نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ غریب آدمی کو بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی میسر نہیں ہیں۔ مہنگائی کا جن بے قابو ہو چکا ہے اور چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ دکاندار اجناس کی من پسند قیمتیں وصول کر رہے ہیں اور پرائس کنٹرول کمیٹیاں آنکھیں بند کیئے ہوئی ہیں۔ بجٹ کا نزلہ بھی غریب عوام پر گرتا ہے۔ پٹرول مہنگا ہونے سے بسوں اور ویگنوں کے کرائے میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔ اشیائے خوردنی کو دیکھیں تو سبزیاں، دالیں اور آٹا وغیرہ بھی عام آدمی کی پہنچ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ پھلوں اور گوشت کو تو غریب لوگ کب کا خدا حافظ کہہ چکے ہیں۔

میں آپ کے اخبار کی وساطت سے حکومتی ایوانوں تک یہ آواز پہنچانا چاہتا ہوں کہ غریب آدمی کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے اُسے اُس کے بنیادی حقوق سے محروم نہ رکھا جائے۔ ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں کو عام آدمی کی پہنچ میں لایا جائے۔ اور مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے لئے جامع منصوبہ بندی کی جائے۔ کیونکہ اگر مہنگائی کے اس جن کو قابو نہ کیا گیا تو غریب اور محروم طبقے کے غیض و غضب کا سیلاب اُمراء کے محلات کو بھی بہا کر لے جائے گا۔

والسلام

قوم کا مخلص

محمد رفیق، ایبٹ آباد

# ''لوڈشیڈنگ کے مسئلے پر مدیر کے نام خط''

امتحانی مرکز

۱۷ستمبر ۲۰۱۸ء

مکرمی جناب مدیر صاحب ''روزنامہ جنگ'' راولپنڈی

سلام مسنون! میں آپ کے اخبار کا پرانا قاری ہوں۔آپ جس خوش اسلوبی سے ملکی مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں وہ قابلِ تعریف ہے۔ ہمارا ملک اِس وقت بہت سے مسائل کا شکار ہے لیکن اِن مسائل میں آج کل سب سے بڑا مسئلہ لوڈشیڈنگ کا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے پوری قوم کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔صورتحال یہ ہے کہ مسلسل لوڈشیڈنگ کے باعث کارخانے، مِلیں اور فیکٹریاں بند ہو رہی ہیں۔ دیہاڑی دار مزدور طبقے کو فاقے کا سامنا ہے اور اُن کے گھروں کا چولھا بُجھ چکا ہے۔اوپر سے اعلانیہ اور غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بیس بائیس گھنٹے تک جا پہنچا ہے۔

واپڈا کے محکمے کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں بجلی چوروں کے خلاف تو کوئی کاروائی نہیں ہوتی لیکن چوری شدہ یونٹ کا خسارہ برابر کرنے کے لئے اِس کا بوجھ عام آدمی کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔لوگ حیران ہیں کہ بجلی آتی تو چند لمحوں کے لئے ہے لیکن بل دیکھ کر دِل ڈوبنے لگتا ہے۔ میں آپ کے اخبار کی وساطت سے اربابِ حکومت سے درخواست کرتا ہوں کہ خدارا بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لئے جامع منصوبہ بندی کریں اور سستی بجلی پیدا کرنے کے وسائل بروئے کار لائیں۔ملکی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے چھوٹے بڑے ڈیم بنائیں اور اِس مسئلے کو مستقل بنیادوں پر حل کریں۔بجلی کے مسئلے پر سیاست چمکانے کی بجائے ٹھوس اقدامات کر کے عوام کی مشکل حل کریں۔

امید ہے کہ آپ عوام کے وسیع تر مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے میرے اِس خط کو اپنے اخبار میں ضرور جگہ دیں گے۔

والسلام

قوم کا خیر خواہ

تابش شہزاد

---

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''مکالمہ نویسی''

**تعریف:** مکالمہ عربی زبان کا لفظ ہے اور لفظِ کلام سے نکلا ہے، اِس کے لغوی معنی ہیں ''گفتگو کرنا''
اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان باہمی بات چیت کو مکالمہ کہتے ہیں۔ اور اِس بات چیت کو جب تحریری شکل دی جائے تو یہ مکالمہ نویسی کہلاتی ہے۔

## اُصولِ مکالمہ نویسی

۱۔ مکالمے میں عام بول چال کی بے تکلفی کا پایا جانا ضروری ہے۔
۲۔ مکالمے کا انداز فِطری، گفتگو صاف اور انداز مناسب ہو۔
۳۔ مکالمہ کرنے والے افراد کی بات چیت سے ان کی ذہانت اور حاضر دماغی کا اظہار ہونا چاہیے۔
۴۔ ہر کردار کے مکالمے سے پہلے اُس کا نام لازمی لکھیں۔
۵۔ مکالمہ موضوع کے مطابق ہو، غیر متعلقہ گفتگو سے پرہیز کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''دو دوستوں کے درمیان امتحان کی تیاری پر مکالمہ''

**طاہر:** السلام علیکم خالد! بڑی جلدی میں لگ رہے ہو۔ آؤ ذرا بازار سے گھوم پھر کر آئیں۔
**خالد:** وعلیکم السلام! مجھے امتحان کی فکر کھائے جا رہی ہے اور تمھیں گھومنے کی پڑی ہے۔
**طاہر:** ہاں یار! امتحان تو واقعی سر پر آ چکا ہے، لیکن اُس کے لئے میں اپنی تفریح تو نہیں چھوڑ سکتا۔
**خالد:** تمھاری اپنی سوچ ہے۔ میرے خیال میں تو امتحان کے دنوں میں ہر طرح کی تفریح چھوڑ کر تیاری میں لگنا چاہیئے۔
**طاہر:** یہ بات تو ہے، لیکن میں تو اِتنی ٹینشن نہیں لیتا، بس پیپر سے ایک دِن پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ لیتا ہوں۔
**خالد:** لیکن اِس طرح تو اچھے نمبر نہیں آ سکتے، نمایاں پوزیشن سے پاس ہونے کے لئے بہت محنت کرنا ہوتی ہے۔
**طاہر:** اِس میں تو کوئی شک نہیں، میں بھی اچھے نمبروں سے پاس ہونا چاہتا ہوں تا کہ کسی اَچھی یونیورسٹی میں داخلہ لے سکوں۔
**خالد:** اچھے نمبر لینے ہیں تو پڑھائی پر توجہ دو، اِدھر اُدھر وقت ضائع مت کرو۔
**طاہر:** ہاں یار! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اچھا مجھے بتاؤ کہ تم امتحان کی بہتر تیاری کے لئے کیا اقدامات کرتے ہو؟
**خالد:** میں صبح جلدی اُٹھتا ہوں اور نمازِ فجر کے بعد پڑھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ اُس وقت دماغ فریش ہوتا ہے اِس لئے سبق جلدی ذہن میں بیٹھ جاتا ہے۔
**طاہر:** یہ تو تم نے ٹھیک کہا، لیکن مجھ سے اِتنی جلدی نہیں اُٹھا جاتا اور ویسے بھی مجھے اپنی نیند بہت پیاری ہے۔
**خالد:** کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔
**طاہر:** چلو ٹھیک ہے، میں آج رات جلدی سوؤں گا تا کہ صبح سویرے اُٹھ کر امتحان کی تیاری کر سکوں۔
**خالد:** یہ ہوئی نا بات! میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔
**طاہر:** بہت شکریہ!

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''گاہک اور دکاندار کے درمیان مکالمہ''

**گاہک:** السلام علیکم!
**دکاندار:** وعلیکم السلام۔ آیئے تشریف لایئے۔
**گاہک:** آپ کی دوکان پر رومال ملے گا؟
**دکاندار:** رومال ہی نہیں، جرابیں، ٹوپیاں، بنیان سب کچھ ہے۔
**گاہک:** کوئی سستا اور اچھا سا رومال دِکھائیں۔

**دکاندار:** یہ دیکھئے،نہایت نفیس اور عمدہ ہے۔ قیمت بھی مناسب ہے۔

**گاہک:** آپ نے جرابوں کا ذکر کیا تھا،وہ بھی دِکھائیں۔

**دکاندار:** یہ دیکھیں جرابیں،ریشمی ہیں ریشمی!

**گاہک:** اَب اِن دونوں کی قیمت بھی بتادیں۔

**دکاندار:** قیمت برائے نام ہے۔رومال دس کا اور جرابیں بیس کی۔

**گاہک:** رومال کی قیمت تو مناسب ہے لیکن جرابیں اتنی مہنگی کیوں؟

**دکاندار:** ارے صاحب!مہنگی کہاں؟معیار بھی تو دیکھیں۔

**گاہک:** پھر بھی،کچھ تو کم کریں۔

**دکاندار:** ریٹ کی تسلی رکھیں۔ہمارے دام مناسب ہی ہوتے ہیں۔

**گاہک:** جرابوں کے پندرہ روپے دوں گا۔منظور ہے؟

**دکاندار:** چلیں صاحب!آپ کی خوشی کی خاطر پانچ روپے چھوڑ دیئے۔

**گاہک:** بہت شکریہ۔میں پھر بھی آؤں گا۔

**دکاندار:** قدردانی کا شکریہ۔آپ کی اپنی دکان ہے۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

## ''کیبل کے فوائد اور نقصانات پر مکالمہ''

(اسلم بڑی تیزی سے گھر کی طرف جارہا تھا کہ خاور نے اُسے روک لیا اور جلدی کی وجہ پوچھی)

**خاور:** اسلم! بڑی جلدی میں لگتے ہو!

**اسلم:** ہاں یار،وہ کیبل پر میرا پسندیدہ پروگرام آرہا ہے اور میں اُسے مس نہیں کرنا چاہتا۔

**خاور:** اُف!یہ ٹی وی اور وی سی آر کیا کم تھے،جو یہ نئی مصیبت ہماری قوم کے نوجوانوں کو برباد کرنے آگئی ہے۔

**اسلم:** عجیب بات کرتے ہو،اِس میں بربادی والی کون سی بات ہے؟

**خاور:** کیوں یہ ناچ گانا،فلمیں اور ڈرامے جو کیبل پر لگے رہتے ہیں۔کیا یہ ہمیں تباہ نہیں کررہے؟

**اسلم:** کیبل پر صرف ناچ گانا تو نہیں آتا،بہت سے معلوماتی اور اسلامی چینل بھی تو ہیں۔

**خاور:** لیکن کتنے لوگ صرف معلومات یا دین سیکھنے کے لیے کیبل لگواتے ہیں؟ہر کوئی واہیات پروگراموں میں گھسا رہتا ہے۔

**اسلم:** یہ تو اپنی اپنی سوچ اور پسند کی بات ہے۔

**خاور:** میرے نزدیک تو یہ وقت کا ضیاع ہے،اور کچھ نہیں۔

**اسلم:** نہیں،اب ایسا بھی نہیں ہے۔کیا معلوماتی اور مذہبی چینل دیکھنا وقت کا ضیاع ہے؟

**خاور:** اور نہیں تو کیا!جس دن کرکٹ کا میچ کیبل پر آرہا ہوتا ہے،ہر کوئی اپنا کام چھوڑ کر سارا دن ٹی وی کے آگے بیٹھا رہتا ہے۔

**اسلم:** ہاں!یہ تو میں بھی مانتا ہوں۔روزمرہ کے معمولات اور فرائض کی ادائیگی سب سے اہم اور مقدم ہے۔

**خاور:** یہی تو میں بھی رونا رو رہا ہوں کہ ہم لوگ صرف ذہنی تفریح کی خاطر بہت سا وقت ضائع کردیتے ہیں۔

**اسلم:** اچھا بھائی،کم از کم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آئندہ اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کروں گا اور اپنے پسندیدہ پروگرام کی خاطر معمولاتِ زندگی اور فرائض میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

**خاور:** ہاں!اِسی میں ہمارا مفاد ہے۔اللہ حافظ۔

**اسلم:** خدا حافظ۔

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

## ''ملازمت بہتر یا کاروبار کے موضوع پر مکالمہ''

(میٹرک امتحان کے رزلٹ کے بعد کالج میں داخلے کے خواہش مند طلباء کالج کے دفتر کے سامنے داخلہ فارم لینے کے لئے جمع ہیں)

**خالد:** السلام علیکم!

**بلال:** وعلیکم السلام!

**خالد:** سناؤ دوست کیسے مزاج ہیں؟

**بلال:** اللہ کا شکر ہے۔تم بتاؤ ایف۔اے میں کون سے مضامین لو گے؟

**خالد:** میرے نمبر میٹرک میں بہت اچھے ہیں، پری میڈیکل یا انجینئرنگ کچھ بھی لے سکتا ہوں،لیکن میں آرٹس میں داخلہ لوں گا۔

**بلال:** میرے نمبر بھی بہت اچھے ہیں اور میرا پری انجینئرنگ میں داخلہ لینے کا پروگرام ہے۔

**خالد:** مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟

**بلال:** میں ماسٹرز کے بعد C.S.S کا امتحان دے کر کسی اچھے عہدے پر جانا چاہتا ہوں،تمھارا کیا ارادہ ہے؟

**خالد:** مجھے تو نوکری پسند نہیں،تمہیں تو معلوم ہے میرے والد صاحب کا بہت اچھا کاروبار ہے۔میں ایم۔بی۔اے کرنے کے بعد ان کا ہاتھ بٹاؤں گا۔

**بلال:** میں بھی نام کا تو ملازم ہوں گا،لیکن کروں گا افسری۔

**خالد:** یار سرکاری ملازمت میں رکھا کیا ہے؟ جتنی ایک ملازم کی تنخواہ ہوتی ہے اُتنا تو کاروباری لوگ ایک دن میں کما لیتے ہیں۔

**بلال:** کچھ بھی ہو،سرکاری ملازم کی زندگی بڑی باقاعدہ ہوتی ہے۔وہ آمدنی کے مطابق سوچ سمجھ کر خرچ کرنے کے عادی ہوتے ہیں جبکہ کاروباری لوگ ٹیکس چوری کر کے کالے دھن کی وجہ سے مالدار ہوتے ہیں۔

**خالد:** سرکاری ملازمین کون سا حلال کھاتے ہیں؟ رشوت اور کرپشن کے ذریعے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔

**بلال:** سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔بہت سے دیانت دار افسران بھی ہیں جو حرام کا ایک روپیہ نہیں کھاتے۔

**خالد:** کاروباری لوگ،سیاست میں آ کر نواز شریف کی طرح وزیراعظم بن کر سرکاری افسران کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

**بلال:** لیکن جنرل پرویز مشرف کی طرح کبھی کبھی سرکاری ملازم بھی ان سیاست دانوں کا کڑا اِحتساب کرتے ہیں۔

**خالد:** یہ سب قسمت کا کھیل ہے۔

**بلال:** اچھا دوست فی الحال تو داخلہ فارم لیتے ہیں۔پہلے تعلیم تو مکمل کر لیں پھر جب میں ایک سرکاری افسر بنوں گا اور تم کامیاب تاجر،تو کوشش کریں گے کہ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ دیانت داری سے رزقِ حلال کمائیں۔

**خالد:** تم نے بجا کہا۔چلو فارم لے لیں۔اچھا خدا حافظ

**بلال:** شکریہ! خدا حافظ۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ''امتحانی نتائج کے بارے میں باپ بیٹے کا مکالمہ''

**باپ:** رشید! ذرا اِدھر آؤ۔

**بیٹا:** آیا،ابو جان۔

**باپ:** تمھارے سہ ماہی امتحان ختم ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں مگر ابھی تک تم نے اپنی پروگریس رپورٹ نہیں دکھائی۔

**بیٹا:** جی ابو جان! آج ہی ہمیں پروگریس رپورٹ دی گئی ہے۔

**باپ:** ذرا لا کر دکھاؤ۔

**بیٹا:** (پروگریس رپورٹ لاتا ہے) یہ لیجئے ابو جان!

**باپ:** (رپورٹ دیکھ کر) تم نے اِس بار اردو میں بڑے اچھے نمبر لئے ہیں لیکن ریاضی میں نمبر اتنے کم کیوں؟

**بیٹا:** جی ابو! اِس بار پرچہ بہت مشکل تھا۔اور کچھ سوال ایسے بھی آئے جو میں نے جماعت میں نہیں سیکھے تھے۔

**باپ:** پھر بھی سو میں سے پچاس نمبر بہت تھوڑے ہیں۔اِس طرح تم بورڈ میں فرسٹ ڈویژن نہیں لے سکو گے۔

**بیٹا:** نہیں ابو جان! آپ فکر مند نہ ہوں۔ابھی سالانہ امتحان میں بہت وقت ہے، میں محنت کر کے اِس کمی کو پورا کرلوں گا۔

**باپ:** محنت تو لازمی ہے۔دیکھو اردو کے علاوہ باقی سب مضامین میں بھی تمھارے نمبر اِتنے اچھے نہیں ہیں۔یہ دیکھو مطالعہ پاکستان میں صرف ۴۵ نمبر لئے ہیں

**بیٹا:** جی ابو جان! مجھے اِس بات کا اِحساس ہے۔اب میں زیادہ محنت کروں گا اور آپ کو پھر شکایت نہ ہوگی۔

**باپ:** محنت کر کے اچھے نمبر لو گے تو تمھارا ہی فائدہ ہوگا۔

**بیٹا:** جی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔میں ضرور فرسٹ ڈویژن لوں گا۔

**باپ:** اللہ تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔

**بیٹا:** آمین

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ''ہسپتال کی کارکردگی پر دو افراد کا مکالمہ''

**محمود:** ارے شوکت اِتنی گرمی میں کہاں سے آرہے ہو؟

**شوکت:** میں ذرا ہسپتال تک گیا تھا۔

**محمود:** کیوں خیر تو تھی؟

**شوکت:** پرسوں میرا ایک پڑوسی حادثے میں زخمی ہوگیا تھا وہ ہسپتال میں داخل ہے،اُسی کو دیکھنے گیا تھا۔

**محمود:** اوہو! کس طرح پیش آیا تھا یہ حادثہ؟

**شوکت:** یہ شخص سڑک کے کنارے اپنے دھیان میں چل رہا تھا کہ پیچھے سے موٹر کار والے نے ٹکر ماردی۔

**محمود:** چوٹیں تو کافی آئیں ہوں گی اُسے؟

**شوکت:** ہاں لیکن خدا کا شکر ہے جان بچ گئی۔

**محمود:** ہسپتال میں داخلے کے لئے سفارش کی ضرورت تو پڑی ہوگی اُسے؟

**شوکت:** ارے نہیں،وہاں سفارش کی ضرورت نہیں پڑتی۔

**محمود:** لیکن میں نے تو سنا تھا کہ سول ہسپتال میں سفارش کے بغیر مریض کو ایڈمٹ نہیں کیا جاسکتا؟

**شوکت:** نہیں یار! سول ہسپتال تو قائم ہی اِسی مقصد کے لئے ہوتے ہیں کہ ہر شخص بہ وقتِ ضرورت اِن سے فائدہ اُٹھائے۔

**محمود:** ہسپتال میں مریض کے علاج پر کافی خرچ آتا ہوگا۔

**شوکت:** نہیں! سرکاری ہسپتال میں مریضوں کا علاج مفت ہوتا ہے کیونکہ یہ ہسپتال عوام ہی کے ٹیکسوں سے قائم ہوتے ہیں۔

**محمود:** کیا حادثے کا شکار ہونے والوں کو بروقت طبی اِمداد ملتی ہے؟

**شوکت:** بالکل! اِن ہسپتالوں میں ''شعبۂ حادثاتِ اتفاقی'' قائم ہے جو چوبیس گھنٹے کُھلا رہتا ہے۔جہاں ہر وقت تجربہ کار ڈاکٹر عملے سمیت موجود رہتا ہے۔

**محمود:** تو کیا اِس شعبے کا ڈاکٹر دِن رات کی ڈیوٹی سے تھک نہیں جاتا۔

**شوکت:** دن رات ایک ہی ڈاکٹر تو ڈیوٹی نہیں دیتا۔دِن کو ایک ڈاکٹر کی ڈیوٹی ہوتی ہے اور شام کو دوسرے کی۔

**محمود:** پھر تو بہت اچھا ہے۔

**شوکت:** اچھا اب میں چلتا ہوں۔خدا حافظ

**محمود:** شکریہ وقت اور معلومات دینے کا۔اللہ حافظ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

# ''آپ بیتی''

**تعارف:** ذاتی احوال، مشاہدات اور تجربات کو تحریری شکل میں پیش کرنے کو آپ بیتی کہتے ہیں۔ اِس میں ایک شخص اپنے اوپر بیتے ہوئے حالات اور واقعات کو لکھ کر بیان کرتا ہے۔ عام طور پر اردو جاننے والے اپنے زورِ قلم سے بے جان چیزوں کی فرضی آپ بیتی بھی لکھتے ہیں۔

## آپ بیتی کے اُصول

۱۔ آپ بیتی لکھنے سے پہلے اُس کے تمام اہم نکات ذہن میں حاضر رکھیں۔

۲۔ آپ بیتی ہمیشہ واحد متکلم کے صیغے سے لکھیں۔

۳۔ آپ بیتی کو خشک انداز کے بجائے دلچسپ پیرائے میں بیان کریں۔

۴۔ جس چیز پر آپ آپ بیتی لکھیں، پہلے اُس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۱۔ کتاب کی آپ بیتی

میں ایک کتاب ہوں اور میرا نام ''پہلی بارش'' ہے۔ میں ناصر کاظمی کے خوبصورت خیالات کا عکس ہوں، پہلے میں شاعر کے تخیل میں موجود تھی پھر اُس نے مجھے صفحات کی زینت بنا دیا۔ اور میری کانٹ چھانٹ کر کے مجھے مسوّدے کی شکل دے کر لاہور کے ایک مشہور پبلشر کے حوالے کر دیا۔ اور اُس نے مجھے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپنا شروع کیا۔ طباعت سے لے کر منظرِ عام پر آنے تک میں بہت سی اذیتوں سے گزری لیکن جب میں چھپ کر تیار ہوگئی تو میری شکل وصورت بے حد دیدہ زیب تھی اور مجھے اپنا حُسن و جمال دیکھ کر خود پر رشک آ رہا تھا۔ چند دن بعد مجھے ایک دکان دار نے میری بہنوں سمیت خرید کر اپنی دکان پر سجا دیا۔ دکان کا ملازم وقتاً فوقتاً کپڑے سے میرا چہرا صاف کرتا رہتا۔ ایک دِن ایک معزز سا آدمی دکان میں داخل ہوا اور اُس نے اِدھر اُدھر جائزہ لینا شروع کر دیا پھر اچانک اُس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ میرے قریب آیا اور مجھے اُٹھا کر سرسری نظروں سے دیکھنے کے بعد کاونٹر پر لے گیا اور میری قیمت ادا کر کے مجھے گھر لے آیا اور رات کو میرا مطالعہ شروع کر دیا۔ پھر پڑھنے کے بعد اُس نے مجھے اپنی کتابوں کی الماری میں سجا دیا، جہاں میری بہت سی ہمزاد بہنیں بھی موجود تھیں۔ میں اِن سے باتیں کر کے اپنا وقت گزارنے لگی۔ میں مہینوں اِس الماری میں بند رہی اور کسی نے مجھے پڑھنے تو کیا میری گرد تک صاف کرنے کی زحمت گوارا نہ کی اور میں اِس صورتِ حال پر سخت کوفت کا شکار ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد وہ آدمی ہم سب سے اُکتا گیا اور اُس نے ہمیں سستے داموں ایک ردّی والے کو بیچ دیا۔ اُس ردّی والے نے مجھے بڑی بے دردی سے اپنی بوری میں ڈالا اور ایک کتابوں کی پرانی دکان پر بیچ دیا۔ کچھ عرصہ میں اُس نئی جگہ پر پڑی رہی اور ایک دن ایک نوجوان لڑکے نے مجھے معمولی قیمت ادا کر کے خرید لیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے آیا اور پہلی فرصت میں میری ورق گردانی کرنے لگا۔ جہاں اُس کو کوئی شعر پسند آتا وہاں وہ پنسل سے نشان لگا دیتا۔ پنسل کی نوک چُبھنے سے مجھے بہت درد ہوتا مگر میں خاموشی سے یہ درد برداشت کرتی رہی۔ وہ بے دردی سے میرے جسم کو پنسل سے زخمی کرتا رہا اور میں جگہ جگہ سے پھٹ گئی اور میری حالت بہت خراب ہو گئی۔ پڑھنے کے بعد اُس نے مجھے اپنے گھر کے تنگ وتاریک اسٹور میں ڈال دیا۔ جہاں میں کاٹھ کباڑ کے ساتھ پڑی اپنی زندگی کے باقی دِن پورے کر رہی ہوں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۲۔ ایک درخت کی آپ بیتی

مجھ سے ملیں، میں ایک درخت ہوں، جامن میرا نام ہے اور خود جل کر اوروں کو چھاؤں دینا میرا کام ہے۔ میری پیدائش شہر کے ایک مشہور کالج میں ہوئی تھی۔ فطرت کی مہربانی سے جب میں بڑا ہوا تو میری بہت سی شاخیں نکل آئیں اور موسمِ بہار کے خوبصورت دِنوں میں مجھ پر پھول کِھلنے شروع ہوئے۔ میں خُود کو اِن پھولوں سے سجا ہوا پا کر بہت خوش ہوا۔ چند ہفتوں کے بعد میرے پھول چھوٹے چھوٹے سبز جامن بن گئے پھر دستِ قدرت نے مجھے مختلف مراحل سے گزار کر ایک مزیدار پھل دار درخت میں بدل دیا۔ چند دن بعد جب جامن پک گئے تو مجھ پر ایک افتاد ٹوٹ پڑی۔ کالج کے شرارتی لڑکے مجھ پر سنگ باری کر کے میرے پھلوں کو توڑنے لگے لیکن میں نے اُن کی شرارت کا جواب شرافت سے دیا اور پتھروں کے بدلے اُنہیں جامن کے پھل دینے لگا۔ لیکن مجھے اُس وقت بہت تکلیف ہوتی جب کچھ شرارتی لڑکے میری شاخوں پر چڑھ جاتے اور جامنوں کی لالچ میں میری شاخوں کو تہس نہس کر دیتے اور میرے پھلوں کو نوچ ڈالتے۔ یوں کچھ ہی دنوں میں میرا دامن خالی ہو گیا، جامن توڑ لئے گئے اور میرے ہرے پتے کالج کے چوکیدار نے اپنی بکریوں کو کِھلا دیئے۔ میں اپنے وجود کی اِس بے توقیری پر اذیت سے بلبلا اُٹھا مگر کسی نے میری فریاد پر کان نہیں دَھرے۔ وقت کا کاروان حرکت میں رہا، دِن، مہینے، سال گزرتے رہے، موسم بدلتے رہے اور رفتہ رفتہ میں بوڑھا ہونے

لگا۔ پھر ایک دِن اچانک مجھ پر ایک نئی افتاد ٹوٹ پڑی۔ کالج انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا کہ لان کے سب درخت کٹوا کر وہاں ایک نیا بلاک تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ بہت سے لوگ کلہاڑے لے کر مجھ پر ٹوٹ پڑے، میری شاخوں اور تنے کو بے دردی سے کاٹ دیا گیا اور میرا وجود کٹ کر زمین پر آ گرا۔ اُس کے بعد آرہ مشین کے ذریعے میرے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مجھے لکڑی کے ایک ٹال پر بیچ دیا گیا۔ جہاں شاید مجھے اونے پونے داموں آگے فروخت کر دیا جائے گا۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۳۔ پنشن یافتہ سرکاری ملازم کی آپ بیتی

میں ایک پنشن یافتہ سرکاری ملازم ہوں، چونتیس سال تک اپنے محکمے میں اپنی ڈیوٹی دیانت داری سے انجام دینے کے بعد اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہوں، میں نے غریب گھرانے میں آنکھ کھولی۔ غربت کے باعث کسی پرائیویٹ سکول میں داخلہ نہ لے سکا اور گاؤں کے سرکاری سکول میں اپنا تعلیمی سفر شروع کیا۔ مشکلات کے باوجود محنت سے پڑھتا رہا اور میٹرک کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کرنے کے بعد سرکاری کالج سے بی۔ اے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ انہی دنوں واپڈا کے محکمے میں بھرتیوں کا اشتہار نظر سے گزرا تو اللہ کا نام لے کر میں نے بھی اپلائی کر دیا۔ اللہ کی مہربانی اور والدین کی دعاؤں سے میرا ٹیسٹ بہت اچھا ہوا اور میں بغیر کسی سفارش ورشوت کے کلرک بھرتی ہو گیا۔ میری اِس کامیابی پر سب نے مجھے مبارک باد دی اور خوشی کا اظہار کیا۔ رفتہ رفتہ وقت گزرتا گیا اور میں ترقی کرتے کرتے سترہ گریڈ کا افسر بن گیا۔ حکومت کی طرف سے سرکاری گاڑی اور رہائش دی گئی۔ افسر بننے کے بعد مجھے ہر سرکاری اور غیر سرکاری تقاریب میں بلایا جانے لگا اور مجھے غیر معمولی اہمیت دی جانے لگی۔ جس سے میں خود کو بہت کچھ سمجھنے لگا اور تکبر اور خود پسندی میں مبتلا ہو گیا، اب میری گردن ہر وقت اکڑی رہتی اور میں غریب لوگوں کو کیڑے مکوڑے سمجھنے لگا۔ سب میری عزت کرتے اور میں جہاں بھی جاتا لوگ میرے آگے پیچھے پھرتے۔ میں یہ سمجھنے لگا کہ ساری دنیا میری محتاج ہے کیونکہ میرے ایک ٹیلی فون کرنے پر ناممکن کام بھی ممکن ہو جاتا۔ اِس طرح وقت گزرتا رہا اور مجھے اِحساس بھی نہ ہوا کہ ایک دِن مجھے ریٹائر بھی ہونا ہے۔ آخر وہ منحوس دِن بھی آ گیا جب میری مدتِ ملازمت پوری ہونے پر میرے لیئے الوداعی تقریب کا اہتمام کیا گیا اور مجھے میری محکمانہ ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ اُس وقت مجھے یہ لگا کہ میں آسمان سے زمین پر آ گرا ہوں۔ کیونکہ میری سرکاری گاڑی، نوکر چاکر سب کچھ مجھ سے واپس لے لیا گیا اور میں اپنے آبائی مکان میں آ کر رہنے لگا۔ اب مجھے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوا کہ اب مجھے کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا اور نہ ہی میرا کوئی پروٹوکول تھا۔ میرے دوست احباب بھی مجھ سے جدا ہو گئے اور افسری کے سب مزے ختم ہو گئے۔ میری بیوی بھی پچھلے سال فوت ہو گئی اور اولادیں پڑھ لکھ کر بیرون ملک روانہ ہو گئیں۔ اب میں شدید تنہائی کا شکار ہوں اور مایوسی کے عالم میں اپنی زندگی کے بقیہ دِن پورے کر رہا ہوں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۴۔ کالج گیٹ کی آپ بیتی

میں پاکستان سائنس کالج کا مین گیٹ ہوں۔ میرا جسم لوہے کی ایک بڑی ورکشاپ میں تیار کیا گیا۔ پہلے پہل تو میں صرف لوہے کا ایک بڑا سا ٹکڑا تھا۔ پھر مجھے گیٹ بنانے کے لئے کاریگروں نے چھوٹے چھوٹے حصوں میں کاٹ دیا اور میرے وجود کو تیز آروں سے چھلنی کر دیا۔ مجھے بہت اذیت ہوئی مگر میں بے زبان فریاد بھی نہ کر سکتا تھا۔ اُس کے بعد مجھے نرم کرنے اور اچھی شکل میں ڈھالنے کے لئے آگ کی بھٹی میں ڈال کر تیز گرم کیا گیا اور ہتھوڑے برسا برسا کر مجھے مختلف ڈیزائنوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ اُس دوران میرا انگ انگ درد اور جلن سے کراہنے لگا تھا لیکن مجھے یہ بھی احساس تھا کہ کسی کے کام آنے کے لئے تکالیف تو برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ کئی دنوں کی مشقِ ستم کے بعد میں ایک بڑا اور عالی شان مین گیٹ بن گیا تو میرے جسم پر رنگ وروغن کر کے مجھے خوبصورت بنا دیا گیا اور دکان پر سجا کر بیچنے کے لئے رکھ دیا گیا۔ کچھ دن بعد ایک شخص آیا اور مجھے منہ مانگے داموں خرید لیا۔ یہ شخص کالج انتظامیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ مجھے دراصل پاکستان سائنس کالج کا مین گیٹ بنایا جا رہا تھا۔ میں بہت خوش تھا کہ مجھے ایک علمی درسگاہ میں رہنا نصیب ہو رہا تھا۔ کالج کا گیٹ بننے کے بعد مجھ پر ایک چوکیدار متعین کر دیا گیا جو روز صبح سویرے مجھے وقت پر کھول دیتا تا کہ طالب علم کالج میں داخل ہو کر اپنی علم کی پیاس بجھا سکیں اور شام ہوتے ہی میرے دروازے بند کر دیئے جاتے اور ایک قفل میرے گلے میں ڈال دیا جاتا۔ میں کالج کے ماحول میں رہ کر بہت خوش تھا کیونکہ مجھے اکثر آتے جاتے اساتذہ اور طلباء کی علمی گفتگو سننے کو ملتی تھی لیکن یہ خوشی مجھے زیادہ دن راس نہ آئی کیونکہ ایک دن سخت طوفانی بارش ہوئی جو رات دیر تک جاری رہی۔ تیز ہواؤں کی وجہ سے کالج کے صحن میں لگا ہوا ایک درخت اُکھڑ کر میرے اوپر آ گرا۔ درخت کے گرنے سے میں بُری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا اور میرا بُرا حشر ہو گیا۔ رات بھر میں سخت اذیت میں کراہتا رہا اور صبح کالج انتظامیہ نے مجھے وہاں سے اُکھاڑ کر کباڑیے کے ہاں بیچ دیا۔ اب میں کباڑیے کے گودام میں زخمی پڑا ہوا اچھے دِنوں کو یاد کر کے روتا رہتا ہوں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۵۔ پھٹے ہوئے جوتے کی آپ بیتی

میں ایک تباہ حال پھٹا پرانا جوتا ہوں۔ میں اپنی داستانِ غم سنانا چاہتا ہوں تا کہ لوگ مجھ سے عبرت پکڑیں۔میرا ماضی بڑا شاندار تھا، جب میں ایک خوبصورت گائے کے جسم کا حصہ تھا۔ مالک گائے کا بڑا خیال رکھتا، وقت پر چارا ڈالتا اور پانی پلاتا تھا، بدلے میں گائے مالک کو مَنوں کے حساب سے دودھ دیتی تھی لیکن وقت گزرتا گیا اور گائے بوڑھی ہو کر کمزور ہوگئی اور دودھ دینا کم کر دیا تو مالک نے بھی اُسے ذبح کر دیا۔اور کھال کو جسم سے الگ کر کے چمڑے کے کارخانے میں پہنچا دیا۔کارخانے والوں نے کھال پر نمک لگا کر اُسے آلائشوں سے پاک کر دیا اور پھر مجھے صاف کر کے چمڑے کی شکل دے دی۔ پھر کارخانے کے مالک نے مجھے ایک تاریک گودام میں بند کر دیا جہاں میرا دَم گھٹنے لگا مگر کچھ دِنوں بعد میں اس اندھیرے کا عادی ہو گیا۔

کچھ عرصے بعد ایک شُوز کمپنی کا مالک آیا اور مجھے اور میرے بہت سے ساتھیوں کو خرید کر ساتھ لے گیا اور جوتے بنانے والے کاریگروں کے حوالے کر دیا۔کاریگروں نے مجھے بہت سے ٹکڑوں کی شکل میں کر کئی مشینوں سے گزارا۔ یہاں تک کہ مجھے تیسرے دن ایک خوبصورت اور چمک دار بُوٹ کی شکل مل گئی۔اُس کے بعد انہوں نے مجھے اور میرے بہت سے بھائیوں کو گتے کے ڈبے میں بند کر کے ایک جوتوں کی نئی دکان پر بھیج دیا۔ جہاں مجھے دکان کے شوکیس میں بند کر دیا گیا۔ پھر بہت سے گاہکوں نے مجھے پاؤں میں پہنا مگر تنگ یا کُھلا ہونے کی وجہ سے مجھے مسترد کر دیا۔آخر ایک دن میرا حقیقی قدر دان آ ہی گیا۔ میں پہلی ہی نظر میں اُسے اچھا لگ گیا اور اُس نے مجھے منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیا۔وہ ایک امیر آدمی تھا اور وہ مجھے پہن کر قالینوں پر پھرتا یا پھر گاڑی میں سوار ہو جاتا۔یوں اُس نے مجھے گَرد آلود ہونے سے بچائے رکھا۔اور میں اُس کے پاؤں میں رہ کر جگہ جگہ کی سیر کرتا رہا۔مگر جلد ہی اُس کا دِل مجھ سے بھر گیا اور اُس نے مجھے اپنے نوکر کے حوالے کر دیا۔ اب میرا زوال شروع ہو گیا کیونکہ اُس نوکر نے مجھے بڑی بے دردی سے استعمال کیا۔نوکر سارا دن مجھے پہن کر کام کاج میں لگا رہتا۔اُس نے نہ میری حفاظت کی اور نہ کبھی مجھے پالش کرنے کی زحمت گوارا کی۔رفتہ رفتہ میری چمک ماند پڑ گئی اور میرے حُسن کو زوال آ گیا۔نوکر نے دو سال مجھے خوب استعمال کیا اور میری ہڈی پسلی ایک کر دی۔ جب میں اُس کے کسی کام کا نہ رہا تو اُس نے مجھے اُٹھا کر کوڑے کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا۔اب میں بے کسی کے عالم میں یہاں پڑا رہتا ہوں اور اپنی بدنصیبی پر آنسو بہاتا رہتا ہوں۔

# ''روداد نویسی''

## (آنکھوں دیکھا حال)

روداد فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''کیفیت، صورت حال کا بیان''۔ روداد کو روئیداد بھی لکھا جاتا ہے۔ اصطلاح میں کسی آنکھوں دیکھے واقعے یا تقریب کا حال تحریری صورت میں لکھنا رودادنویسی کہلاتا ہے۔

## ا۔ ''ایک حادثے کی روداد''

گزشتہ ماہ فرسٹ ایئر کے سالانہ امتحان سے فارغ ہونے کے بعد ہم تین دوستوں (میں، احمد اور زاہد) نے مری جانے کا پروگرام بنایا، اور طے یہ ہوا کہ ہم تینوں 15 جون کو صبح سویرے ایبٹ آباد سے نتھیا گلی کے راستے مری جائیں گے۔ اور یوں حسبِ پروگرام میں، احمد اور زاہد 15 جون کو صبح سویرے نمازِ فجر کے بعد اپنی گاڑی پر روانہ ہوئے۔ احمد کار چلا رہا تھا۔ ہم نے تمام ضروری سامان بھی گاڑی میں رکھ لیا تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم ہرنوئی پہنچے۔ جہاں سے ہم نے ٹھنڈے پانی کی بوتلیں بھی خرید کر سامان میں رکھ دیں۔ راستے میں ہم احمد کو محتاط انداز میں گاڑی چلانے پر خوب تنگ کرتے رہے کہ گاڑی چلا رہے ہو یا تانگہ؟ وہ یہی جواب دیتا کہ احتیاط ضروری ہے۔ ہم یوں ہی خوش گپیوں میں مصروف محوِ سفر تھے کہ بگنوتر کے بڑے موڑ سے کچھ پہلے ایک تیز رفتار ویگن نے ہمیں بڑے خطرناک انداز میں اُوورٹیک کیا اور موڑ پر مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک کار سے جا ٹکرائی۔ ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی اور ارد گرد سب لوگ حادثے والی جگہ کی طرف لپکے۔ ہم نے بھی گاڑی سائیڈ پر روک دی اور حادثے کے مقام کی طرف دوڑے۔ وہاں ایک قیامت خیز منظر دیکھنے کو ملا۔ کار کا اگلا حصہ بالکل تباہ ہو چکا تھا اور کار کا ڈرائیور موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا تھا۔ جبکہ ہر طرف شیشے بکھرے پڑے تھے اور ویگن سڑک کے کنارے الٹ چکی تھی۔ کچھ سواریاں تو بے ہوش ہو چکی تھیں جبکہ زخمی عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار جگر کو پاش پاش کر رہی تھی۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا اور ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ بہت سے لوگ رضا کارانہ طور پر ویگن سے زخمیوں کو نکال رہے تھے۔ مسافروں کی حالت انتہائی خراب تھی، کسی کا بازو ٹوٹ چکا تھا تو کسی کی ٹانگ بے کار ہو چکی تھی۔ مسافر خون میں لت پت تھے اور درد سے کراہ رہے تھے۔ پولیس بھی موقع پر پہنچ گئی اور سائرن بجاتی ہوئی تیز رفتار ایمبولینس بھی آ گئی۔ لوگوں نے جلدی سے زخمیوں کو ایمبولینس میں منتقل کیا اور وہ زخمیوں کو لے کر ہسپتال روانہ ہو گئی۔ کار ڈرائیور کی لاش کو بھی کار سے نکال لیا گیا تھا۔ پولیس حادثے سے متعلق لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے لگی۔ اِس حادثے کو دیکھ کر ہماری حالت بہت خراب ہو چکی تھی اِس لئے ہم نے مری کی سیر کا پروگرام ملتوی کر دیا اور واپس روانہ ہو گئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ۲۔ الوداعی تقریب کی روداد

30 مارچ 2015ء کو پاکستان سائنس کالج کے طلباء نے سالِ دوم کے طلباء کے لئے ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا۔ یہ تقریب کالج کے وسیع ہال میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں صدارت کے فرائض کالج کے پرنسپل جناب غلام مصطفیٰ صاحب نے انجام دیئے۔

تقریب کا آغاز حافظ فیصل کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ اس کے بعد قیصر خان نے حضور ﷺ کی شان میں ہدیۂ نعت پیش کیا۔ حمد و نعت کے بعد سالِ اول کے ہونہار طالبِ علم اور جماعت کے مانیٹر محمد احمد کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ محمد احمد نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا ''آج کا دن دکھ اور خوشی کے جذبات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ دکھ اِس بات کا ہے کہ ہم سالِ دوم کے اتنے اچھے اور شفیق دوستوں کو آج الوداع کہہ کر خود سے جدا کر رہے ہیں اور خوشی اِس بات کی ہے کہ ہمارے یہ دوست کالج میں جس مقصد کے لئے آئے تھے، آج وہ مقصد پورا ہوتا دِکھائی دے رہا ہے''۔ بے شک ان دوستوں کی جدائی کا ہمیں درد تو ہے مگر یہ درد اپنے ساتھ ان کے روشن مستقبل کا پیغام بھی سنا رہا ہے اس لئے ہم یہ درد بخوشی برداشت کریں گے۔

محمد احمد کے بعد سالِ دوم کے طالبِ علم ہارون خان اسٹیج پر آئے اور انہوں نے اپنی تقریر میں کہا ''آج ہم سے ہمارا مادرِ علمی ہمیشہ کے لئے چھوٹ رہا ہے، اِس لئے دِل اداس ہے۔ اِس ادارے نے ہمیں علم و دانش کی صحیح راہ دکھائی اور اساتذہ نے بہترین تعلیم کے ساتھ ہماری اچھی تربیت بھی کی۔ اس لئے ان اساتذہ اور ادارے کی محبت اور یادیں ہمیشہ ہمارے دِل و دماغ پر نقش رہیں گی''۔ یہ خوبصورت چار دیواری، خوشنما باغیچہ، مخلص دوست ہمیں ہمیشہ یاد آئیں گے۔ اِس کے بعد سالِ اول کے طالبِ علم وقار زیب نے اُداس ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے لطائف سنا کر حاضرین کو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

آخر میں صدرِ محفل، ادارے کے پرنسپل صاحب جناب غلام مصطفیٰ اسٹیج پر تشریف لائے اور انہوں نے اپنے خطاب میں طلباء کو باکردار رہنے کی تلقین کی۔ مزید فرمایا کہ آپ جہاں بھی جائیں گے، ادارے کا نام آپ کے ساتھ رہے گا، اس لئے آپ کا قول و فعل ادارے کے وقار کا ضامن ہونا چاہیے۔ انہوں نے دعا دی کہ

مستقبل کی ہر خوشی آپ کا مقدر بن جائے اور آپ کی ذات دین اور وطن دونوں کے لئے سُودمند ثابت ہو۔

پرنسپل صاحب کی تقریر کے بعد اسٹیج سیکرٹری نے اساتذہ اور طلباء کو کھانے کی دعوت دی۔ حاضرینِ محفل ہال سے نکل کر برآمدے میں کھانے اور دیگر لوازمات سے لطف اندوز ہوئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۳۔ یومِ اقبال کے موقع پر منعقد ایک تقریب کی روداد

ہمارے کالج میں ہر سال قومی اکابرین کے دن بڑے جوش و خروش کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ حسبِ دستور اِس سال بھی 9 نومبر کو یومِ اقبال کے موقع پر ایک خوبصورت تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ کالج کو ایک دن پہلے ہی جھنڈیوں سے سجا دیا گیا۔ 9 نومبر کو طلبہ ساڑھے آٹھ بجے صبح کالج ہال میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اِس تقریب کے مہمانِ خصوصی E.D.O ایبٹ آباد تھے جبکہ صدارت کے فرائض کالج کے پرنسپل صاحب نے سنبھالے۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز گیارہویں جماعت کے طالب علم حافظ کلیم کی تلاوتِ قرآن مجید سے ہوا۔ اُس کے بعد اسٹیج سیکرٹری نے قاری شاہد کو نعتِ رسولِ مقبول ﷺ پیش کرنے کے لئے مدعو کیا۔ نعت کے بعد سالِ اول کے محمد اسلم نے "اقبال اور مردِ مومن" کے موضوع پر خوبصورت تقریر کی اور اقبال کا یہ خوبصورت شعر بھی پڑھا ۔

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تُو ہے

محمد اسلم کی مختصر اور جامع تقریر کے بعد سالِ دوم کے محمد عارف نے "اقبال اور عشقِ رسول ﷺ" کے عنوان پر خوبصورت تقریر کی اور مختلف حوالوں سے ثابت کیا کہ اقبال ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ اس کے اندازِ خطابت نے تقریر کو اور بھی معتبر بنا دیا اور حاضرین نے دل کھول کر داد دی۔ اس تقریر کے بعد سالِ اول کے محمد جبران نے اپنی خوبصورت آواز میں مترنم کلامِ اقبال سنایا جس سے سامعین بے حد محظوظ ہوئے۔

اس کے بعد مہمانِ خصوصی E.D.O صاحب اسٹیج پر تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اقبال کی شاعری محکوم قوموں کے دلوں میں حرّیت کا جذبہ پیدا کرتی ہے، ان کا فلسفۂ خودی ہر مسلمان کے لئے پیغامِ حیات ہے۔ مہمان خصوصی نے ناصحانہ انداز میں کہا کہ اگر ہم اقبال سے محبت کے دعویدار ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے دیئے ہوئے پیغام پر عمل بھی کریں۔

مہمانِ خصوصی کے خطاب کے بعد صدرِ جلسہ پرنسپل صاحب نے مہمانِ خصوصی کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اپنا قیمتی وقت نکال کر ہمارے کالج میں تشریف لائے اور اپنے زریں خیالات سے مستفید فرمایا۔ صدر جلسہ نے بزمِ ادب کے اراکین کی تعریف بھی کی کہ ان کی بہتر صلاحیتوں کی بدولت یہ تقریب کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ طلبہ نے پرجوش تالیوں سے صدر جلسہ کی بات سے اتفاق کیا۔ تقریب کے اختتام پر مہمانوں اور دیگر شرکاء کی چائے اور دیگر لوازمات سے تواضع کی گئی اور یوں یہ پروقار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۴۔ میلے کا آنکھوں دیکھا حال

گزشتہ سال موسمِ بہار کی چھٹیوں میں مجھے اپنے چچا کے ہاں لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میں نے اپنے چچا زاد بھائیوں کے ہمراہ "میلہ چراغاں" دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ یہ میلہ حضرت مادھولال حسین کے مزار (باغبانپورہ) میں ہر سال مارچ کے آخر میں تین چار دن لگتا ہے۔

پروگرام کے مطابق ہم شام کو وہاں پہنچے۔ سب سے پہلے حضرت مادھولال حسینؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میلے کے ہجوم میں جا شامل ہوئے۔ میلے میں اکثریت دیہاتی لوگوں کی تھی لیکن لاہوریے بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ قسم قسم کے لباس میں ملبوس لوگوں کی ٹولیاں اِدھر اُدھر جا رہی تھیں۔ ایک جگہ ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا ڈالا جا رہا تھا اور ڈھول بجانے والے اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ دھکم پیل کا وہ عالم تھا کہ خدا کی پناہ، ہر طرف بے پناہ ہجوم تھا۔ انسانوں کے اس سیلاب میں بہتے ہوئے ہم ایک عارضی بازار میں جا پہنچے۔ اس بازار میں دکانیں لگی ہوئی تھیں اور قسم قسم کی چیزیں فروخت ہو رہی تھیں۔ حلوائیوں نے مٹھائیوں کے بڑے بڑے تھال چاندی کے ورق لگا کر سجا رکھے تھے۔ ان رنگا رنگ مٹھائیوں کو دیکھ کر ہمارے منہ میں بھی پانی آ گیا لیکن ان مٹھائیوں پر مکھیوں کی یلغار دیکھ کر خود کو کنٹرول کر لیا۔ تھوڑا آگے نکلے تو ایک جگہ بچوں کے کھلونوں کے اسٹال نظر آئے، وہاں طرح طرح کے ربڑ اور پلاسٹک کے کھلونے بچوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ اس سے ذرا آگے شربت، فالودہ اور کوک، سیون اپ کے اسٹال بھی تھے، جہاں سے ہم نے بھی حسبِ طبیعت ایک ایک بوتل پی اور آگے چل دیئے۔ ایک طرف بہت سے بچے اور نوجوان ایک دائرے کی شکل میں جمع تھے اور درمیان میں ایک مداری بندر اور ریچھ کے کرتب دکھا کر لوگوں سے پیسے وصول کر رہا

تھا۔ میلے کے آخری سرے پر ایک سرکس کمپنی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ہم سو روپے کے ٹکٹ خرید کر سرکس میں جا گُھسے ۔وہاں گھوڑے، ہاتھی اور شیر کے کرتب دکھائے جا رہے تھے۔کچھ اداکار اور اداکارائیں بلند جھولوں پر لٹک کر حیران کُن مہارت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

خوب گھومنے پھرنے کی وجہ سے ہم بری طرح تھک چکے تھے اور بھوک بھی لگ رہی تھی چنانچہ ہم کھانے کے ایک سٹال میں جا گُھسے اور وہاں پیٹ بھر کر بُھنی ہوئی مرغی اور کڑاہی گوشت کھایا۔کھانے کے بعد چونکہ شام کا اندھیرا چھا رہا تھا اس لئے دل نہ چاہنے کے باوجود ہم میلے سے باہر نکل آئے اور ٹیکسی پکڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۵۔ ہاکی میچ کا آنکھوں دیکھا حال

پچھلے ماہ کی بارہ تاریخ کو انٹر بورڈ کے فائنل مقابلے کے لئے ہمارے ادارے پاکستان سائنس کالج اور اسلامیہ کالج کی ہاکی ٹیموں کے درمیان ہاکی گراؤنڈ میں میچ کھیلا گیا۔دونوں ٹیمیں ایک دوسرے کی سخت حریف تھیں اور ہمیشہ کانٹے کا کھیل پیش کرتی تھیں۔

اس لئے بارہ تاریخ کو میچ کے وقت سے پہلے ہی میں اپنے دوستوں کے ہمراہ کالج گراؤنڈ میں پہنچ گیا۔اسٹیڈیم تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر چکا تھا اور تماشائی اپنی اپنی ٹیم کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ایک طرف چبوترے پر کچھ کرسیاں اور میزیں لگی تھیں اور لاؤڈ اسپیکر نصب کر کے کھیل پر کمنٹری پیش کرنے کا بندوبست بھی کیا گیا تھا۔

وقتِ مقررہ پر دونوں ٹیمیں اپنے اپنے کالجوں کے اسپورٹس یونیفارم میں ملبوس میدان میں اُتریں اور تماشائیوں نے تالیاں بجا کر ان کا استقبال کیا۔پھر ریفری نے دونوں ٹیموں کو مختصر ہدایات دیں اور سیٹی بجا کر کھیل شروع کرنے کا اشارہ دیا۔اسلامیہ کالج کے سنٹر فارورڈ نے میدان کے وسط میں رکھی گیند کو ہِٹ لگا کر میچ کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں ٹیموں کے کھلاڑی گیند کی طرف لپکے اور گیند ادھر سے ادھر لڑھکنے لگی۔کمنٹری کے پُر جوش انداز اور تماشائیوں کے شور نے کھلاڑیوں میں بجلی سی بھر دی۔کبھی ایک ٹیم کا کھلاڑی گیند کو لے کر دوسرے کے گول کی طرف بڑھتا تو کبھی دوسری ٹیم کا کھلاڑی گیند اچک کر لے جاتا تھا۔ہمارے کالج کے کھلاڑی بڑے منظم انداز میں ایک دوسرے کو پاس دے کر گیند مخالف ٹیم کے گول کی طرف بڑھانے لگے مگر اسلامیہ کالج کے فُل بیک اور گول کیپر بڑی مہارت سے ہر حملے کو ناکام بناتے رہے۔یہ سلسلہ پہلے ہاف تک جاری رہا اور باوجود کوشش کے پہلے ہاف تک کوئی ٹیم گول نہ کر سکی۔پہلے ہاف کے وقفے کے بعد دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں نے جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے گول پر حملے تیز کر دیئے مگر آخری دس منٹ رہ جانے کے باوجود کوئی بھی ٹیم گول نہ کر سکی۔کھیل ختم ہونے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ اسلامیہ کالج کے ڈی میں ان کے ایک کھلاڑی کے فاؤل پر ہمارے کالج کو پلیٹی کارنر ملا۔اس موقع کا فائدہ اٹھا کر کپتان نے گول کر دیا اور اسٹیڈیم نعروں سے گونج اٹھا۔بقیہ پانچ منٹ تک بھرپور کوششوں کے باوجود اسلامیہ کالج کی ٹیم گول برابر نہ کر سکی اور یوں یہ میچ ہماری ٹیم کی جیت کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔ہمارے کالج کے طلباء نے اپنی ٹیم کے کھلاڑیوں کو کندھوں پر اٹھا لیا اور زندہ باد کے نعرے لگائے۔اس کے بعد اس میچ کے مہمانِ خصوصی صوبائی وزیرِ کھیل نے جیتنے والی ٹیم کے کھلاڑیوں کو مبارکباد اور ٹرافی دی اور ہارنے والے کھلاڑیوں کو عمدہ کھیل پر داد دی۔اور یوں ہم تینوں دوست خوش خوش کھیل پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''رسیدیں''

**رسید لکھتے** وقت درج ذیل باتوں کو مدِ نظر رکھیں۔

۱۔ رسید لکھنے والے کا نام، ولدیت، ذات اور مکمل پتہ
۲۔ اپنے ہوش وحواس کا ذکر
۳۔ اگر رسید پلاٹ، زمین سے متعلق ہو تو اس کا حدودِ اربعہ یعنی شمال، جنوب کا ذکر
۴۔ اگر رسید گاڑی وغیرہ سے متعلق ہو تو ماڈل، نمبر، رنگ کا ذکر
۵۔ رقم الفاظ اور ہندسوں میں لکھنا اور کُل رقم کا نصف بھی لکھنا۔
۶۔ رسید کے لئے پانچ بندوں کی موجودگی لازمی ہے۔

۱۔ فروخت کنندہ ۲۔ خرید کنندہ ۳۔ کاتب اور دو گواہ

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ۱۔ موٹر سائیکل کی فروخت کی رسید

باعثِ تحریر آنکہ

میں مسمی احمد خان ولد مجید خان، ذات سواتی پٹھان ساکن لنک روڈ ایبٹ آباد، اپنے ہوش وحواس کے ساتھ اقرار کرتے ہوئے یہ لکھ رہا ہوں کہ میں نے مسمی یوسف ولد خالق داد، ذات اعوان ساکن قصہ خوانی پشاور پر ایک عدد موٹر سائیکل ہنڈا سرخ رنگ، نمبر **ADB6013**، انجن نمبر **x41605776** ساٹھ ہزار (60,000) روپے پاکستانی جس کے نصف تیس ہزار (30,000) روپے پاکستانی بنتے ہیں، فروخت کی اور روبروئے دو گواہان نقد رقم وصول کی۔ کاغذات میں نقص کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔ رسید لکھ دی تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔

| گواہ شد | گواہ شد | فروخت کنندہ | خرید کنندہ |
|---|---|---|---|
| اسماعیل خان | محمد رفیق | احمد خان | یوسف |
| ولد اسحاق خان | ولد محمد موسیٰ | ولد مجید خان | ولد خالق داد |
| قوم یوسفزئی | قوم گجر | قوم سواتی پٹھان | قوم اعوان |
| سکنہ دھمیال روڈ | سکنہ لنک روڈ | سکنہ لنک روڈ | ساکن قصہ خوانی |
| راولپنڈی | ایبٹ آباد | ایبٹ آباد | پشاور |
| شناختی کارڈ | شناختی کارڈ | شناختی کارڈ | شناختی کارڈ |
| 13201-082989-7 | 12201-080010-2 | 18021-098732-1 | 12010-2954321-8 |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

---

## ۲۔ رسید برائے فروخت بھینس

**باعثِ تحریر آنکہ**

منکہ مسمی چوہدری مسعود احمد ولد رفیق احمد قوم بٹ سکنہ مکان نمبر 215 ڈھوک چودھریاں لاہور نے بقائمی ہوش وحواس ایک عدد بھینس، رنگت سیاہ، سینگ لمبے، ساہیوال نسل بہ عمر چار سال بعوض مبلغ بیس ہزار (20,000) روپے سکہ رائج الوقت جن کا نصف دس ہزار (10,000) روپے ہوتے ہیں، بدست ظہیر خان ولد محمد حارث قوم اعوان سکنہ مغل پورہ لاہور کو دو گواہوں کی موجودگی میں فروخت کر کے نقد رقم وصول کر لی ہے۔ یہ رسید لکھ دی ہے تاکہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے

| گواہ شد | گواہ شد | فروخت کنندہ | خرید کنندہ |
|---|---|---|---|
| جابر خان | ادریس خان | چوہدری مسعود احمد | ظہیر خان ولد |
| ولد محمد یوسف | ولد یوسف خان | ولد رفیق احمد | محمد حارث |
| قوم اعوان | قوم پٹھان | قوم بٹ | قوم اعوان |
| سکنہ کمیٹی چوک | سکنہ عزیز آباد | سکنہ ڈھوک | سکنہ مغل پورہ |
| راولپنڈی | راولپنڈی | چودھریاں لاہور | لاہور |
| شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر |
| 13105-088721-5 | 12287-021245-1 | 2175-124681-9 | 21867-000521-4 |

## ۳۔ رسید برائے وصولی کرایہ مکان

باعثِ تحریر آنکہ

منکہ مسمی رضوان جدون ولد سلمان جدون قوم جدون ساکن نڑیاں ایبٹ آباد نے بقائمی ہوش وحواس اپنا ذاتی رہائشی مکان نمبر 240 سٹریٹ نمبر 17 جناح آباد ایبٹ آباد رقبہ دس مرلے، دو منزلہ، مشتمل چار بیڈ روم بمعہ اٹیچ باتھ، باورچی خانہ، برآمدہ کو مسمی خالد صدیق ولد عبدالرحیم قوم قریشی کو مبلغ بیس ہزار روپے (20,000) زرِضمانت بحساب دس ہزار روپے (10,000) ماہوار عرصہ دو سال کے لیے کرائے پر دے رہا ہوں۔ مکان کے پہلے ماہ کا کرایہ مبلغ دس ہزار روپے (10,000) جس کا نصف پانچ ہزار روپے (5000) بنتا ہے، پیشگی وصول کر کے دو گواہوں کی موجودگی میں رسید لکھ دی تا کہ سند رہے۔

| گواہ شد | گواہ شد | مالک مکان | کرایہ دار |
|---|---|---|---|
| اشتیاق احمد | مبشر خان | رضوان جدون | خالد صدیق |
| ولد ہارون | ولد مسعود | ولد سلیمان جدون | ولد عبدالرحیم |
| قوم مغل | قوم تنولی | قوم جدون | قوم قریشی |
| سکنہ ہارون آباد | سکنہ رحمت آباد | سکنہ نڑیاں | سکنہ جناح آباد |
| مانسہرہ شہر | سپلائی ایبٹ آباد | ایبٹ آباد | ایبٹ آباد |
| شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر |
| 13501-7524-5 | 13101-0729577-4 | 15014-41235-0 | 2135-71458-2 |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۴۔ رسید برائے ریڈیو سیٹ فروخت

باعثِ تحریر آنکہ

منکہ مسمی راجہ شوکت ولد راجہ ہارون قوم سواتی سکنہ مکان نمبر 14 پشاور کینٹ نے بقائمی ہوش وحواس اپنا ایک عدد ریڈیو سیٹ ساختہ جاپان ماڈل 1998 تو شیبا بعوض تین ہزار (3000) روپے جن کا نصف پندرہ صد (1500) روپے ہوتا ہے، جناب ندیم انصاری ولد کریم انصاری ساکن گلی نمبر 16 افغانی کالونی پشاور پر فروخت کر دیا ہے اور دو گواہوں کی موجودگی میں رسید لکھ دی ہے تا کہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔

| گواہ شد | گواہ شد | فروخت کنندہ | خریدکنندہ |
|---|---|---|---|
| عبدالرشید | حاجی منیر | راجہ شوکت | ندیم انصاری |
| ولد مسکین احمد | ولد محمد نذیر | ولد راجہ ہارون | ولد کریم انصاری |
| قوم سردار | قوم اعوان | قوم سواتی | افغانی کالونی |
| سکنہ قصہ خوانی | سکنہ گلبرگ | سکنہ مکان نمبر 14 | ساکن گلی نمبر 16 |
| پشاور شہر | پشاور شہر | پشاور کینٹ | پشاور شہر |
| شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر |
| 17501-23456-8 | 23101-115721-6 | 13801-725111-6 | 13101-0729778-3 |

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ۵۔ رسید برائے فروخت کمپیوٹر

باعثِ تحریر آنکہ

منکہ مسمی نوازش علی ولد کلیم علی قوم عباسی سکنہ مکان نمبر 24 غازی آباد پشاور نے بقائمی ہوش وحواس ایک عدد کمپیوٹر 'ڈیل'80 جی بی ہارڈ ڈِسک بمع مانیٹر 21 انچ سونی ساختہ جاپان بعوض بارہ ہزار (12000) روپے جن کا نصف چھ ہزار (6000) روپے ہوتا ہے، بدست عارف محمود ولد حارث محمود قوم راجپوت سکنہ نیوٹاؤن پشاور کو دو گواہوں کی موجودگی میں فروخت کر دیا ہے اور یہ رسید لکھ دی تا کہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔

| گواہ شد | گواہ شد | فروخت کنندہ | خریدکنندہ |
|---|---|---|---|
| (دستخط) | (دستخط) | (دستخط) | (دستخط) |
| گل ہارون ولد | نواز خان ولد | نوازش علی | عارف محمود |
| ہارون خان | سراج خان | ولد کلیم علی | ولد حارث محمود |
| قوم یوسفزئی | قوم سواتی | قوم عباسی | قوم راجپوت |
| سکنہ مکان نمبر 22 | سکنہ مکان نمبر 23 | سکنہ مکان نمبر 24 | سکنہ نیوٹاؤن |
| چنار روڈ پشاور | کوہاٹ روڈ پشاور | غازی آباد پشاور | پشاور شہر |
| شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر | شناختی کارڈ نمبر |
| 16012-145872-5 | 0413-987654-1 | 14501-7765421-9 | 13201-076543-1 |

_____ جنید مسعود لیکچرر (اردو)

# ''درخواستیں''

**درخواست کے اصول:** درخواست لکھتے وقت طلباء درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ کسی بھی ادارے کے سربراہ کو احترام کے ساتھ مخاطب کریں۔　۲۔ درخواست لکھنے کا مقصد واضح اور مؤثر انداز میں تحریر کریں۔

۳۔ سب سے آخر میں دعائیہ کلمات یا مہربانی کے کلمات لکھیں۔　۴۔ اس کے بعد اپنا نام اور پتہ ضرور تحریر کریں۔

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''رول نمبر سلپ کے حصول کے لئے کنٹرولر امتحانات کو درخواست''

بخدمت جناب کنٹرولر امتحانات ایبٹ آباد بورڈ صوبہ خیبر پختونخواہ

جناب عالی!

گزارش ہے کہ فدوی پاکستان سائنس کالج ایبٹ آباد میں فرسٹ ائیر کا باقاعدہ طالب علم ہے۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ہمارے سالانہ بورڈ امتحانات ۱۰ اپریل سے شروع ہو رہے ہیں لیکن آج ۷ اپریل تک تا حال مجھے رول نمبر جاری نہیں کیا گیا جبکہ میرے دوسرے ہم جماعتوں کو رول نمبر جاری ہو چکا ہے۔ کالج ہذا کے کنٹرولر صاحب بھی اس معاملے میں کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے رہے، انہوں نے صرف اتنا بتایا ہے کہ بورڈ کو میرا مائیگریشن سرٹیفکیٹ نہیں ملا۔ حالانکہ میں نے رجسٹریشن کے وقت تمام ضروری کاغذات مہیا کر دیئے تھے۔ فوری ملاحظہ کے لئے مائیگریشن سرٹیفکیٹ کی مصدقہ نقل لف کر رہا ہوں۔ تا کہ آپ کی مہربانی سے مجھے امتحانی رول نمبر جاری کر دیا جائے اور میں بھی امتحان میں شریک ہو سکوں۔

عین نوازش ہوگی۔

العارض

محمد نوید ولد قلندر خان

مورخہ: ۲ اپریل ۲۰۱۸　فرسٹ ائیر

پاکستان سائنس کالج، ایبٹ آباد

جنید مسعود لیکچرر (اردو)

## ''فیس معافی کی درخواست''

بخدمت جناب پرنسپل صاحب پاکستان سائنس کالج ایبٹ آباد

جناب عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں آپ کے زیرِ سایہ ادارہ ہذا میں فرسٹ ائیر کا طالب علم ہوں۔ مجھے تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق ہے جس کا واضح ثبوت میرا سابقہ تعلیمی ریکارڈ ہے۔ میں نے میٹرک کے سالانہ بورڈ امتحان میں ضلع بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور اب تک کالج میں لئے جانے والے تمام ماہانہ ٹیسٹوں میں نمایاں نمبر حاصل کرتا رہا ہوں۔ تمام اساتذہ بھی میری تعلیمی کارکردگی سے مطمئن ہیں۔

محترم! میرے والد صاحب محکمہ تعلیم میں نائب قاصد کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور ان کی ماہوار تنخواہ چار ہزار روپے ہے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور سب کے سب زیرِ تعلیم ہیں۔ مہنگائی کے اس دور میں اتنی کم تنخواہ پر گزارہ کرنا بے حد مشکل ہے۔ چونکہ موجودہ حکومت نے بھی محکمہ تعلیم کے ملازمین کے بچوں کی فیس معافی کی سفارش کی ہے۔ لہٰذا میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میری فیس معاف فرمائی جائے تا کہ میں اطمینان اور پوری توجہ کے ساتھ اپنا تعلیمی سفر جاری رکھ سکوں۔

عین نوازش ہوگی۔

العارض

محمد سراج ولد ہدایت اللہ

مورخہ: ۲۰دسمبر ۲۰۱۸　فرسٹ ائیر،　پاکستان سائنس کالج، ایبٹ آباد

## ''چھٹی کی درخواست بوجہ علالتِ والدہ''

### بحضور جناب پرنسپل صاحب پاکستان سائنس کالج ایبٹ آباد

جناب عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ میں آپ کے کالج میں فرسٹ ائیر کا طالب علم ہوں۔گزشتہ چند دنوں سے میری والدہ کی طبیعت کچھ ناسازسی تھی۔مقامی ہسپتال میں والدہ کا مکمل چیک اپ کرانے سے معلوم ہوا ہے کہ میری والدہ عارضۂ قلب میں مبتلا ہوچکی ہیں۔چونکہ والدہ کے بہتر علاج کے لئے انہیں میڈیکل کمپلیکس اسلام آباد لے کر جانا ہے۔میرے والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں اس لئے مجھے ہی والدہ کے ساتھ جانا ہوگا۔آپ سے التماس ہے کہ مجھے ایک ہفتے کی چھٹی عنایت فرمادیں تاکہ میں والدہ کے علاج پر مکمل توجہ دے سکوں اوران کی خدمت کرکے خدا کے ہاں سرخرو ہوسکوں۔امید ہے کہ آپ مجھے چھٹی عنایت فرما کر مجھے یہ سعادت حاصل کرنے کا موقع ضرور دیں گے۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں زیادہ محنت کرکے اپنی تعلیمی کمی کو پورا کرلوں گا

عین نوازش ہوگی۔

العارض

آپ کا تابعدار

محمد فرید ولد جمال دین

مورخہ: ۲۵جون ۲۰۱۸　فرسٹ ائیر،　پاکستان سائنس کالج، ایبٹ آباد

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---

## ''ہیلتھ آفیسر کے نام درخواست''

بخدمت جناب ہیلتھ آفیسر صاحب ضلع ایبٹ آباد

جناب عالی!

مؤدبانہ گزارش ہے کہ ہم حسن ٹاؤن کاکول روڈ کے رہائشی ہیں۔عرصہ دراز سے ہمارے علاقے میں صفائی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔گٹر آئے روز بند رہتے ہیں اور گندا پانی جگہ جگہ کھڑا رہتا ہے۔بارشوں کے موسم میں گندگی اور بدبو کی انتہا ہوجاتی ہے۔گندا پانی کھڑا رہنے کی وجہ سے

مکھیوں اور مچھروں کی بھی بہتات ہوجاتی ہے۔خطرناک اور مہلک بیماریاں پھیل رہی ہیں جس سے علاقے کے لوگ بہت پریشان ہیں۔

آپ سے التماس ہے کہ فوری طور پر ہمارے علاقے کی صفائی کا بندوبست کیا جائے اور اس معاملے کی نزاکت کا ادارک کرتے ہوئے اس مسئلے کے حل کے لیے مؤثر اقدامات کریں۔شکریہ

عین نوازش ہوگی

اہلیانِ محلّہ

مورخہ: ۲جنوری ۲۰۱۸ء　حسن ٹاؤن کاکول روڈ

ایبٹ آباد

جنید مسعود لیکچرر(اردو)

---